پیام تعلیم



ہمارے قائم مقام شیخ الجامعہ پروفیسر محمد مجیب
آپ ابھی پچھلے دنوں یورپ اور امریکہ کے سفر
سے واپس تشریف لائے ہیں



منی اپنے ننھے منے چیتے کے بچے کو دودھ پلا رہی ہے

پیام تعلیم

جامعہ ملیہ دہلی



ایڈیٹر:۔ محمد حسین حسّان

جلد ۲ | فہرست مضامین جنوری سنہ ۱۹۵ء | نمبر ۱۵

پرنٹر و پبلشر محمد حسین حسّان۔ مطبوعہ جید پریس، دہلی

بچوں سے باتیں

(ایڈیٹر)

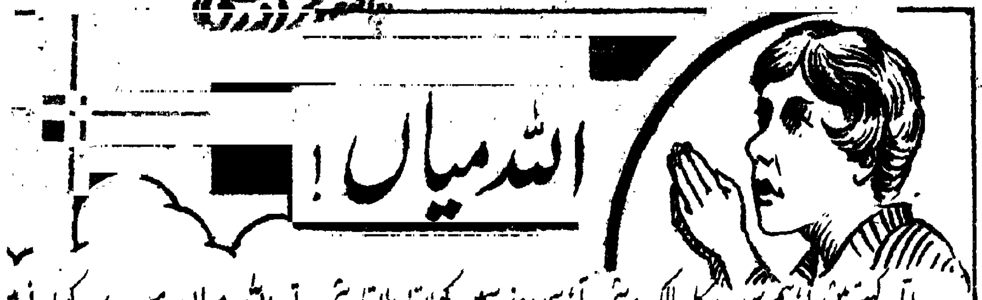
تمھیں یہ سن کر خوشی ہوگی کہ حکومت جموں و کشمیر نے پیام تعلیم کی خریداری پبلک لائبریریوں مڈل اسکولوں اور پرائمری اسکولوں کے لئے منظور کی ہے۔ اس سلسلے میں ہم عالی جناب سید اسد اللہ کاظمی صاحب ڈائرکٹر تعلیمات جموں و کشمیر اور اپنے محترم بھائی رگھوناتھ مٹو صاحب چیف سپروائزر سوشل ایجوکیشن جموں و کشمیر کی عنایت و توجہ کے دلی شکر گذار ہیں۔

اس پرچے میں کہیں تمھارے لئے ایک اعلان چھپا ہے۔ خریداری بڑھانے کے سلسلے میں۔ اس اعلان کو ضرور پڑھنا۔ ہم چاہتے ہیں کہ ۲۰ جنوری تک پیامی بہت سے خریدار بنا ڈالیں، تاکہ فروری کے پرچے میں ان کے نام شائع ہو سکیں۔ یہ پرچہ ۲۶ جنوری کو چھاپنے کی کوشش کی جائے گی۔

ارے بھئی اور بھی کچھ معلوم ہے! تمھارے دیس کا قانون بھی تو بن گیا۔ اپنے آزاد دیس کا آزاد قانون!! ۲۶ جنوری کو اس سلسلے میں سارے ملک میں ایک خاص تقریب منائی جائے گی۔ ۲۶ جنوری ہماری آزادی کی تاریخ میں ایک خاص تاریخ ہے۔ مکمل یا پھر پورا ... حلف ہم نے اسی تاریخ کو اٹھایا تھا۔

ہم چاہتے ہیں کہ اس خوشی ... میں تمھارا پیام تعلیم بھی شریک ہو۔ ... اچھے اچھے مضمون، نظمیں، کہانیاں، ... کی لڑائی کی مختصر سی تاریخ، اس میں حصہ لینے والوں کا تھوڑا تھوڑا حال، ایشیا کے اور ملکوں انڈونیشیا، برما، سیلون، چین ... کے حالات، غرض اسی طرح کی چیزیں ... بتاؤ تم ہماری اس میں کیا مدد کر سکتے ...

محترمی پروفیسر محمد مجیب (قائم مقام شیخ الجامعہ) یورپ اور امریکہ کے سفر سے واپس آ گئے ہیں۔ ہم ان کو اس کامیاب سفر پر مبارک باد دیتے ہیں۔



اللہ میاں!

ابا کہتے ہیں تو ہم سب کا مالک ہے۔ تو ہی روز ہمیں کھلاتا پلاتا ہے۔ تو اللہ میاں میرے کھانے میں اور میرے دودھ میں برکت دینا۔

میرے اس بستر اور پلنگ کو اپنی امان میں رکھنا جس پر میں روز آرام سے سوتا ہوں۔

اللہ میاں رات اندھیری ہے۔ سورج کی اُجالا پھیلانے والی کرنیں ابھی بہت دیر بعد آئیں گی۔ تو ہی اس اندھیارے میں مجھے ڈر سے اور بلا سے بچائیو۔

اللہ میاں میرے کھلونے بھی خراب نہ ہوں اُن سے کھیل کر تو مجھے اتنی خوشی حاصل ہوتی ہے!

اور اللہ میاں! میرے جوتے تو میرے بہت کام آتے ہیں۔ انھیں پہن کر تو میں ہر جگہ آ جا سکتا ہوں تو اُنھیں بھی بچائے رکھیو۔

اور اللہ میاں تو اِن ہاتھوں کو بھی سلامت رکھیو جو ہمیشہ میری خدمت میں لگے رہتے ہیں۔

اور میرے اچھے اللہ میاں میری پیاری امی اور میرے اچھے اباجان ہمیشہ ہمیشہ اچھے رہیں

اللہ میاں ہمارے گھر کا دیا ہمیشہ جلتا رہے۔

اللہ میاں میرے ساتھی اور رشتے دار سب سلامت رہیں۔ اور اللہ میاں تو دنیا کے اور سب بچوں کو بھی تندرست رکھنا۔ جو دوسرے دوسرے ملکوں میں رہتے ہیں۔

اور اللہ میاں تو سارے جگ کا بھلا کیجیو۔

(انگریزی سے اپنایا)

چلبلا سیل

قیصر حسین زیدی ام۔ اے۔ لکچرر ٹریننگ کالج، علی گڑھ

(۲)

کھوجی صاحب کو چھوٹی چھوٹی مچھلیوں کے ٹھکانوں کا کھوج لگانے میں کمال حاصل تھا۔ "جنگ جو" کو طوفان اور اونچی لہروں میں تیرنے کی مہارت تھی۔ آسمان پر ایک نظر ڈال کر آنے والے موسم کا پورا حال بتا سکتا تھا۔ اور طوفان آنے سے گھنٹوں پہلے وہ اس کا اندازہ کر لیتا تھا پر آسمانی باتوں کی زیادہ خبر تو نجمی کو تھی۔ تاروں بھری رات میں نجمی اکثر تیرتے تیرتے ایک دم ٹھہر جاتی اور بڑے غور سے ستاروں کو قطبی تارے کے گرد چکر لگاتے دیکھتی۔

نجمی کا خاندان گرین لینڈ کے برفانی جزیرے کے پاس رہتا تھا یہ سارا جزیرہ برف کی موٹی موٹی تہوں سے ڈھکا ہوا ہے۔ اس پر برف کے بہت بڑے بڑے ٹکڑے ٹوٹ ٹوٹ کر ساحل سے میلوں دور تک سمندر میں تیرتے رہتے ہیں۔ سیل اس سمندر میں تیرتے اور شکار کرتے۔ آرام کرنا ہوتا تو برف کے ٹکڑوں پر چڑھ جاتے۔ اسی لئے سیل اپنی زبان میں اس سمندر کو شانت ساگر کہتے۔ ویسے جغرافیے میں تو اس کا نام بحر منجمد شمالی لکھا ہے۔ نجمی برف کے کسی بڑے ٹکڑے پر آ بیٹھتی اور گھنٹوں ٹکٹکی باندھے چاند اور تاروں کی چال دیکھتی رہتی۔

اصل میں تو یہ دیس نجومیوں کی جنت ہے۔ یہاں چاند اور ستاروں میں ایسی چمک اور دمک ہوتی ہے کہ ایک ایک تارہ صاف پہچانا جاتا ہے، خوبی یہ کہ مہینوں ہر وقت یہی نظارہ نظر کے سامنے رہتا ہے۔ یہاں رات اور ملکوں کی طرح چند گھنٹوں کی نہیں ہوتی۔ مہینوں لمبی ہوتی ہے۔ سورج کبھی نہیں نکلتا۔ افق سے اُبھر کر آسمان پر نہیں چڑھتا۔ ہاں اس کی کرنیں پھوٹ پھوٹ کر دور تک آسمان پر پھیل جاتی ہیں۔ اور اس کے اثر سے طرح طرح کی رنگ برنگی روشنیاں دکھائی دیتی ہیں

کبھی تو زمین کے ذرا نزدیک بڑے پیارے رنگوں کی چوڑی دھنک سی بن جاتی ہے۔ اور اس میں سے ہزاروں لال، نارنجی، بنفشئی، ہرے پیلے اور دوسرے پیارے پیارے رنگوں کی کرنیں تیروں کی طرح نکل کر دور تک پھیل جاتی ہیں، جیسے قدرت کا آتش باز، ہوائیاں اور انار چھوڑ رہا ہو، کہیں پتلی چوڑی دھاریاں اور رنگ برنگے دائرے اس طرح مل کر جھلملاتے ہیں جیسے پردے ہوا میں لہرا رہے ہوں پھر برف کی شفّاف سطح اس آسمانی روشنی کے لئے آئینے کا کام دیتی ہے اور ساری زمین جگ مگ جگ مگ کرنے لگتی ہے۔

نجمی اور اُس کے ساتھی اس پیارے نظارے کو دیکھنے اکثر برف پر جمع ہو جاتے رنگ برنگی روشنیاں دیکھ کر بہت خوش ہوتے اور تالیاں بجاتے۔ نجمی ان سب میں سمجھ دار تھی وہ خدا کا شکر بھی ادا کرتی۔ ایسی پیاری روشنیاں نہ ہوتیں چاند تاروں میں اتنی چمک دمک نہ ہوتی تو اس دیس میں ایسی لمبی رات کیسے کٹتی۔ رات اندھیری ہوتی تو سب کا دل گھبرا جاتا۔ بچّوں کا تو مارے ڈر کے بُرا حال ہوتا۔ کھیل کود، سیر و شکار تو کیا باہر نکلنے کی ان غریبوں

کو تہمت نہ ہو گی۔

اس دیس کی تو ریت ہی نرالی ہے۔ جتنی لمبی رات اتنا ہی لمبا دن۔ گرمی بھر یہاں سورج دیوتا کا راج رہتا ہے۔ اس زمانے میں وہ زمین سے ابھرتے ہیں تو ڈوبتے ہی نہیں صبح شام آسمان پر چڑھتے اترتے تو نظر آتے ہیں پر نظروں سے اوجھل نہیں ہوتے۔

شام کے وقت نجمی کبھی یہ نظارہ دیکھنے برف پر آ بیٹھتی اس وقت سورج اترتا نظر آتا اترتے اترتے اس جگہ تک آجاتا جہاں آسمان اور زمین ملتے ہیں۔

نجمی نے یہ نظارہ پہلی بار دیکھا تو خیال ہوا کہ اب سورج زمین کے نیچے غوطہ لگانے ہی کو ہے۔ مگر لیجئے وہ تو وہاں جم کر رہ گیا۔ گھنٹوں ڈھٹی دئے وہاں بیٹھا رہا۔ اب وہ بالکل آگ کا گولا معلوم ہو رہا تھا اور اس کی ہلکی ہلکی لال کرنیں آسمان پر چاروں طرف پھیلی ہوئی تھیں۔

اس آدھی رات کے سورج کے عجیب و غریب نظارے کو نجمی اور اس کے ساتھی ہی نہ دیکھتے دکھن کی طرف سے بہت سے آدمی بھی اُسے دیکھنے یہاں آتے۔

(باقی آئندہ)

ذرا سنئے تو!

آپ نے پیام تعلیم کے خریدار بڑھانے کی تجویز پسند کی خوشی کی بات ہے۔ آپ کی یہ تجویز بھی بہت اچھی ہے کہ پانچ خریدار بنانے والے چاہے سال بھر کے لئے رسالہ مفت منگائیں، چاہے چار روپے کا منی آرڈر منگالیں۔

بس اب کام شروع کر دیجئے۔ فوراً۔ خریدار بنانے والے پیامیوں کے نام رسالے میں بھی شائع کئے جائیں گے۔

میری امّی

(ایک بچّے کی زبان سے)

سیدہ فرحت

کیا کہیے ہیں کتنی اچھی
میری اپنی پیاری امّی
آنکھیں اُن کی موہ کا منتر
دِل اُن کا ہے پریم کا ساگر
جب میں بالکل ننھّا سا تھا
اُن کی گودی میں رہتا تھا
مُجھ کو تھیں یہ دُودھ پلاتی
لوری دے دے کر تھیں سلاتی
روتا تو بہلاتیں مجھ کو
گودی میں ٹہلاتیں مُجھ کو
اُن کی ہردم مُجھ پہ نظر تھی
میرے سوا اپنی نہ خبر تھی
میرے سُکھ سے اُن کو سُکھ ہے
میں جو دُکھی ہوں اُن کو دکھ ہے
اب بھی میرا دھیان ہے اُن کو
خیال مرا ہر آن ہے اُن کو
بُرا بھلا سمجھاتی ہیں یہ
جینا مجھے سکھاتی ہیں یہ
پیار کا اُن کے پوچھنا کیا ہے
ڈانٹ میں بھی اِک اُن کی مزا ہے
خوب بڑا جب ہوجاؤں گا
سُکھ امّی کو پہنچاؤں گا

بھولوں گا نہ اُلفت اُن کی
دِل سے کروں گا خدمت اُن کی



تم نے سورج گرہن ضرور دیکھا ہوگا ۔ مدرسے میں سورج گرہن کی چھٹی ہوتی ہے ۔

یوں سورج کو دیکھنا مشکل ہے اور آنکھوں کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ رہتا ہے ۔ لیکن اگر اسے کالے رنگ کے شیشے کی مدد سے دیکھو تو پھر کوئی خطرہ نہیں رہتا ۔ اگر ایسا شیشہ نہ ملے تو کسی شیشے کے ٹکڑے کو ایک طرف موم بتی کی لو میں کالا کرلو ۔ شیشے میں جدھر کاجل لگا ہوا ہے ، اُسے سورج کی طرف رکھ کر دیکھو تاکہ ناک یا مُنہ کالا ہونے کا اندیشہ نہ رہے ۔

جب سورج کو گرہن لگتا ہے تو اُس کے ایک کونے میں ایک سیاہ دھبّا سا دِکھائی دیتا ہے ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے سورج کی روٹی سے ایک نوالا کاٹ لیا ہے ۔ یہ کالا حصہ رفتہ رفتہ بڑھتا جاتا ہے ۔ اسی کو ہم سورج گرہن کہتے ہیں ۔

کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ پورا سورج کالا ہوجاتا ہے تو اُسے پورا سورج گرہن کہتے ہیں ۔ اُس وقت عجیب نظارہ ہوتا ہے ۔ سورج کے چاروں طرف لال لال لپٹیں سی دکھائی دیتی ہیں ۔ گویا کوئی سیاہ دیو اپنی زبانیں لپکا رہا ہو ۔ لیکن پورا سورج گرہن بہت کم ہوتا ہے ۔ اکثر سورج کے ایک حِصّے کو گرہن لگتا ہے ۔

تھوڑی دیر میں یہ کالاپن مٹنے لگتا ہے ۔ لال لال لپٹیں غائب

ہوجاتی ہیں، اور سورج کی روشنی پھر چمک دار سفید ہو جاتی ہے۔

سورج گرہن کیوں ہوتا ہے؟

جب زمین اور سورج کے درمیان چاند آجاتا ہے تو وہ سورج کی روشنی کو روک لیتا ہے۔ اس لئے سورج ہمیں کالا کالا دکھائی دینے لگتا ہے۔

سورج گرہن سال میں کم سے کم دو بار ضرور ہوتا ہے۔ بعض سال پانچ پانچ تک سورج گرہن دیکھے گئے ہیں۔

جب پورا سورج گرہن ہوتا ہے تو ایسا نہیں ہوتا کہ زمین کے ہر حصے سے پورا سورج ڈھکا ہوا دکھائی دے۔ صرف چند ہی جگہوں سے پورا سورج گرہن نظر آتا ہے۔ باقی جگہوں سے کچھ حصہ ڈھکا ہوا دکھائی دیتا ہے اور باقی صاف صاف نظر آتا ہے۔

ابھی حال میں ۹ جولائی ۱۹۵۴ء کو جنوبی روس میں پورا سورج گرہن دیکھا گیا تھا۔ آسمان کا علم جاننے والے حساب لگا کر پہلے ہی سے معلوم کر لیتے ہیں کہ سورج گرہن اور چاند گرہن کب ہونے والا ہے اور کن جگہوں سے پورا سورج گرہن دکھائی دے گا۔ چنانچہ معلوم ہوا ہے کہ جون ۱۹۵۵ء کو ہمارے ملک کے قریب لنکا میں پورا سورج گرہن نظر آئے گا۔

پورا سورج گرہن صرف چند ہی منٹ رہتا ہے۔ حساب لگا کر معلوم کیا گیا ہے کہ کبھی بھی سات منٹ سے زیادہ پورا سورج گرہن نہیں رہ سکتا۔ ۹ جولائی ۱۹۵۴ء کا سورج گرہن صرف سوا منٹ تک پورا رہا تھا۔

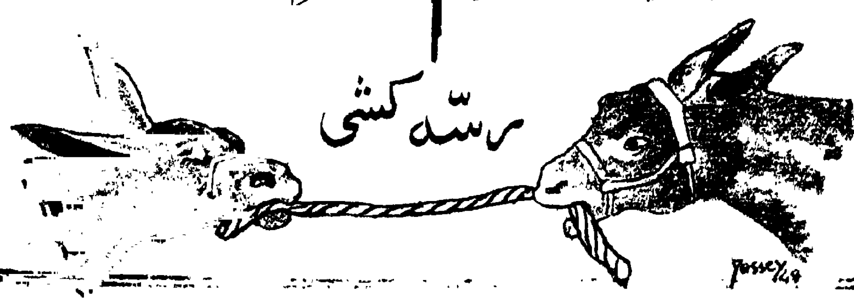
سائنس داں سورج گرہن کے موقع پر دور دور سے ان جگھوں پر اکٹھا ہوتے ہیں جہاں پورا سورج گرہن دکھائی دے گا۔ وہ مہینوں پہلے وہاں پہنچ کر سورج دیکھنے کے آلے ٹھیک ٹھیک لگا لیتے ہیں اور بڑی

بے تابی سے سورج گرہن کا انتظار کرتے ہیں ۔ گرہن کے وقت بادل کا چھوٹا سا ٹکڑا بھی اُن کی امیدوں پر پانی پھیر سکتا ہے ۔ مہینوں کی محنت اور تکلیف بےکار ہوجاتی ہے ۔

تم سوچتے ہوگے کہ سائنس داں سورج گرہن دیکھنے کے لئے اتنی مُصیبت کیوں جھیلتے ہیں ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اُنھیں یہ جاننے کا بڑا شوق ہے کہ سورج کا باہری حصہ کیسا ہے ۔ ویسے تو یہ بات معلوم نہیں ہوسکتی ۔ کیوں کہ سورج میں اتنی زیادہ گرمی اور روشنی ہے کہ اس کے باہری حصے کو معمولی حالت میں دیکھنا ناممکن ہے ۔ لیکن جب پورا سورج گرہن ہوتا ہے تو سورج کے بیچ کی گرمی اور روشن ٹکیا ڈھک جاتی ہے اس لئے اس کے باہری حصے کو اس وقت آسانی سے دیکھ سکتے ہیں ۔

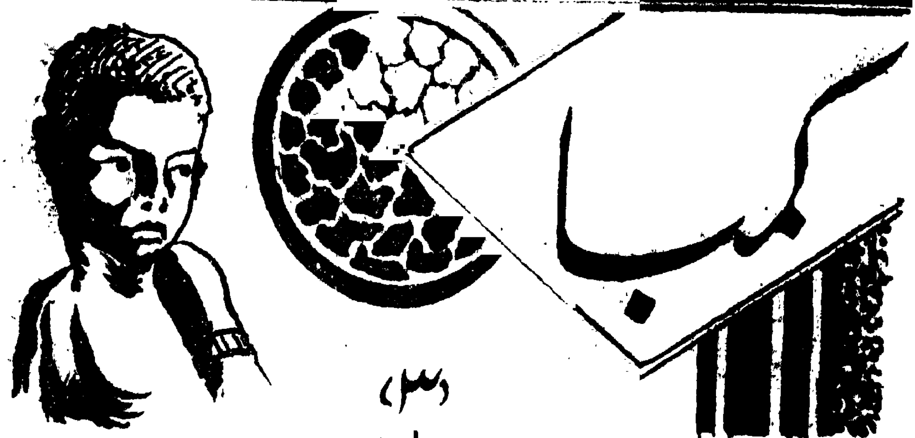
پُرانے زمانے کے لوگ سورج گرہن اور چاند گرہن کو بہت بُرا سمجھتے تھے ۔ اُن کا خیال تھا کہ کوئی بہت بڑی آفت آنے والی ہے ۔ اب بھی بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ گرہن کے وقت سورج اور چاند پر بڑی مصیبت ہوتی ہے ۔ ایک دیو اُنھیں نگلنے کی کوشش کرتا ہے اس لئے لوگ گرہن کے وقت پوجا پاٹ کرتے ہیں اور خیرات دیتے ہیں کہ سورج اور چاند اس مصیبت سے نجات پائیں ۔

لیکن جب سے گرہن کی صحیح وجہ معلوم ہوگئی ہے لوگوں کا ڈر بھرم جاتا رہا ہے ۔



وقت گذر رہا ہے

اور آپ ہیں کہ اتنا جھنجھوڑنے پر بھی نہیں چونکتے بس ایک پیامی نے ہماری بات پر کان دھرا ہے انوار انصاری دہروی نے۔ انھوں نے اپنے ہاں کے رحمو، امامن اور بڑے میاں کو پڑھانا شروع کردیا ہے۔ انوار انصاری کو ہم مبارک باد دیتے ہیں ہمیں یقین ہے کہ انوار میاں اس کام کو اور آگے بڑھائیں گے اور بھئی ہمیں یہ بھی یقین ہے کہ اور سب پیامی بھی اس مضمون کو دیکھتے ہی اپنے پڑوس کے ان پڑھ بھائیوں کو پڑھانا شروع کردیں گے اس وقت دیس کا یہ بہت ہی اہم کام ہے۔ بہت ہی ضروری۔ سال بھر میں ہمارے دیس کا ایک ایک ان پڑھ انکھیارا ہوجائے۔ پڑھا لکھا بن جائے آؤ ہم تم سب سال کے پہلے مہینے میں یہ عہد کرلیں ؁



کمبا

(۳۳)

بہت دیر تک کمبا اور خرگوش چپ چاپ بیٹھے رہے۔ دم بخود۔ اب اندھیرا کالے دھند کی طرح آہستہ آہستہ پھیلنے لگا۔ رات ہوگئی۔

ننھے خرگوش نے کہا۔ "آج کی رات یہیں جنگل میں گذارو میرے بھٹ کے پاس۔ بہت آرام سے گا۔" کمبا اور خرگوش دونوں چل پڑے

کمبا اندھیرے میں گھاس پر لیٹ گیا۔ اب وہ پھر اپنے بارے میں سوچنے لگا۔ پر اب کے امید اور ہمت بھی اس کا ساتھ دے رہی تھیں۔ سوچتے سوچتے اس کی آنکھ لگ گئی۔ ایسا گھوڑے بیچ کے سویا کہ بس صبح ہی کو آنکھ کھلی۔ پر اب جو وہ جاگا تو نئی ہمت اور تازہ ولولے کے ساتھ۔ اس نے جی میں کہا "اب تک تو وہ سچ مچ بدھو ہی رہا مگر اب عقل اور سوجھ بوجھ سے کام لے گا۔

صبح کو جوں ہی گھر میں گھسا سب سے پہلے امی پر نظر پڑی انھیں دیکھتے ہی وہ مسکرایا اور بہت ادب سے سلام کیا۔ تھوڑی دیر بعد امی زمین کھود کر رتالو نکالنے لگیں۔ وہ بھی کھرپی تلاش کرنے لگا۔ امی کی مدد جو کرنا چاہتا تھا۔

کھیل کا وقت آیا۔ لڑکوں نے ایک دوسرے کے ساتھ دوڑ بھاگ شروع کی۔ کمبا بھی شریک ہوگیا اب بھی بار بار وہ پیچھے رہ جاتا

مگر ہمت نہ ہارتا کھیلے جاتا۔

تیسرے پہر کو اس کا باپ برتن بنانے بیٹھا۔ میاں کمبا بھی پاس آکے بیٹھ گئے، اور بولے "ہم بھی کچھ بنائیں ابا!" وہ جانتا تھا پہلی بار اس کا پیالا بہت بھدا بنے گا۔ پر اب ڈر اور ہچکچاہٹ اس کے دل سے نکل چکی تھی۔

جوں جوں دن گزرتے کمبا کا ڈر کم ہوتا اور ہمت بڑھتی رہی اب وہ اپنے باپ سے سوال بھی پوچھتا رہتا۔ ایک دن اس نے پوچھا "برتنوں کے رنگنے کا مسالا کن کن چیزوں سے بنایا جاتا ہے۔ اپنے باپ کے ساتھ وہ جنگل بھی جاتا۔ وہاں سے پھول اور پتیاں جمع کر کے لاتا انھیں رنگ بنانے کے لئے ابالا جاتا۔

غرض یوں ہی دن مہینے اور سال بیتتے رہے۔ کمبا ہوتے ہوتے ایک جوان مرد بن گیا اور جب اس کے باپ پر بڑھاپا آیا کمبا کی استادی اور کاری گری کو سب لوگ مان چکے تھے۔ لوگ دور دور سے اس کے برتن خریدنے آتے تھے۔ یہ سچ مچ بہت خوب صورت ہوتے تھے۔ کمبا کے بنائے ہوئے برتنوں میں اور دوسرے برتنوں میں بہت فرق ہوتا کمبا اپنے برتنوں پر اکثر کالا رنگ چڑھاتا اور سفید یا سرخ رنگ سے ان پر ڈیزائن بناتا۔

ان سب باتوں کے ساتھ ساتھ ایک اور بات تھی۔ بہت اہم۔ اس کے پڑوسی اسے پسند کرتے تھے اور اسے سچ مچ سمجھ دار اور بڑا آدمی سمجھتے تھے ٭

(انگریزی سے اپنایا)



بچوں کی نظمیں

قدرت کی مہربانیاں

توصیف حیدر، رام پور

ایک تو یہ کہ ہم کو پیدا کیا
دوسرے یہ کہ ہم کو کھانا دیا
رات کو بلب ہم جلاتے ہیں
پنکھے گرمی میں ہم چلاتے ہیں
سردی میں اوڑھتے ہیں روز لحاف
روز پیتے ہیں پانی ہم شفّاف
چلنے کو پاؤں بھی دیئے ہم کو
لکھنے کو ہاتھ بھی دیئے ہم کو
موٹر اور سائیکل چلاتے ہیں
دیکھنے کو سنیما جاتے ہیں
کپڑے ہم کو دیئے پہننے کو
بوٹ ہم کو دیئے ٹہلنے کو
پڑھنے کو کچھ ہمیں کتابیں دیں
بولنے کو ہمیں زبانیں دیں
تا کہ بن جائیں ایسے قابل ہم
کر سکیں عزّتیں بھی حاصل ہم
نظم پڑھتے ہیں نثر پڑھتے ہیں
پڑھ کے اُن کو ہم آگے بڑھتے ہیں

پیامِ تعلیم

محمد خلیل الرحمٰن
محمودی، رام پور

آگیا آج زباں پر مری نام تعلیم
پُر ہوا بزم لیے علم میں جام تعلیم
کون ہے جس کو زمانے میں نہیں فیض اس سے
آج اِس درجہ مکمل ہے نظام تعلیم
راہ پاتا ہے وہ ہوتا ہے جو اس کا جویا
ہر کسی کو نظر آتا نہیں بام تعلیم
روشنی مہر کی کیا چیز ہے اس کے آگے
ہفت افلاک سے اونچا ہے مقام تعلیم
علم کا ہے وہی عالم میں فقط شاہ سوار
جس کے قبضے میں ہے ہر وقت زمام تعلیم
علم وہ شے ہے جو گھٹنے کی نہیں ہے تا حشر
سچ تو یہ ہے کہ نہ ہوگی کبھی شام تعلیم
ادبی رنگ ہے چھایا ہوا ہر سمت خلیل
جب سے آیا ہے زمانے میں "پیامِ تعلیم"

ساتواں برّاعظم

ایٹم بم ۔ دنیا کی آب و ہوا

محمد امین ایم اے
مدرسہ ثانوی جامعہ نگر

"بھیا بھیا ارے! ذرا کتاب سے نظر ہٹا لیجیے نا!!"

"اونھ! کیا ہے بھئی، تم پڑھتے وقت کمرے میں نہ آیا کرو۔"

"اچھا اچھا بھیا آئندہ نہیں آئیں گے، پر اب تو ایک بات بتا دیجیے۔"

"پوچھو نا بھئی، پوچھتے کیوں نہیں؟"

بتا دیجیے نا!"

"ارے ارے آپ تو کچھ خفا خفا سے معلوم ہوتے ہیں۔ دیکھیے بھیا اب تک تو ہم یہی پڑھتے آئے تھے تا کہ براعظم کل چھ ہیں پر کل ماسٹر صاحب کہتے تھے ایک براعظم اور ہے ساتواں براعظم۔ اس کا پتہ ابھی چلا ہے مگر وہ اور کچھ نہ بتا پائے، گھنٹہ جو بج چکا



تھا، تو بھیا یہ ساتواں برِّ اعظم کون سا ہے ؟
"خیر بھئی سوال تم نے اچھا کیا۔ دیکھو میاں آج کل دنیا میں ایٹم بم کا کتنا چرچا ہے۔ ہر شخص پر اس کا بھوت سوار ہے۔ اس خوفناک ایجاد نے لوگوں کی نیند حرام کر دی ہے۔ روس اور امریکہ تو اس کے پیچھے دیوانے ہو رہے ہیں۔ سنتے ہیں روس میں ایٹم بم بنانے کا مسالہ ——— یوری نیم دھات بہت افراط سے ہے مگر امریکہ میں نایاب ہے۔ کناڈا میں یہ تھوڑی بہت نکلتی ہے اور سب کی سب امریکہ کے ایٹم بم بنانے والے کارخانوں میں جھونک دی جاتی ہے۔ امریکہ بے چارا بہت پریشان ہے۔ کناڈا میں یہ دھات ختم ہو گئی تو پھر کیا ہوگا! اسی لئے تو اِدھر اُدھر کے ملکوں میں یوری نیم کی تلاش جاری ہے۔"

"تو کیا بھیا ساتواں برِّ اعظم بھی ایٹم بم یا یوری نیم دھات ہے ؟ ٹھیک ہے۔ شاید آپ اس وقت کتاب میں انھی دونوں کا حال پڑھ رہے ہوں گے۔"

"آپ تو بالکل ہی بے وقوف معلوم ہوتے ہیں۔ کہیں بیچ میں سے بات کاٹا کرتے ہیں ذرا صبر سے سنتے رہو، اچھا لو میں قصہ مختصر کرتا ہوں۔ دائرۂ قطب جنوبی کا حال تو تمھیں کچھ معلوم ہوگا۔ جرمن، انگریز، سوئیڈش، نارویجین سیاحوں نے اس علاقے کا بار بار سفر کیا ہے۔ اس علاقے کا حال معلوم کرنے کے شوق میں یہ بھی تمھیں معلوم ہوگا کہ سردی وہاں کیسی غضب کی پڑتی ہے۔ سال کے نو مہینے برف کی ایک موٹی تہہ زمین پر جمی رہتی ہے۔ بس تین مہینے کچھ گرمی پڑتی ہے۔ گرمی کیا بس یہ سمجھو کہ تھوڑی بہت برف پگھل پگھل کر اِدھر اُدھر بہنے لگتی ہے۔ سیاحوں نے اس علاقے کا سفر اسی گرم موسم میں کیا ہے۔"

"بار بار کے تجربوں اور تحقیق کے بعد ان سیاحوں نے ایک نئی بات معلوم کی ہے :— برف کے نیچے پانی کا سمندر نہیں۔ زمین ہے۔ جنوری، فروری میں جب وہاں برف پگھلنے لگتی ہے تو اس کے نیچے پانی تو ملتا ہے پر اس کی گہرائی بہت معمولی ہے، پہلے یہ علاقہ بحرِ منجمد جنوبی کہلاتا تھا۔ جما ہوا جنوبی یا دکنی سمندر۔ پر اب معلوم ہوا کہ سمندر دمندر کچھ نہیں۔ بس زمین ہے۔"

یہ بات معلوم کر کے سیاحوں میں تحقیق کا شوق اور بڑھا اور وہاں نئی

باتیں معلوم کرنے کی دھن میں لگ گئے ہیں
قے کے نقشے بنائے اور قدرتی خزانوں
کھوج میں دن رات ایک کر دیا۔"

اب اس علاقے کا نام انھوں نے
ارکٹا اوشین رکھ دیا ہے۔ اور صاحب
وہ ساتواں براعظم ہے جس کا تمھارے
ٹر صاحب بس ذکر کر کے رہ گئے تھے۔"

"آہا! یہ بات تھی!! مگر پھر بھیا،
بم کیا ہوا۔"

تو بھئی سائنس والوں اور سیاحوں کو اپنی
ش اور تحقیق کے سلسلے میں بہت سی باتیں
لوم ہوئیں۔ یہ بھی پتہ چلا کہ یورینیم
ات کا خزانہ بھی اسی زمین میں دفن ہے۔"

"اب سوال اسے زمین سے نکالنے کا ہے
ت ہی ٹیڑھا سوال۔ بھلا ہر موسم میں تو
ل برف جمی رہتی ہے، زمین کیسے کھودی
ے۔"

ایک ترکیب امریکہ والوں کی سمجھ میں آئی
چار بم اس علاقے انٹارکٹکا اوشین)
رائے جائیں ساری برف ورف ہوا بن جائے
اچھی خاصی زمین نکل آئے گی۔ پھر ایک
ہی نیم کیا بہت سی قیمتی دھاتوں کے لئے
ائی شروع ہو جائے گی۔

امریکہ والوں کے پاس ایٹم بم کی کیا کمی ہے وہ فوراً اس تجویز پر عمل کرنے کے لئے تیار ہو گئے مگر سائنس والوں نے کچھ سوچ سمجھ کر یہ کام کھٹائی میں ڈال دیا۔ انھوں نے بتایا اس تجربے میں بڑا خطرہ ہے بہت بڑا خطرہ۔

"خطرہ! بھلا خطرہ کیا ہوتا۔ یہ سائنس داں بھی عجیب ہیں!"

"اجی جناب خطرہ ہی خطرہ، ذرا غور سے سنئے، اور سمجھ سے کام لیجئے۔ سائنس داں کہتے ہیں، دائرہ قطب جنوبی پر بم گرانے سے کہیں وہاں کی آب و ہوا میں خلفشار نہ مچ جائے ایٹم بم کی گرمی سے یہاں کی آب و ہوا گرم ہو جائے گی، یہ تو جانی بوجھی بات ہے کہ ہر خطے کی آب و ہوا کا اثر دوسرے خطے کی آب و ہوا پر پڑتا ہے۔ اسی لئے قطب جنوبی اور انٹارکٹکا کی آب و ہوا بدلے گی تو ساری دنیا کی آب و ہوا درہم برہم ہو جائے گی، اور بہت ممکن ہے کہ اس وقت جہاں گرمی ہو وہاں سردی پڑنے لگے اور جہاں سردی ہو وہاں گرمی شروع ہو جائے گی۔"

"بس اس خطرے کے مارے امریکہ نے اس تجربے میں ڈھیل ڈال دی ہے۔ پر ایک نہ ایک دن یہ تجربہ ہوگا ضرور، ایک تو بھائی تحقیق کا شوق دوسرے یورینیم کا لالچ۔ کیا سمجھے!"



ایک پھسڈّی لڑکے کا گیت

ہے کس کی یہ جرأت کہ ہو میرا ہمسر
سدا ماسٹر جی سے کھاتا ہوں ڈنڈے
بناتا ہوں ان سارے انڈوں کا حلوا
مرا کام ہے ہر گھڑی لڑنا بھڑنا
بہت خوب میں کھیلتا ہوں کبڈی
کتابوں کے کیڑے بڑے پڑھنے والے
ذرا دیکھو کیسا ہے میرا مقولا

نہیں مدرسے میں کوئی مجھ سا بڑھ کر
مجھے سب مضامین میں ملتے ہیں انڈے
یہ کھاتا ہوں خود بیٹھ کر میں اکیلا
شریفوں پہ نیکوں پہ آوازے کسنا
مگر لوگ کہتے ہیں مجھ کو پھسڈی
سراسر ہیں احمق سدا پڑھنے والے
بنایا ہے میں نے عجب فارمولا

کتابوں سے ہر وقت بیزار رہنا
سدا گلی ڈنڈے میں سرشار رہنا

محمد عثمان غنی
گوجرانوالہ

اونٹوں کی کھیتی

غوث الضادی

(۳)

دوسرا سین

مقام :- تھری میدان

وقت :- رات

(کچھ لوگ باتیں کرتے ہوئے داخل ہوتے ہیں دور سے گھنٹوں کی آواز سنائی دیتی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی قافلہ آ رہا ہے)

ایک اجنبی :- (دوسرے سے) خدا خدا کر کے شہر میں تو پہنچ گئے۔ مگر ٹھیرنے کا کیا انتظام ہوگا؟

دوسرا اجنبی :- سرائے میں ٹھیریں گے۔

پہلا اجنبی :- پھر اونٹ کہاں باندھے جائیں گے۔

دوسرا اجنبی :- اونٹوں کو اسی میدان میں باندھ دیں گے۔ رات بھر کا تو معاملہ ہے کل کوئی دوسرا انتظام کر لیں گے۔

(گھنٹوں کی آواز قریب ہوتی جاتی ہے ——— پردہ آہستہ آہستہ گرتا ہے)

تیسرا سین

مقام :- وہی میدان

وقت :- صبح سویرے

(اسٹیج کے ایک کونے پر روشنی ہے۔ باقی حصے پر تاریکی ہے ——— گھنٹہ چار بجاتا ہے۔ نورو، شیرو اور بدھو داخل ہوتے ہیں۔ یہ تینوں روشنی والے حصے میں کھڑے ہو جاتے ہیں۔ تھوڑی دیر تک مسرت اور حیرت سے ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں۔)

نورو :- (چلاتے ہوئے) اوہو ہو ہو۔ رات بھر میں کھیتی ہری بھری ہو گئی۔

بُدھو:- واہ واہ ، اونٹ کے درخت دیکھنے کی تمنا رہ گئی اور پھل پیدا ہو گئے۔

شیرو:- ہاں بھئی گن تو لو بھئی کہ کتنے پھل ہیں بھئی۔

بُدھو:- (گنتے ہوئے) ایک ، دو ، تین ....

نورو:- کہاں تک گنو گے ، سو ، ڈیڑھ سو سے کم نہیں معلوم ہوتے۔

بدھو:- (خوشی میں) ڈیڑھ سو اونٹ ! کیوں نورو بھائی ! یہ ڈیڑھ سو اونٹ بھلا کتنے میں بکیں گے۔

نورو:- کل ہی تو بھاؤ پوچھا ہے۔ دس روپے کا ایک اونٹ ہوا۔

شیرو:- ہاں تو بھئی پورے پندرہ سو روپے ملیں گے بھئی۔ کم نہیں۔

بُدھو:- (خوشی میں ناچتے ہوئے) پھر تو اپنا حصّہ پانچ سو روپے کا ہو گا۔ آہاہا ہا۔

شیرو:- ہاں بھئی ، ہاں بھئی۔

بُدھو:- پانچ سو ! پانچ سو روپے !! شیرو ! آج سے مجھے سیٹھ بُدھو کہا کرو۔ کچھ دنوں کے بعد نواب بدھو اور پھر اور پھر نواب بدرخاں

شیرو:- ہاں بھئی میں تم سے کچھ کم تھوڑے ہی ہوں مجھے بھی پانچ سو روپے ملیں گے بھئی۔ میں بھی سیٹھ شیرو ہوں بھئی۔ پھر میں بھی نواب بہادر ہو جاؤں گا بھئی ....

نورو:- اور حصّے میں کچھ بھی نہیں ہوں۔ میں نے ہی اونٹوں کی کھیتی کا راستہ دکھلایا ، اب تم دونوں نواب بن بیٹھے۔ میں کچھ بھی نہیں ہوں۔ ہونہہ۔ یہ نہیں ہو سکتا .... میں .... میں .... بدھو ! میں کیا ہوں ؟

بُدھو:- تم .... تم بڑے سیٹھ یعنی سیٹھوں کے سردار۔

(تینوں خوشی سے ناچنے لگتے ہیں ....

اتنے میں سٹیج کے تاریک حصّے میں کچھ آہٹ ہوتی ہے۔ یہ تینوں اُدھر متوجہ ہو جاتے ہیں۔)

بُدھو:- (نورو اور شیرو سے) کون ہے ؟ .... کئی آدمی ہیں ! دیکھو دیکھو ....

نورو:- (چلاتے ہوئے) ہائیں ہائیں۔ تم کون ہو ؟ اونٹ کیوں توڑے لے رہے ہو۔

پہلا اجنبی:- (ہنستے ہوئے) بے وقوف ! اونٹ توڑے نہیں جاتے ، کھولے جاتے ہیں۔ رات کو یہاں باندھے تھے ، اس وقت لئے جا رہے ہیں۔

شیرو:- ہاں بھئی ، ذرا ہوش کی باتیں کرو بھئی یہ اونٹ ہمارے ہیں بھئی۔ تین مہینے محنت کی ہے بھئی۔ تب جا کر اُگے ہیں بھئی۔

دوسرا اجنبی :- (ہنستے ہوئے) ابھی سال بھر اور محنت کرو بھئی!

بدھو :- (نورو سے) یہ تو سب اونٹ توڑ لے رہے ہیں۔ منع کرو۔ منع کیوں نہیں کرتے؟

نورو :- (چلاتا ہوا آگے بڑھتا ہے) تم یہ نہیں لے جا سکتے۔

(شیرو اور بدھو بھی آگے بڑھتے ہیں۔)

پہلا اجنبی :- (سمجھاتے ہوئے) یہ اونٹ ہم نے رات کو یہاں باندھے تھے۔

نورو :- تم نہیں لے جا سکتے (سب لوگ اسٹیج کے روشن حصے میں آجاتے ہیں۔ نورو اجنبی کا ہاتھ پکڑے ہوئے ہے۔ اجنبی کے دوسرے ہاتھ میں رسی کا ایک سرا ہے، جس کا دوسرا سرا اسٹیج کے تاریک حصے میں ہے۔)

دوسرا اجنبی :- (بگڑ کر) ہٹو جی، یہ اونٹ ہمارے ہیں۔

نورو، شیرو، بدھو :- جی نہیں، تمہارے کیسے، اونٹ ہمارے ہیں۔

دونوں اجنبی :- (تیز لہجے میں) اونٹ ہمارے ہیں

بدھو :- (چڑھا کر) بڑے چلے وہاں سے۔ یہ اونٹ ان کے ہیں۔ (تیزی سے) جاؤ جاؤ اپنا رستہ پکڑو۔

پہلا اجنبی :- یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ چلو قاضی جی کے پاس۔

دوسرا اجنبی :- وہیں فیصلہ ہو جائے گا۔

یہ تینوں :- ہاں ہاں چلو۔

(سب چلے جاتے ہیں)

(پردہ)

چوتھا سین

مقام :- قاضی کا مکان۔ (اندرونی حصہ)

وقت :- روشنی پھیل چکنے کے بعد

اسٹیج پر صرف ایک کمرہ ہے جس میں قیمتی قیمتی سامان رکھا ہوا ہے۔ زمین پر قالین بچھا ہوا ہے ایک طرف گاؤ تکیہ رکھا ہوا ہے۔ سامنے کچھ کاغذات بکھرے ہوئے ہیں۔ قاضی جی ایک کاغذ ہاتھ میں لئے پڑھ رہے ہیں .... خیراتی حقہ لئے داخل ہوتا ہے۔ اتنے میں کنڈی کھٹکھٹانے کی آواز آتی ہے۔ خیراتی دروازے کی طرف لپکتا ہے۔ تھوڑی دیر میں نورو، شیرو، بدھو اور وہ دونوں اجنبی داخل ہوتے ہیں۔

قاضی :- (نظر اٹھائے بغیر) کون؟

یہ سب :- سلام سرکار۔

قاضی :- (نظر اٹھا کر) سلام .... کہو۔

نورو :- (آگے بڑھ کر) دیکھئے حضور، تین مہینے

تک محنت ہم نے کی، آج جو اونٹ پیدا ہو گئے تو (اجنبیوں کی طرف اشارہ کرکے) یہ لوگ کہتے ہیں کہ اونٹ ہمارے ہیں۔

پہلا اجنبی:۔ نہیں حضور! ہم لوگ باہر سے آرہے ہیں۔ سوداگر ہیں۔ تجارت کا سامان لاد کر لائے ہیں۔ رات کو دس بجے یہاں پہنچے۔ اونٹوں کو باندھنے کے لئے کوئی جگہ نہیں ملی، میدان میں باندھ دئے تو یہ کہتے ہیں کہ اونٹ ہمارے ہیں۔

دوسرا اجنبی:۔ بھلا حضور! آپ خود ہی غور فرمائیے کہ آج تک کہیں اونٹ بھی زمین سے اُگے ہیں۔

قاضی:۔ (ایک رجسٹر اٹھا کر دیکھتا ہے) مگر وہ زمین تو اونٹوں ہی کی کھیتی کے لئے لی گئی تھی۔

بدھو:۔ دیکھئے حضور! محنت کریں بی فاختہ اور کوّے میوے کھائیں۔ تین مہینے ہم نے مصیبتیں جھیلیں۔ روز صبح اٹھ اٹھ کر پانی دیا آج یہ کہتے ہیں کہ اونٹ ان کے ہیں۔

قاضی:۔ (سمجھاتے ہوئے) چونکہ وہ زمین خاص اونٹوں ہی کی کاشت کے لئے لی گئی تھی، اس لئے قانوناً وہ اونٹ ان تینوں کے ہیں۔

نورو:۔ بس حضور نے ٹھیک ٹھیک فیصلہ کر دیا۔

(شیرو، نورو اور بدھو کے چہروں پر خوشی کے اور اُن دونوں اجنبیوں کے چہروں پر مایوسی کے آثار ہیں۔ سب جانے لگتے ہیں۔)

پردہ گرتا ہے

پانچواں سین

مقام:۔ وہی میدان

وقت:۔ دوپہر

(پردہ آہستہ آہستہ اٹھتا ہے۔ نورو، شیرو اور بدھو ایک دوسرے کے گلے میں ہاتھ ڈالے اسٹیج کے وسط میں کھڑے ہیں۔ تینوں کے ہاتھوں میں کئی کئی رسیوں کے سرے ہیں جن کے دوسرے سرے اسٹیج کے دائیں اور بائیں جانب ہیں اور نظر نہیں آتے۔)

تینوں جھوم جھوم کر گا رہے ہیں۔

پھلی ہے پھولی
پھلی ہے پھولی
اونٹوں کی کھیتی
اونٹوں کی کھیتی
(اپنے دائیں بائیں اشارہ کرکے)
یہ اونٹ ہمارے بکیں گے سارے
جلیں گے دشمن جلیں بے چارے

(پردہ)

کھیل کود

نئی نئی خبریں

نیچے ہم کھیل کود کی خبروں کا ایک نمونہ دیتے ہیں مدرسہ ابتدائی جامعہ نگر میں روزانہ اسی طرح کھیل کود کی خبریں بلیک بورڈ پر شائع کی جاتی ہیں اور بچے روز کے روز کھیل کی خبروں سے باخبر رہتے ہیں۔ کیا اچھا ہو کہ پیامی اپنے مدرسوں میں، انجمنوں اور کلبوں میں روزانہ اسی طرح خبروں کا انتظام کریں اور دیکھیں کہ اس سے بچوں میں کھیل کود سے کتنی دلچسپی پیدا ہوتی ہے۔ (ایڈیٹر)

۱۔ عجیب و غریب نتیجہ:۔

سندھ:۔

پہلی اننگ	۱۵۰ رن
دوسری اننگ	۷۰ "
میزان	۲۲۰ "

کامن ویلتھ:۔

پہلی اننگ	۱۱۵ رن
دوسری اننگ	۲۸ " ایک آؤٹ
میزان	؟

سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر معاملہ کیا ہے؟ کہاں تو اسی کامن ویلتھ کے کھلاڑی ۶۰۰ رن بنا کر بھی سب کے سب آؤٹ نہیں ہوتے، اور کہاں یہ ۱۱۵ رن اور پوری کی پوری ٹیم آؤٹ اس سے پہلے بھی راولپنڈی میں صرف ۸۰ پر پوری ٹیم آؤٹ ہو چکی ہے۔ تعجب تو یہ ہے کہ اچھے کھلاڑیوں کے مقابلے میں تو اُن کے ۶۰۰ اور ۴۰۰ سے زیادہ ہی رن بن جاتے ہیں، لیکن معمولی میچوں میں ۱۵۰ رن بھی مشکل ہی سے بن پاتے ہیں۔ ایک ایک دن میں ۱۹، ۱۹ کھلاڑی آؤٹ کر لئے جاتے ہیں۔ جب کہ بالر کبھی کبھی بال پھینکتے پھینکتے صبح سے شام کر دیتے ہیں اور مشکل سے تین یا چار وکٹ ملتے ہیں۔ دہلی کے ٹسٹ میچ میں تو اکیلے اولڈ فیلڈ نے ۱۵۱ رن بنائے تھے۔

۲۔ ہاں تو اُوپر کا نتیجہ دلچسپ ضرور ہے لیکن صحیح نہیں کھیل ابھی جاری ہی ہے۔ اچھا اب کراچی سے بڑودہ آیئے۔ یہاں کاٹھیاواڑ اور بڑودہ کی ٹیمیں رانجی ٹرافی کے لیے کھیلتی رہیں گی۔ بڑودہ والے اپنی پہلی اننگ میں ۴۸۲ رن بنا چکے ہیں۔ وجے ہزارے نے جن کے نام سے آپ اب بخوبی واقف ہو گئے ہوں گے۔ اس میچ میں اکیلے ۱۹۵ رن بنائے ہیں۔ یوں کہیئے ۵ رن کی کمی رہ گئی ورنہ تو ڈبل سنچری بن جاتی۔ کرکٹ کی دنیا میں ڈبل سنچری کا بننا بہت بڑی بات ہے یہ ہر کھلاڑی کا کام نہیں .... ہاں تو اس وقت ہم بڑودہ میں ہیں۔ کاٹھیاواڑ کے ابھی تک صرف ۴۸ رن بنے ہیں اور اس کے ۶ کھلاڑی آؤٹ۔

۳۔ لیجیئے ہم بڑودہ سے دہلی پہنچے۔ یہ ہے راجپوتانہ اور دہلی ٹیموں کے میچ کا اب تک کا نتیجہ :-

دہلی ۴۴۴ رن

راجپوتانہ ۲۱۱ رن (۹ آؤٹ)

۴۔ اچھا یہ بتلایئے آپ نے احمد آباد کا نام بھی سنا ہے! یہاں بھی آج کل رانجی ٹرافی کے لئے مہاراشٹر اور گجرات کے درمیان کھیل ہو رہا ہے۔ مہاراشٹر کے تمام کھلاڑی ۲۰۷ رن پر آؤٹ کر لئے گئے ہیں۔ دوسری طرف گجرات کے ۱۰۲ رن بن چکے ہیں اور اس کے صرف تین کھلاڑی آؤٹ ہوئے ہیں۔

۵۔ یہ تھی کرکٹ کی دنیا۔ اب دوسری خبریں لیجیئے :-

دہلی کلاتھ ملز کے ہاکی ٹورنامنٹ میں خالصہ بلوز نے ایسٹ پنجاب پولیس کو ہرا دیا۔ اب یہ ٹیم فائنل میں نیو اسٹار سے کھیلے گی۔

۶۔ دہلی کے ٹینس ٹورنامنٹ میں نریندر ناتھ اور نریش کمار نے فائنل جیت لیا۔ یہ دونوں دلیس میں ٹینس کے اچھے کھلاڑی ہیں۔

۷۔ آج سے صبح کی ورزش شوقیہ ہو گئی ہے یعنی جو چاہیں شریک ہوں، لیکن یہ دیکھ کر بڑی خوشی ہے کہ سوائے چند لڑکوں کے باقی سب کے سب وقت پر موجود تھے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ہمارے مدرسے کے لڑکے ورزش کے فائدے سے بہت اچھی طرح واقف ہیں۔ اس سے شوق اور دلچسپی رکھتے ہیں۔ کیوں نہ ہو اچھے اور پڑھے لکھے بچے ایسے ہی ہوتے ہیں۔ وہ ہر اچھا کام خوشی خوشی اور اپنی مرضی سے کرتے ہیں۔ اُن کی یہ خوبی قابلِ مبارک باد ہے ۔



بڑے لڑکوں کے مضمون

سدا میاں

محسن حامد مدرسہ ثانوی، جامعہ نگر

سدا میاں کو شاید آپ جانتے ہوں، گھٹی ہوئی چندیا، پچکی پچکی ناک، ہاتھ بھر کی داڑھی، اس پر پیک کا خضاب، (ماشاء اللہ پان کھانے کا بہت شوق ہے) اور صاحب شرعی پاجامہ ٹخنوں سے اونچا بہت اونچا۔ یہ ہیں ہمارے سدا میاں۔ نواب صاحب کے منہ لگے۔

یوں تو سدا میاں ٹھہرے سیلانی آدمی، پر کبھی کبھی نواب صاحب بھی ان کو اپنے ساتھ ادھر ادھر لے جاتے۔

ایک دفعہ نواب صاحب بمبئی گئے۔ سدا میاں کہاں ٹھہرنے والے، پیچھے پیچھے بندھے رہے بڑی بڑی عمارتوں اور ہوٹلوں کی سیر کی۔ سمندر دیکھ کر تو سدا میاں اچھل پڑے۔ نواب صاحب نے پوچھا "خیریت" اب کیا تھا سدا میاں چلا ہی تو پڑے: "قسم قوران (قرآن) مجید کی چاہے اصیل[۱] کی قسم کھلوا لو یہ تو اپنے والے تالاب سے بھی بڑا ہے۔ بلکہ یوں کہو دگنا ہے دگنا"۔

ایک بار نواب صاحب نے نئی نئی موٹر خریدی۔ سینما دیکھنے جا رہے تھے۔ راستے میں سدا میاں مل گئے۔ خوشامد درآمد کر کے بیٹھ گئے۔ دانتوں تلے دبا تھا پان کا بیڑا، پیک جو آئی تو کھڑکی کی طرف منہ کر کے چھوڑ دی۔ ارے! یہ کیا ہوا!! کھڑکی پہ شیشے چڑھے تھے۔ پیک ٹکرا کر لوٹی اور نواب صاحب کے کپڑے لال کرتی ہوئی موٹر کے فرش پر گری۔ اب تو نواب صاحب کے تیور دیکھ کر ان کی گھگی بندھ گئی۔ مری ہوئی آواز میں بولے، "قسم قرآن مجید کی جبھی تو میں تڑ آتا تھا دیں سجھائی نہیں ہے۔ قسم قرآن مجید کی میری کہاں اتنی ہمت! وہ تو میر صاحب سے قسم قوران مجید کی پوچھ لیجئے۔ زمیں دیکھ رہے ہیں یا نہیں"۔

---

[۱] سدا میاں کو مرغ بازی کا بھی شوق تھا۔ ان کے پاس ایک مرغ تھا۔ اسے وہ اصیل بتاتے تھے۔

سدا میاں نمازی بھی بہت ہیں۔ ایک بار زمین پر دانہ بکھیر کر نماز پڑھنے کھڑے ہو گئے۔ مرغا تھا بھوکا جلدی جلدی کھانے لگا۔ سدا میاں سے یہ نہ دیکھا گیا، نماز پڑھتے میں چلّائے "ابے او گدھے دیکھتا نہیں نماز پڑھ رہا ہوں، اتنی جلدی کیوں کرتا ہے؟" مگر مرغا بہت جلدی میں تھا، ان کی بات سمجھ نہ پایا، اور پھر پھر مرغا آگے آگے، سدا میاں پیچھے پیچھے ساتھ ساتھ چلّاتے جاتے، آخر نماز تڑوا کر ہی مانا، "ٹھہر تو بھی ارے تجھی سے کہتا ہوں ٹھہر جا!"

گاندھی جی کی باتیں

صغیر احمد شمسی ، بریلی

گاندھی جی ۲ر اکتوبر کو اب سے کوئی اسی برس پہلے پیدا ہوئے تھے۔ ۲ر اکتوبر کو ہر سال ہم ان کی برسی مناتے ہیں۔ یہ کام ان کی زندگی میں بھی خوب دھوم دھام سے ہوتا تھا اور اب بھی ہوتا ہے۔ جلسے ہوتے ہیں زور شور کی تقریریں ہوتی ہیں جن میں گاندھی جی کی خوب خوب تعریف کی جاتی ہے، وہ لوگ بھی جو گاندھی جی کی باتوں کو دل سے نہیں مانتے جب موقع آتا ہے تو بے سوچے سمجھے اُن کو خوب اُچھالتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ گاندھی جی کی تعریف کر کے، جلسے کر کے، جلوس نکال کے ان کی یاد منائی جا سکتی ہے، ایسا خیال کرنا ٹھیک نہیں جو کام جی لگا کر من سے نہ کیا جائے اس میں کامیابی نہیں ہو سکتی۔ گاندھی جی کی یاد منانے کا سب سے اچھا طریقہ یہ ہے کہ گاندھی جی کے کاموں اور باتوں کو سمجھا جائے، ان کو تولا جائے، پرکھا جائے، اور جو باتیں اچھی معلوم ہوں۔ من کو بھائیں، ان کو دل میں جگہ دی جائے اور ویسے ہی کام کئے جائیں۔

گاندھی جی میں ہندوستان کے اچھوں کی اچھائی تھی، سچوں کی سچائی تھی، اُن کے دل میں محبت کا اُجالا تھا انھوں نے اپنی زندگی کی کہانی میں اپنے دل کی باتیں لکھی ہیں، سچائی کو پانے کے لئے ان کو اپنے من کی اور باہر کی بُرائی سے بہت لڑنا پڑا۔ انھیں ہاریں ہوئیں لیکن وہ خدا پر بھروسہ کئے سچے راستے پر جمے رہے اور آخر میں کامیاب ہوئے۔ اُن کی کتاب سے میں نے بہت سی ایسی اچھی باتیں چھانٹی ہیں۔ پیامی بھائیوں کے لئے ان میں سے کچھ باتیں نقل کر کے بھیجتا ہوں۔

۱۔ نصابِ تعلیم میں جسمانی تربیت کا بھی اتنا ہی حصہ ہونا چاہیئے جتنا دماغی تربیت کا۔

۲۔ اچھا خط تعلیم کا لازمی جزو ہے۔ اب میری رائے یہ ہے کہ بچوں کو لکھنا سکھانے سے پہلے ڈرائنگ سکھانا

چاہیئے وہ حرفوں کو مشاہدے سے اسی طرح پہچانیں جیسے مختلف چیزوں مثلاً پھولوں ، چڑیوں وغیرہ کو پہچانتے ہیں اور لکھنا اسی وقت سیکھیں جب انھیں چیزوں کی تصویر بنانا آجائے ۔ تب ان کا خط خوب صورت ہو جائے گا ۔

۲۔ جو شخص کسی کی اصلاح کرنا چاہتا ہے وہ اس کے ساتھ شیر و شکر ہو کر نہیں رہ سکتا ۔ سچی دوستی روحانی اتحاد کا نام ہے ۔ جو شخص خدا کا دوست بننا چاہتا ہو ۔ اسے لازم ہے کہ اکیلا رہے ، یا ساری دنیا سے دوستی کرے ۔

۳۔ انسان کی اصلی غرض کھانے سے زبان کا مزہ نہیں بلکہ زندگی کا قائم رکھنا ہے ۔

۴۔ انسان کو صرف وہی چیزیں کھانا چاہئیں جو جسم کی قوت کو قائم رکھتی ہیں ۔

۵۔ یہ بات میری طبیعت کے خلاف تھی کہ جو کام کھلم کھلا نہ کرسکوں اسے چھپا کر کروں ۔

۶۔ دل کی سچی اور پاک آرزو ہمیشہ پوری ہوتی ہے ۔ غریبوں کی خدمت کرنے کی مجھے ہمیشہ آرزو رہتی ہے ۔

بچوں کی کوششیں

ہمارے اسد میاں

انور کمال، الہ آباد

میرا چھوٹا بھائی اسد کمال ہے تو مجھ سے چھوٹا مگر اس کی باتیں سُننے کے قابل ہیں ذرا سے تو آپ ہیں مگر سپاہی بننے کا بڑا شوق ہے۔ ایک دن فوجی کُرتی شرٹ پہنے ابا جان اور ماموں جان کے ساتھ سڑک پر جا رہے تھے۔ فرمانے لگے لوگ اپنے دل میں کہتے ہوں گے کہ ایک چھوٹا سپاہی دو بڑے آدمیوں کو پکڑے لئے جا رہا ہے۔

میں کہہ رہا تھا کہ فورڈ موٹر اچھی ہوتی ہے مگر آپ کی رائے لائنشیا کی تھی۔ بحث جاری تھی کہ ایک دم آپا بول اٹھیں "لائنشیا کیا چیز ہے" برجستہ جواب ملا آپ کیا سمجھئے گا یہ سب تو انگریزی کی باتیں ہیں"

ایک دن آپا نے ابا جان سے کہا "انڈے تو ختم ہو گئے اب کل آپ کیا کھائیں گے" ابا جان ہنس کر بولے "جس چیز پر نام لکھا ہوگا" وہی کھالیں گے۔ اسد صاحب نے فوراً مداخلت کی "آپ کا نام تو بہت سی کتابوں پر لکھا ہے ...."

ایک بار اسد صاحب مدرسے جا رہے تھے۔ آپ ہی کے وزن کے برابر ایک کرمچ کا بستہ گلے میں لٹکا تھا اور سلیٹ جھانک رہی تھی۔ راستے میں ہمارے کالج کے ماسٹر رفیع الدین صاحب نظر آئے اُن کے دل میں گدگدی پیدا ہوئی چپکے سے سلیٹ بستے میں سے نکال لی۔ اسد صاحب بڑھے چلے جا رہے تھے گویا انھیں خبر ہی نہیں۔ جب کافی آگے نکل گئے تو رفیع صاحب گھبرا گئے کہ یہ بوجھ اور سر پڑا۔ پکار کر کہنے لگے "اسد میاں اپنی سلیٹ لے جاؤ" اسد صاحب نے دور ہی سے جواب دیا "کل لے لوں گا آج آپ اپنے پاس رکھے رہیے۔"

رفیع صاحب کو ملازم کے ہاتھ سلیٹ بھیجنا پڑی ۔ مجھ سے مسکرا کر فرمانے لگے رفیع صاحب مجھے چھکانا چاہتے تھے میں نے اُن کو چھکا دیا ۔ ایک دن آپنے سوتے میں ہنسا کردیا۔ آپا خفا ہوئیں تو آپ بھی بگڑے میں تو سو رہا تھا مجھے کیا معلوم ۔

لطیفہ

شبیر احمد رضوی ۔ پیلادی

ماسٹر :۔ (لڑکے سے) اچھا ! یہ بتاؤ دنیا کس شکل کی ہے ؟

لڑکا :۔ گول ہے ۔

ماسٹر :۔ جیسے ۔

لڑکا :۔ جیسے آپ کا سر ۔

دماغی ورزشیں

عبدالوہاب انصاری ہسپوروی

نیچے کے لفظوں کو الٹ پلٹ کر دیکھئے ، اور پیچھے لکھے ہوئے اشاروں سے مدد لیجئے ۔

۱ ۔ بکجرا	۱ ۔ ایک شاعر	اکبر
۲ ۔ قارؤن	۲ ۔ ایک مقدس کتاب	قرآن
۳ ۔ بگلا	۳ ۔ ایک پھول	گلاب
۴ ۔ ٹاؤن	۴ ۔ ایک جانور	اونٹ
۵ ۔ گجرا	۵ ۔ مشہور شاعر	جگر
۶ ۔ گرم	۶ ۔ پانی کا ایک جانور	مگر
۷ ۔ کترنی	۷ ۔ ایک ملک کا نام	ترکی
۸ برسنا	۸ ۔ مشہور شہر کا نام	بنارس
۹ زہرا	۹ ۔ ایک مشہور یونیورسٹی	ازہر
۱۰ رعبب	۱۰ ۔ ایک مشہور ملک کا نام	عرب

آدھی ملاقات

مدیر محترم سلام مسنون !!!
ماشاء اللہ ہمارا پیام تعلیم تو خوب ترقی کر رہا ہے۔ میں آپ کو اس کامیابی پر دلی مبارک باد پیش کرتا ہوں، اور ہاں، دسمبر کے شمارے میں آپ نے یہ لکھا ہے کہ تم آزاد دیس کے بچے ہو لہٰذا تمھیں پاس پڑوس کے ان پڑھوں کو پڑھانا چاہیے۔ سچ جانئے میں نے آج ہی سے اپنے رحمو، امامن اور بڑے میاں کو پڑھانا شروع کر دیا ہے۔

پیام تعلیم کی تو مت پوچھیے، اس سے ہمارے درجے میں ہل چل مچ گئی۔ درجے میں ساتھیوں نے اسے دیکھا اور سب کے سب اس پر ٹوٹ پڑے۔ ہر ایک کی خواہش تھی کہ پہلے میں ہی پڑھوں، کھینچا تانی شروع ہوگئی اس کے اوراق منتشر ہوگئے اور ہمارا پیام تعلیم کئی ٹکڑوں میں منقسم ہوگیا۔ مجھے بہت خوشی ہوئی کہ تمام دوستوں نے اسے بہت پسند کیا۔

دلی دعا ہے کہ ہمارا پیام تعلیم دن دونی اور رات چوگنی ترقی کرے۔ ہم نونہالوں کو چاہیے کہ پیام تعلیم کی توسیع اشاعت میں امکانی کوشش کریں۔ خدا ہمارے عزم و استقلال میں پائداری دے آمین۔

اچھا اب میں رخصت چاہتا ہوں۔
خیر خواہ:۔ انوار انصاری، ڈہری گیا

گرامی قدر! سلام علیکم
دسمبر کا پرچہ باصرہ نواز ہوا۔ ماشاء اللہ اس پرچے کو اور پرچوں سے زیادہ فوقیت حاصل ہے خصوصاً ٹائٹل دیکھ کر اتنی خوشی ہوئی کہ اگر اس وقت ہفت اقلیم کی بادشاہت مل جاتی تو اتنی خوشی نہ ہوتی اور جی چاہتا ہے کہ میں بھی وہیں (جامعہ نگر) پڑھنے کے لئے چلا آؤں۔ اس کے علاوہ تمام مضامین بھی بہت اچھے تھے خاص کر حضرت غوث انصاری صاحب کا ڈراما "اونٹوں کی کھیتی" پڑھ کر تو ہنستے ہنستے دم پھولنے لگتا ہے۔ آیندہ کے لئے پھر ان سے پھر اس قسم کا ڈراما لکھوائیے اور ہاں لندن کا خط تو مجھے بے حد پسند ہے چونکہ اس خط

کے اندر ہم بچوں کے لئے معلومات بھی درج ہیں۔
ایڈیٹر صاحب اب اس رسالے میں ایک کمی اور رہ گئی ہے وہ یہ کہ "بچوں کی نظمیں" والا صفحہ بھی ضرور ہونا چاہئے۔ اس کے لئے ایک صفحہ ضرور رکھئے، تاکہ ہم سب نظم بھی بھیج سکیں پھر آپ کا پرچہ صفحہ آسمان پر چمکنے لگے گا۔

ایک پیامی عبدالوہاب انصاری ہپوڑ

نظم کا صفحہ اس مہینے سے بڑھا دیا گیا ہے۔ (ایڈیٹر)

جناب ایڈیٹر صاحب السلام علیکم

میں یہاں پیام تعلیم کے خریدار بڑھانے کے لئے مشغول ہوں۔ میری کچھ تجویزیں ہیں۔ ایک تو آپ تصویروں والی مسلسل کہانی چھاپئے۔ کوئی غلط تصویر بنا کر بھیجئے اور لکھئے کہ اس تصویر کی غلطیاں بتلانے والے پیامی کا نام پیام تعلیم میں چھاپ دیا جائے گا۔ کارٹون بھی چھاپئے۔ جو بچہ سب سے اچھا لطیفہ لکھے اُسے چھاپئے۔ میرے پاس ہندوستان، پاکستان کے تقریباً سبھی پرچے آتے ہیں۔ لیکن خدا جانے پیام تعلیم سے مجھے کیوں زیادہ شوق ہے۔ اور میں اس کی ترقی کے لئے کیوں اتنا بے قرار ہوں۔ آپ کا

ظہیر الدین احمد، کلکتہ

جناب ایڈیٹر صاحب، پیام تعلیم

پیام تعلیم ملا۔ یہ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی کہ ہمارا پیام تعلیم دن دونی، رات چوگنی ترقی کر رہا ہے۔ دعا ہے کہ پیام تعلیم اسی طرح ترقی کرتا رہے اور ایک دن ہندوستان کے سب سے اچھے پرچوں میں اس کا شمار ہو۔ ایڈیٹر صاحب میرا ایک مشورہ یہ ہے کہ لڑکے جو سوالات کریں تو سوالات اور جوابات دونوں پیام تعلیم میں چھاپ دیا کیجئے۔

خورشید جمال قدوائی دہلی

جناب ایڈیٹر صاحب تسلیم

دسمبر کا رسالہ ملا بہت خوب ہے۔ میرے بھائی بہنوں نے سب پسند کیا۔ خدا کرے یہ اور ترقی کرے۔ اس میں لیڈروں کے حالات، اور دیس کی آزادی کی تاریخ بھی آپ دے سکیں تو کیا اچھا ہو۔ ہاں ۲۶ جنوری بھی تو آ رہی ہے، کیا آپ کوئی خاص نمبر نکالیں گے

رحیم الدین پرتاب گڑھ

ہاں بھئی ارادہ تو ہے۔ دعا کرو خدا کامیاب کرے۔ (ایڈیٹر)

اِدھر اُدھر سے

اتنی بات تو شاید تمھیں معلوم ہو کہ تمھارے دیس اور دوسرے ملکوں کی گھڑیاں ایک ساتھ نہیں چلتیں۔ یعنی یہ ضروری نہیں کہ ہندوستان میں دن کے دس بجیں تو انگلستان میں بھی یہی وقت ہو۔ نیچے ہم ایک نقشہ دیتے ہیں۔ بہت سے ملکوں کا اس سے اندازہ ہوگا کہ ہندوستان میں جس وقت بارہ بجتے ہیں تو دوسرے ملکوں میں کیا وقت ہوتا ہے۔

ہندوستان	میں	۱۲ بجے				دن
رنگون (برما)	"	۱	"			"
ہانگ کانگ (چین)	"	۱	بج کر	۳۰	منٹ	"
ٹوکیو (جاپان)	"	۲	"	۳۰	"	"
استنبول (ترکی)	"	۸	"	۳۰	"	رات
فلسطین	"	۸	"	۳۰	"	"
نیویارک (امریکہ)	"	۱	"	۳۰	"	"
مکہ (عرب)	"	۶	"	۱۵	"	صبح
لندن (انگلینڈ)	"	۶	"	۱۵	"	"
پیرس (فرانس)	"	۶	"	۳۰	"	"
برلن (جرمنی)	"	۷	"	۳۰	"	"
روم (اٹلی)	میں	۷	بج کر	۳۰	منٹ	صبح
قاہرہ (مصر)	"	۸	"	۳۰	"	"
ماسکو (روس)	"	۹	"	۳۰	"	"
مراقش (افریقہ)	"	۱۰	"	۳۰	"	"
افغانستان	"	۲	"	۳۰	"	سہ پہر

پیامیوں نے پیامِ تعلیم میں چمپاوت کے آدم خور شیر کی کہانی پڑھی ہوگی۔ اب اسی سڑک پر ہلدوانی کے قریب کسی گاؤں میں آدم خور چیتا آگیا ہے۔ اور اس وقت تک کئی انسانی جانیں ضائع کر چکا ہے۔

انگلستان کے ایک شہر میں دودھ کی جانچ کرنے والی ایک جماعت نے ایک دوا تیار کی ہے۔ گائے کا دودھ بڑھانے کی۔ اس دوا کی کچھ ٹکیوں کے استعمال سے گائے کا دودھ پانچ پائنٹ (پائنٹ: گیلن کا آٹھواں حصہ) بڑھ جاتا ہے۔

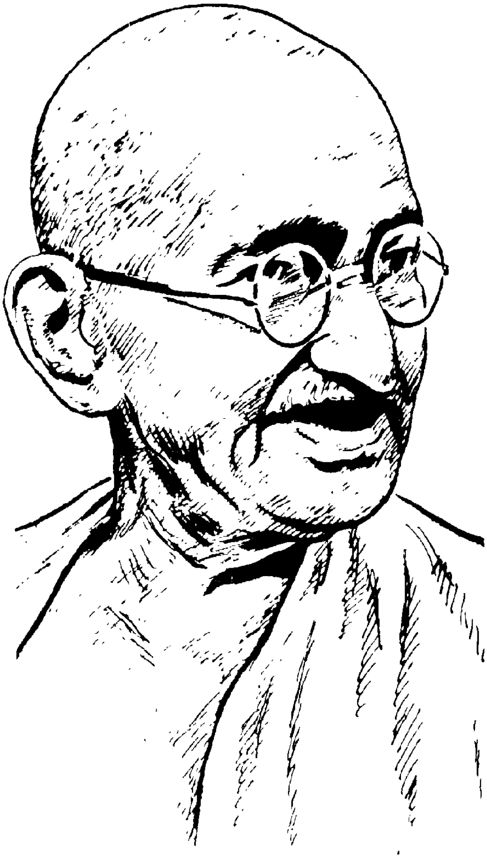


افوہ! اتنی پیاس!



آپ کی صورت تو دیکھا چاہئے

پیام تعلیم



دیش پتا باپو! سارا دیش بھرپور آزادی کی
خوشیاں منا رہی ہے۔ تمہاری روح اتنی
مگن ہوگی یہ سب تمہارا ہی طفیل تو ہے

مکتبہ جامعہ دہلی

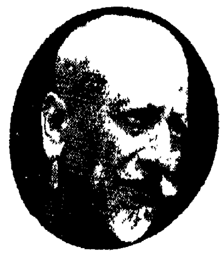
جنتا راج کے سنبھالنے والے

بھلا ان کے نام تو بتاؤ











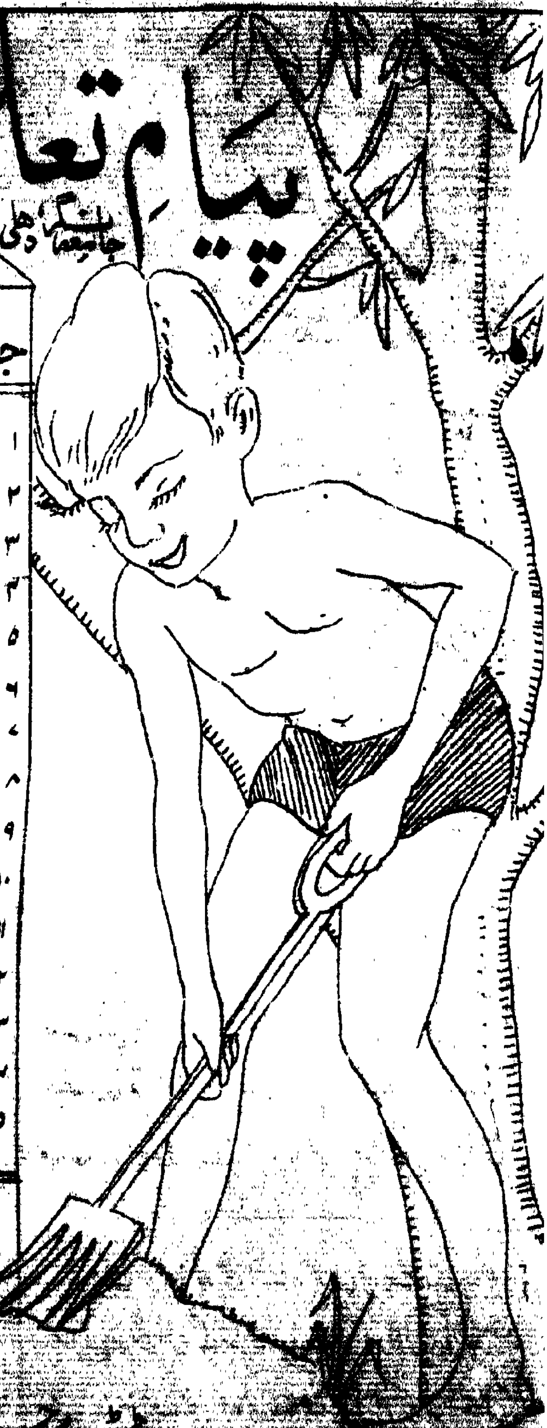




پیامِ تعلیم

جامعہ نگر دہلی

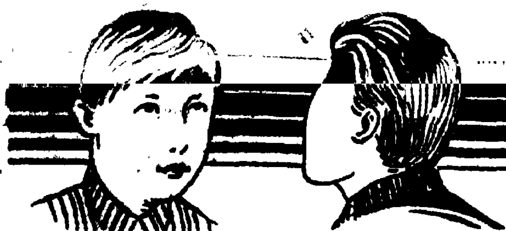
فروری ۱۹۵۰ء



نمبر ۱۱	فہرست مضامین	جلد ۲۲

قیمت سالانہ للعہ | فی پرچہ ۶؍

ایڈیٹر — محمد حسین حسان



بچوں سے باتیں

پیامیوں کو ۲۶ رجنوری کا دن مبارک اور بھئی نیا آئین مبارک!

آج کے دن تم نے کیسی کچھ خوشیاں منائی ہوں گی۔ یہ خوشیاں خدا کرے تم ہمیشہ مناتے رہو۔

اس پرچے کے اکثر مضمون ۲۶ رجنوری کے سلسلے کے ہیں۔ بہت محنت سے لکھے اور لکھائے گئے ہیں۔ خدا کرے تمھیں پسند آئیں۔

کچھ اچھے اچھے مضمون جگہ کی کمی کے سبب لکھنے سے رہ بھی گئے۔ خصوصاً مسلسل مضمون یہ اب اگلے پرچے میں چھپیں گے

پچھلے پرچے میں ہم اپنے نائب شیخ الجامعہ پروفیسر محمد مجیب صاحب کی امریکہ سے واپسی کی خبر دے چکے ہیں۔ قبلہ مجیب صاحب تمھارے لئے ایک تحفہ بھی لائے ہیں۔ ایک دلچسپ سفرنامہ "جامعہ سے امریکہ تک" اس کا ایک حصہ اسی پرچے میں پڑھو

بچوں کی برادری دہلی کی طرف سے تعلیمی مرکز باڑہ ہندو راؤ میں ۴ ، ۵ رفروری کو گاندھی ٹرافی کا انعامی مقابلہ ہوگا۔ پرائمری اسکول اور پرائمری قابلیت کے بچوں کی انجمنیں اس میں حصہ لیں گی۔

اس پرچے میں کہیں انعامی کارٹون چھپے ہیں چند انسانی عادتیں تصویروں میں دکھائی گئی ہیں مثلاً پہلی تصویر میں فخر و غرور۔ باقی تصویروں کا مطلب تم بتاؤ۔ خبردار۔ ٹھیک ٹھیک مطلب بتانے والے پیامیوں کے نام پیام تعلیم میں چھاپے جائیں گے۔

ایک خوش خبری اور۔ بچوں کی برادری کے کچھ ممبر اپنے نگراں کے ساتھ پنڈت جواہر لال جی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ہمارے وزیر اعظم بچوں سے مل کر بہت خوش ہوئے انھیں ایک پیام دیا اچھے اچھے ۴

---

۱ تحفے ۲۶ رجنوری کی تیاری کے سلسلے میں دس ہزار روپے حسین احمد صاحب قیصر اور ان کے ساتھی بچے دلی مبارکباد قبول کریں۔



ہندوستانی بچوں کا ترانہ

(آزادی کے دن)

انسان بنیں گے ہم انسان بنائیں گے
جینے کے طریقے اب سیکھیں گے سکھائیں گے

پہنچائیں گے سکھ اب ہم ہر دیس کے باسی کو
پائیں گے دکھی جس کو دکھ اس کا مٹائیں گے

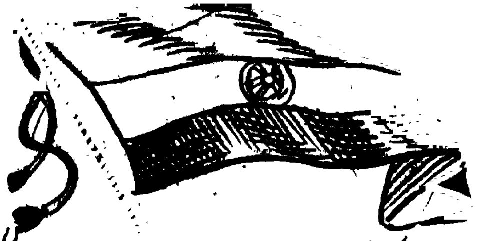
جس میں نہ کوئی ہوگا ننگا نہ کوئی بھوکا
اب ایک نئی بستی ہم ایسی بسائیں گے

ظالم کو نہ دنیا میں اب دیں گے پنپنے ہم
یوں ظلم کا دنیا سے ہم کھوج مٹائیں گے

کچھ کینہ کپٹ رہنے دیں گے نہ کسی دل میں
نفرت کو مٹائیں گے الفت کو بڑھائیں گے

کچھ ذات ہو کچھ مذہب کچھ طور طریقے ہوں
مل جل کے مگر رہنا ہم سب کو سکھائیں گے


بھر دیں گے ہر اک دامن ہم علم کی دولت سے
ہر اہلِ وطن کو ہم با علم بنائیں گے
خوش ہوں گے نہ ہم ہرگز بس اپنا بھلا کر کے
دُنیا کی بھلائی میں ہم جان لڑائیں گے
مُنہ موڑیں گے خِدمت سے اپنوں کی نہ غیروں کی
جو ہم کو پُکارے گا ہم دوڑ کے جائیں گے
بچّے ہیں ابھی لیکن اک روز جواں ہوں گے
دیکھے گا زمانہ پھر، جو کرکے دکھائیں گے



آزادی کی لڑائی

تم آج کس قدر خوش ہو۔ ہنس رہے ہو، اچھل رہے ہو، کود رہے ہو، چہلیں کر رہے ہو، کیوں نہ ہو آج ۲۶ جنوری جو ہے۔ اب سے کوئی بیس برس پہلے ٹھیک اسی تاریخ کو (سنہ ۱۹۳۰ء) ہمارے نیتا پنڈت جواہر لال جی نے ایک عہد لیا تھا۔ مکمل یا بھرپور آزادی کا، اور ابھی یہ عہد ہم نے پورا بھی تو کر لیا۔ مکمل آزادی حاصل کر لی۔ اس کامیابی پر ہمیں جتنی بھی خوشی ہو کم ہے!

اور ہاں، صاحب ہم نے آزاد دیس کا آئین بھی تو بنا لیا ہے!

پر یہ کامیابی ہمیں کیسے حاصل ہوئی۔ ہمارے مقابلے میں جو قوم تھی، بڑی طاقتور تھی، بہت سمجھدار۔

یہ آزادی ہمیں یوں ہی نہیں مل گئی ہے اس کے لئے ہمیں بڑی بڑی تکلیفیں اٹھانا پڑی ہیں اس کی بھی ایک تاریخ ہے

یہ اب سے بہت دنوں پہلے کی بات ہے مغل بادشاہوں کے زمانے کی۔ انگریز یہاں تجارتی کاروبار کے لئے آئے تھے۔ پر ایک وقت ایسا آیا جب مغلوں کی حکومت کمزور پڑنے لگی۔ ادھر انگریزوں کی تجارت دن پر دن ترقی کر رہی تھی۔ اب آہستہ آہستہ انھوں نے ہاتھ پیر پھیلانے شروع کئے حکومت کے انتظام میں بھی دخل دینے لگے۔ جوں جوں مغلوں کی حکومت میں ابتری بڑھتی تھی انھیں اور موقع ملتا تھا۔

شروع شروع میں چند ہندوستانی سرداروں سید حیدر علی ان کے لڑکے سلطان ٹیپو (دکن) اور میر قاسم (بنگال) وغیرہ نے ان سے مقابلہ کیا، پر مات کھا گئے۔

ان لڑائیوں کا اثر یہ ہوا کہ یہاں کے راجا نواب انگریزوں سے ڈر گئے ان کی ہاں میں ہاں ملانے ہی میں انھوں نے اپنی خیریت دیکھی۔

پھر اب سے لگ بھگ ستانوے سال پہلے دیس کے لوگوں نے انگریزوں کے خلاف بغاوت کی۔ آخری مغل بادشاہ اس بغاوت، اس انقلاب کے لیڈر تھے یہی "۱۸۵۷ء کا غدر" کہلاتا ہے۔ انگریزوں نے اسے بہت کامیابی کے ساتھ دبا دیا۔ ظفر شاہ بے چارے

کی پرانے نام حکومت بھی ختم ہوگئی اور انھیں دیس نکالا ملا۔

اب گویا سارا ہندوستان انگریزوں کے ہاتھ میں تھا۔

انگریز بس تجارت ہی اپنے ساتھ نہیں لائے تھے۔ نئے نئے علم۔ نئی نئی ایجادیں بھی۔ ہندوستان کے عام لوگ ان کی ان باتوں سے بہت مرعوب تھے اور انھیں نہ جانے کیا سمجھتے تھے۔

پر ہم میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو انھیں اچھی نظر سے نہیں دیکھتے تھے، انھیں ملک کا دشمن، مذہب کا دشمن۔ انسانیت اور اخلاق کا دشمن سمجھتے تھے۔ مسلمانوں میں خاص طور پر حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے ماننے والے یا قومی جذبہ رکھنے والے مسلمان اس معاملے میں زیادہ آگے تھے

ساتھ ہی ساتھ عام لوگوں نے وقت کی ضرورت کو سمجھا۔ انگریزی پڑھی، انگریزی علم پڑھے خود انگلستان میں اس وقت حکومت کا جو انتظام تھا اس پر نظر کی اور جمہوریت یا جنتا راج کا دھندلا دھندلا سا نقشہ نظر کے سامنے پھرنے لگا اور ایک خیال آپ ہی آپ اُن کے دماغوں میں چکر لگانے لگا۔ خود اپنے دیس میں بھی حکومت کا یہی طریقہ کیوں نہ رائج کیا جائے!

پھر تو یہاں کے لوگوں نے اسے اپنا ایک مقصد بنا لیا۔ کانگریس کے نام سے ایک انجمن بنائی۔ یہ انگریزوں سے اس بات کا مطالبہ کرتی تھی کہ حکومت کے انتظام میں ہندوستانیوں کو بھی شریک کیا جائے۔ کانگریس کی طاقت دن پر دن بڑھتی رہی۔

ہوتے ہوتے اب سے کوئی ۴۴ برس پہلے دنیا کی بڑی لڑائی چھڑ گئی۔ انگریز بھی اس لڑائی میں شریک تھے۔ جرمنی سے مقابلہ تھا، ترک جرمنی کے ساتھ تھے۔ انگریزوں کو ڈر ہوا۔ کہیں مسلمان ترکوں کی ہمدردی میں کوئی شورش نہ کر بیٹھیں اور ہندوستانی آزادی کی مانگ میں اور زیادہ سختی نہ کرنے لگیں۔ انھوں نے ایک تو مسلمانوں کے بڑے بڑے لیڈروں مثلاً مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی، مولانا ابوالکلام وغیرہ کو نظر بند کر دیا۔ دوسرے ہندوستانیوں سے بہت سے وعدے وعید کئے کہ لڑائی کے بعد یہ کر دیں گے وہ کر دیں گے مگر لڑائی کے بعد انکھیں بدل لیں۔

اب تو سچ مچ ہندوستان میں بہت شورش ہوئی اور انگریزوں نے پوری طاقت سے اُسے دبانا چاہا۔ اس زمانے میں یا لچکی

جنوبی افریقہ سے تشریف لے آئے تھے۔ انھوں نے مولانا ابوالکلام، مولانا محمد علی وغیرہ کے ساتھ مل کر اس شورش یا انقلابی تحریک کو جنتا کی تحریک بنادیا۔ ہماری جامعہ بھی اسی زمانے میں قائم ہوئی تھی۔

انگریزی حکومت اس وقت بہت گھبرائی ہوئی تھی پر اس نے اپنے اوسان ٹھیک رکھے۔ ایسی ترکیبیں کیں کہ ہندوستان کے فرقوں میں پھوٹ پڑگئی۔ تحریک دب دبا گئی۔

مگر آزادی کا جذبہ ایک بار دل میں پیدا ہوجاتا ہے تو دب تو سکتا ہے مٹ نہیں سکتا آخر ۲۹ - ۱۹۳۰ء میں اس تحریک نے پھر سر نکالا۔ اب کے یہ زیادہ ٹھوس بنیادوں پر تھی آخر حکومت کو اس کے آگے سر جھکانا پڑا۔ کانگریس اور حکومت میں سمجھوتہ ہوگیا۔ کانگریس نے اپنے دیس کے لئے بہت کچھ حاصل کرلیا۔

اب سے کوئی دس برس پہلے (۱۹۳۹ء) دوسری بڑی لڑائی چھڑی۔ اب کے بھی جرمنوں اور انگریزوں کا مقابلہ تھا۔ انگریزوں نے کانگریس اور جنتا کی رائے لئے بغیر ہندوستان کو اس لڑائی میں شریک کرلیا۔

کانگریس نے اس بات پر خفا ہوکر حکومت سے ناتہ توڑلیا۔ حکومت اور کانگریس میں پھر ٹھن گئی۔ اب کے کانگریس نے باپو کی رہنمائی میں "ہندوستان چھوڑدو" کا نعرہ لگایا۔ ۴۲ء میں تو یہ تحریک آگ کی طرح پورے دیس میں پھیل گئی۔ ہندوستان کے سارے بڑے بڑے لیڈر جیلوں میں بند کردئے گئے پر یہ ٹکر ایسی تھی کہ سرکار اسے سنبھال نہ سکی، لڑائی ختم ہوتے ہی اُسے ہندوستان چھوڑنا پڑا۔ دیس آزاد ہوگیا

پر اس آزادی کی دیس کو بہت بڑی قیمت بھی دینی پڑی۔ سرکار نے ہندوستان کے دو بڑے بڑے فرقوں میں نئی نئی ترکیبوں سے پھوٹ ڈالے رکھی۔ یہ چیز آہستہ آہستہ دلوں میں جڑ پکڑ گئی۔ دونوں کو ایک دوسرے پر بھروسا نہ رہا۔ آخر دیس کے دو ٹکڑے ہوگئے۔ لاکھوں آدمی مارے گئے۔ لاکھوں بے گھر، بے در ہوگئے۔

ایک بات تو اس سے بھی دردناک ہوئی ایک ناسمجھ نے باپو کو ہم سے چھین لیا۔ آزادی کی لڑائی جنتا نے انھی کی سرداری میں لڑی تھی۔ پر جب دیس کے اچھے دن آئے تو وہ ہم سے چھین لئے گئے

پر اب دیس کے بہت سے زخم بھر چکے ہیں ہمیں آگے بڑھنا ہے۔ ترقی کرنا ہے۔ ہمارے

نیتا پنڈت جواہر لال نہرو، مولانا آزاد شری راجندر پرشاد، شری راج گوپال چاریہ کی رہنمائی میں ہمارے قدم برابر آگے ہی کی طرف ہیں۔ ایشیا کے سارے ملک ہمارے دیس کو سب سے اونچا مان چکے ہیں۔

اب ہمارا کام یہ ہے کہ اپنے دیس کا نام اونچا رکھیں۔ اپنی عادتیں، اپنے اخلاق آزاد دیس کے لوگوں جیسی بنائیں۔ نیچے خیال نیچی باتیں دل سے نکال دیں۔ دیس کی عزت پر مرمٹنے کو تیار رہیں۔

بس جبھی ہمارے "دیس کا جھنڈا" ہمیشہ اونچا رہے گا۔

آزادی کا مبارک دِن

محمد شفیع الدین نیّر

ارمان تھا یہ دِل میں کہ آزاد ہو وطن ÷ ہو پر بہار بادِ مسرت سے یہ چمن
ملتھے سے اِس کے دُور غلامی کا داغ ہو ÷ اہلِ وطن کو درد و الم سے فراغ ہو
دُنیا میں اہلِ ہند بھی پھر سربلند ہوں ÷ پھر وسعتِ نگاہ سے یہ ارجمند ہوں
پھر امن و عافیت کا جہاں کو پیام دیں ÷ پھر بادۂ سرور کا بھر بھر کے جام دیں
علم و ہنر میں جرأت و ہمت میں شان میں ÷ ہوں اپنے نوجوان معزز جہان میں
شکرِ خُدا کہ ہم کو میسّر یہ دِن ہوا ÷ آزادیٔ وطن کی پڑی کان میں صدا

آؤ خوشی سے آج مبارک یہ دِن منائیں
پچھلی کدورتوں کو ہم اِس وقت بھول جائیں

نیّر خدا کرے کہ اب آزاد ہی رہیں ÷ عزت سے آبرو سے سدا شاد ہی رہیں



جامعہ سے امریکہ تک

پروفیسر محمد مجیب

جس زمانے میں لوگ گھوڑوں اور گاڑیوں پر سفر کرتے تھے ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے میں بڑی دشواریاں ہوتی تھیں مگر سفر میں آدمی سیکھتا بھی بہت تھا۔ اس کے لئے اکثر موقعے پیدا ہوتے تھے جہاں اسے اپنی سوجھ بوجھ اور ہمت سے کام لینا پڑتا تھا۔ ریل اور بھاپ سے چلنے والے جہازوں نے سفر کو بہت آسان کردیا اور اسی نسبت سے اس کے فائدے بھی کم ہوگئے۔ اب ہوائی جہازوں کی وجہ سے سفر کا عقل اور ہمت سے کوئی تعلق نہیں رہ گیا ہے۔ اس میں آدمی، ہوائی جہاز اور ان ۲۱ یا ۲۴ لوگوں کے سوا جو ساتھ چل رہے ہوں اور کچھ دیکھتا نہیں۔ ہوا میں اڑنے کا احساس بھی نہیں ہوتا اس لئے کہ ہوا لگتی تک نہیں ہے اور اسے تجربہ بھی صرف اس بات کا ہوتا ہے کہ آرام کرسی پر بیٹھ کر کیسے چند گھنٹوں اونگھنے اور سونے کی کوشش کرتے ہیں

میں ہوائی جہاز پر لمبا سفر پہلے بھی کر چکا تھا اس مرتبہ کوئی بات نئی نہیں تھی، دہلی میں ہوائی جہاز کے اندر بٹھا کر جے پور، جے پور سے احمد آباد، احمد آباد سے بمبئی پہنچایا گیا، وہاں سامان، پاسپورٹ، ہیلتھ سرٹیفکٹ دیکھے گئے۔ پھر میں ایک دوسرے اور بڑے ہوائی جہاز میں بٹھا دیا گیا۔ یہ کاٹھیاواڑ، بحیرۂ عرب کے شمالی ساحل اور خلیج فارس سے اڑکر بصرہ پہنچا اور وہاں سے قاہرہ۔ ہوائی جہاز جتنا اونچا اڑے اتنا ہی اس کا رستہ ہموار ہوتا ہے۔ اس لئے کہ زمین کی طرح ہوا میں بھی خندق اور اونچے نیچے ٹیلے ہوتے ہیں، اور کبھی کبھی بادلوں کے کنارے ایسے ہو جاتے ہیں کہ ہوائی جہاز ان سے ٹکرا کر یا تو بہت تیزی کے ساتھ اوپر چلا جاتا ہے، یا ہزار دو ہزار فٹ نیچے گر جاتا ہے۔ ایرانڈیا انٹرنیشنل (AIR INDIA INTERNATIONAL)

کا جہاز جس پر میں گیا تھا اس لحاظ سے بہت اچھا تھا کہ وہ ۱۹، ۲۰ ہزار فٹ کی بلندی پر اُڑ سکتا تھا، اور اس میں اندر ہوا کا دباؤ جس کا سانس پر اثر پڑتا ہے اتنا تھا جتنا کہ ۲۰۰۰ فٹ کی بلندی پر ہوتا ہے۔ ہم نے رات عرب، افریقہ اور بحر روم پر اُڑتے ہوئے گزاری، آنکھ کھلی تو ہمارے نیچے اٹلی کا ملک تھا اور ہم نے چلئے یورپ کے سب سے اونچے پہاڑوں پر سے گزرتے ہوئے پی۔ موں بلان (MONT BLANC) کی برف سے ڈھکی ہوئی چوٹی اور سوئزرلینڈ کے گلیشیر کا منظر ایسا تھا کہ ہمیشہ یاد رہے گا۔ انھی پہاڑوں کی گود میں، ایک بڑی جھیل کے کنارے جے نی وا کا مشہور شہر ہے جو قریب بیس برس تک بین اقوامی لیگ کا مرکز رہ چکا ہے۔ ہمارا جہاز یہاں بھی اُترا، میرے ہم سفر ناشتہ کرنے میں مصروف رہے اور میں جرمن زبان بولنے کے موقعے تلاش کرنے میں۔ جے نی وا سے ہم مشرقی فرانس کے سرسبز علاقے پر سے اُڑتے ہوئے لندن پہنچے۔

کسی شہر کو ۲۷ برس بعد دیکھ کر پہچاننا آسان نہیں۔ مجھے لندن کا نقشہ ذہن میں اُجاگر کرنے میں خاصی دقت ہوئی۔ جامعہ کے ماحول سے نکل کر میں اچانک اجنبیوں میں پہنچ گیا تھا۔ اس بات کا بھی طبیعت پر اثر تھا۔ میرے ساتھ جہاز پر ایک صاحب تھے جو قرول باغ میں رہتے تھے۔ کچھ میں کچھ دنوں کام کیا تھا، اور اس زمانے میں چاٹ کھلاتے تھے۔ انھوں نے جے نی وا میں مجھ سے اپنا تعارف کیا، اور لندن میں پہلے دن میرے ساتھ رہے اس لئے کہ لندن کا شہر اور یورپ کی زندگی ان کے لئے بالکل نئی تھی۔ ہوٹل میں اُن کا اور اپنا سامان رکھ کر میں ڈاک خانے کی تلاش میں نکلا اور وہاں سے عبدالرؤف صاحب کو تار دیا کہ مجھ سے آکر ملیں۔ اس کے بعد ہوٹل میں آکر تھوڑی دیر آرام کیا، اور پھر چارلی صاحب کے ساتھ ان کو ان کی منزل مقصود تک پہنچانے کے لئے چلا۔ ان کا سامان ہوٹل کے باہر نکل آیا تھا اور ٹیکسی میں رکھا جا رہا تھا کہ مجھے سامنے سے دو آدمی تیز تیز آتے ہوئے نظر آئے۔ میں چارلی صاحب سے کہنا چاہتا تھا کہ دیکھئے معلوم ہوتا ہے یہاں بھی ہندوستانی رہتے ہیں۔ مگر بات منہ میں رہ گئی، اس لئے کہ یہ دونوں آدمی وہی تھے جن کو میں نے تار دیا تھا، رؤف اور اکرام مغربی بھیس میں۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ انھوں نے مجھے پہلے پہچانا یا میں نے اُن کو۔ بہرحال تینوں مل کر بہت خوش ہوئے۔

لندن میں جو چند دن گزرے ان کا حال عبدالرؤف صاحب پیام تعلیم میں لکھ چکے ہیں۔ ان سے رخصت

ہو کر میں اُسی ہوائی اڈے پر پہنچا جہاں کہ اُترا تھا، اور ۹ بجے کے قریب نیویارک کے لئے روانہ ہو گیا۔ یہ سفر بحر اٹلانٹک کے اوپر سے ہونے والا تھا اور اس خیال سے کچھ وحشت ہوتی تھی جہاز گھنٹوں سمندر کے اوپر اُڑتا رہے گا۔ ہم نے رات کا کھانا آئرستان کے ہوائی اڈے شینن میں کھایا، اور دوسرے دن صبح اس وقت آنکھ کھلی جب جہاز امریکہ کے ہوائی اڈے گینڈر کے قریب پہنچ گیا تھا۔ یہاں قاعدے سے ہمیں ناشتہ پیٹ بھر کر اور مفت ملنا چاہیئے تھا معلوم نہیں کیوں ہمیں اپنے خرچ سے قہوہ پینا پڑی۔ ناشتہ بوسٹن میں بھی نہیں ملا۔ اگرچہ دن چڑھ گیا تھا مسافر بھوکے تھے۔ یہاں باتوں سے پتہ چلا کہ لندن سے روانہ ہوتے وقت جہاز والے ناشتے کا سامان لینا بھول گئے تھے اس لئے جہاز پر وہ ہمیں کچھ نہ دے سکے، اور بوسٹن کے اڈے پر صرف قہوہ اور مختلف قسم کے بسکٹوں کا انتظام کیا جا سکا نئی دنیا کا سلیقہ اور انتظامی قابلیت مشہور ہے اس لئے مجھے اس فروگذاشت پر تعجب ہوا۔ مگر ناشتہ مل چکا تھا، اس لئے میں دوسری باتوں کی طرف متوجہ ہو گیا۔ بوسٹن سے روانہ ہوتے وقت میں نے دیکھا کہ ہمارے ہوائی جہاز سے پہلے ایک منٹ کے وقفے سے پانچ جہاز چھوٹے اور ہمارے جہاز کے پیچھے کئی اور اشارے کے منتظر کھڑے تھے۔ اور ملکوں میں نہ اتنے جہاز ہوتے ہیں کہ اس طرح چھوڑے جائیں نہ آلات اور آلات کو استعمال کرنے والوں پر اتنا بھروسا ہوتا ہے کہ ٹکرانے کے خطرے کو نظر انداز کیا جائے۔

بوسٹن سے نیویارک جانے میں دو گھنٹے سے کچھ کم لگے۔ بیچ کا علاقہ بہت سرسبز تھا۔ ہم نیویارک کے اوپر پہنچے تو نقشہ بالکل بدل گیا۔ وہ عمارتیں جنھیں زمین سے دیکھئے تو معلوم ہوتا ہے کہ بادلوں سے سرگوشیاں کر رہی ہیں۔ ہوائی جہاز پر سے کچھ بہت بڑی نہیں لگتی ہیں۔ مگر انھیں آسمان کی بلندی سے دیکھنا صرف چند منٹ کے لئے نصیب ہوتا ہے۔ ہمارا ہوائی جہاز بہت جلد زمین پر اُتر آیا، اور ہمیں چاروں طرف اس زندگی کے دھارے بہتے نظر آنے لگے جن کی ایک اونچی لہر نیویارک کی عمارتیں اور اس کی چہل پہل ہے ؎

(باقی آئندہ)

پنڈت جی



آج ہر طرف چہل پہل ہے، کہیں جلسہ ہو رہا ہے، کہیں جلوس نکل رہا ہے، کہیں جشن منایا جا رہا ہے۔ آخر بات کیا ہے۔ واہ میاں اتنا بھی نہیں جانتے۔ آج ۲۶ جنوری ہے۔ ہم تم سب ایک نئے دور میں سانس لے رہے ہیں۔ پہلے دوسروں کے غلام تھے ان کی مرضی، ان کی خواہش کے غلام، پر اب آزاد ہیں۔ اپنی حکومت خود کرتے ہیں۔ اپنا راج خود چلاتے ہیں اپنے پیارے دیس کی ہر چیز اب ہماری ہے

پر یہ آزادی جیسی نعمت ہمیں ملی کیسے؟ یہ ہمیں یوں ہی نہیں مل گئی۔ اسے حاصل کرنے میں بڑی تکلیفیں جھیلنی پڑی ہیں۔ دیس کی جنتا نے دیس کے نیتاؤں نے، ہمارے باپو نے، پنڈت جواہر لال اور ان کے ساتھیوں نے بڑی بڑی قربانیاں کی ہیں تب یہ ہاتھ آئی ہے۔

اب پنڈت جواہر لال جی اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ اس جنتا راج کو چلا رہے ہیں، خود پنڈت جی اپنے ساتھیوں کے سردار یا وزیر اعظم ہیں۔

تم اپنے اس بڑے نیتا کی زندگی کا حال بھی کچھ جانتے ہو؟ آؤ ہم سے سنو۔

پنڈت جی کے دادا پردادا کا وطن کشمیر ہے۔ کشمیر جنت نظیر، ایشیا کا سوئٹزرلینڈ آپ کا گھرانا شاہی زمانے میں ہندوستان آیا۔ دہلی میں بہت دنوں تک اعزاز سے رہا۔ پنڈت جی کے باپ پنڈت موتی لال نہرو دیس کے مانے ہوئے نیتا تھے۔ ہندستان کے بہت بڑے وکیل۔ نوابوں، امیروں جیسی زندگی بسر ہوتی تھی۔ پر جب آزادی کی لڑائی میں شریک ہوئے تو عیش و آرام کی زندگی پر لات ماری اور سپاہیوں طرح آگ میں کود پڑے۔ پنڈت جواہر لال جی

اِنھی کے سپوت تھے۔ اکلوتے بیٹے یہ اب سے کوئی اکسٹھ برس ۱۸۸۹ء پہلے کی بات ہے۔ پنڈت جی اسی معزز اور امیر گھر میں پیدا ہوئے اور نوابوں، راجاؤں کے بچّوں کی طرح پلے بڑھے۔ یہاں پڑھ لکھ کر فارغ ہوئے تو ولایت بھیج دیے گئے یہاں آپ نے سائنس کی ڈگری لی اور بیرسٹری پاس کرکے ہندوستان لوٹے اور الہ آباد میں بیرسٹری شروع کر دی۔ مگر اس کام میں جی نہ لگا۔ طبیعت کا رجحان یا جھکاؤ دیس کی خدمت کی طرف تھا۔ دیس میں آزادی کی لڑائی چھڑی ہوئی تھی۔ پنڈت جی بھی اس میں شریک ہوگئے، تیزی ذہانت اور سوجھ بوجھ کی بدولت بہت جلد اونچی جگہ حاصل کر لی۔

اس لڑائی کے زمانے میں دیس کے اس سپاہی نے جیسا ان تھک کام کیا ہے اس کی مثال مشکل ہی سے ملے گی جبھی تو باپو کے بعد جنتا کے دلوں میں سب سے زیادہ انھی کی عزت ہے۔

اتنا ہی نہیں انھیں بار بار جیل کی سختیاں جھیلنی پڑیں۔ مزا یہ کہ اس قید کے زمانے کو بھی پنڈت جی نے کبھی بے کار نہ کھویا بچوں کے مطلب کی ایک کتاب لکھی اپنی آپ بیتی لکھی۔ دنیا کی مختصر تاریخ لکھی اور نہ جانے کیا کیا لکھا۔ یہ سب کتابیں تمام دنیا میں قدر کی نگاہوں سے دیکھی گئیں۔

اسی زمانے میں آپ کو بہت سے گھریلو صدمے بھی اُٹھانا پڑے۔ کملا نہرو آپ کی چہیتی بیوی تھیں۔ آزادی کی لڑائی میں وہ بھی آپ کی ساتھی تھیں پر ان کی صحت اس بوجھ کو سنبھال نہ سکی۔ بیمار پڑیں اور آخر دوسری دنیا کو جا بسایا۔ پنڈت جی کے لئے یہ صدمہ بہت بڑا تھا پر انھوں نے اسے بہت صبر سے جھیلا، اور اپنے کام میں لگے رہے۔

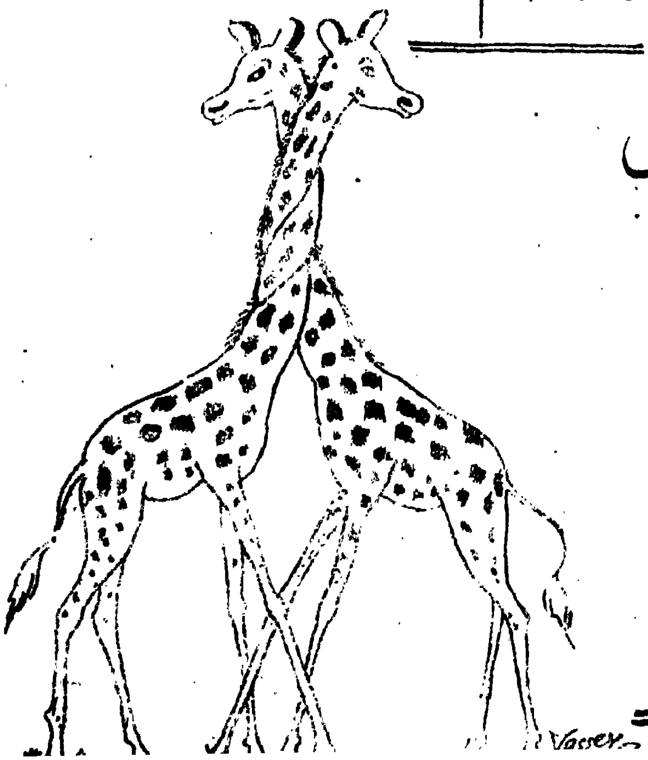
انگریزی حکومت سے کانگریس کی آخری ٹکر اب سے کوئی آٹھ برس پہلے ۱۹۴۲ء میں ہوئی۔ انگریزوں نے پنڈت جی اور اُن کے ساتھیوں کو جیلوں میں بند کر دیا۔ مگر خود انگریز بھی اس ٹکر کو سنبھال نہ سکے لڑائی ختم ہوتے ہی انھیں ہمارے دیس سے نکلنا پڑا۔

ان کے نکلتے ہی حکومت دیس کے نیتاؤں نے سنبھالی۔ جنتا کے محبوب رہنما پنڈت جواہر لال نہرو ان میں اگوا بنائے گئے۔ یعنی وزیر اعظم منتخب ہوئے۔

آزادی کے ساتھ ساتھ بربادی بھی آئی دیس دو ٹکڑوں میں بٹا۔ لاکھوں آدمی بے گھر، بے در ہوئے۔ پھر ان سب سے بڑھ کر ایک جنونی کے ہاتھوں باپو ہم سے چھین لئے گئے۔ پلک جھپکتے میں دیس کی سب سے بڑی دولت سے ہاتھ دھونا پڑے۔

پنڈت جی اور اُن کے ساتھیوں نے یہ سب صدمے سہے۔ پر اپنے کام میں، ایسی ایسی گتھیوں کے سلجھانے میں لگے رہے، اور یہ ان کی نیک نیتی اور خلوص کا نتیجہ ہے کہ دیس کا سورج آہستہ آہستہ گہن سے نکل رہا ہے۔

ہمیں اپنے نیتا جواہرلال اور اُن کے ساتھیوں پر پورا بھروسا ہے اور یقین ہے کہ اُن کی سوجھ بوجھ اور عقل مندی سے بہت جلد ہماری ساری پریشانیاں دور ہو جائیں گی۔ سارے دیس میں امن و سکون ہوگا۔ ہم سب مل جل کر رہیں گے خوب خوش خوش۔ ہماری اُمنگیں بڑھیں گی۔ حوصلے بڑھیں گے۔ اور ہم ہر بات میں اتنی ترقی کریں گے کہ سب آزاد دیسوں میں ہمارا سر اونچا ہوگا ۔



آزادی
کی
خوشی میں
گلے
مل رہے ہیں



پیامیوں

دِلوں کو مہر و محبّت سے جگمگانا ہے
زمینِ ہند کو جنّت نِشاں بنانا ہے

جنونِ فرقہ پرستی مٹا کے عالم سے
جہاں میں مشعلِ امن و اماں جلانا ہے

اُٹھو! کہ تُم پہ نِگاہیں ہیں کُل زمانے کی
اُٹھو! کہ تُم کو زمانے میں نام پانا ہے

کرے جو نام کو ہندوستان کے ممتاز
تُمھیں وہ کارِ نمایاں یہاں دکھانا ہے

تمھیں مِٹا کے جہالت تمام دُنیا سے
پیامِ عِلم و ادب چار سُو سُنانا ہے

نہ اپنا وقت گنوّاؤ فضوُل باتوں میں
یہ سوچنے کا نہیں، کام کا زمانا ہے

کمر کسو! مرے شیرو! وطن کی خدمت کو
جہاں میں اور بڑھاؤ وطن کی عزت کو



نیا چین

پچھلے سال ہم نے اپنے پڑوسی چین کا حال لکھا تھا اس میں چین کی آپس کی لڑائیوں کا کچھ ذکر تھا۔

چینی کمیونسٹ اور نیشنلسٹ یا کومن تانگ والے آپس میں گتھم گتھا تھے۔ نیشنلسٹوں کے ساتھ باہر کی مدد تھی امریکہ جیسے سرمایہ دار ملک کروڑوں اربوں روپے سے انھیں سہارا دے رہے تھے۔

کمیونسٹوں کے ساتھ عام پرجا تھی۔ اس کا سہارا پریشان حال جنتا یا عوام کی ہمدردی تھی اور بس۔

آخر کمیونسٹوں نے نیشنلسٹوں یا کومن تانگ والوں کو ہرا دیا۔ آہستہ آہستہ سارے چین پر قبضہ کر لیا لے دے کے دو جزیرے ہینان اور فارموسا کومن تانگ والوں کے پاس رہ گئے ہیں، سو وہ بھی کب تک!

امریکہ ویسے کمیونسٹوں سے بہت سہما ہوا ہے اور کومن تانگ کی مدد کر رہا ہے۔ یہ بات وہ بھی خوب سمجھتا ہے کہ ہاری ہوئی بازی پہ داؤں لگانا ناسمجھی کی بات ہے۔ اپنے سرمایے کو برباد کرنا ہے۔

مگر کبھی یہ کمیونسٹ، اچھے سے اچھے نئے سے نئے لڑائی کے سامان اور لاکھوں کی فوج کے مقابلے میں آخر کامیاب کیسے ہو گئے۔ تمھیں معلوم ہے پچھلی بڑی لڑائی (نمبر ۲) میں جرمنی کیوں ہارا۔ بہت سی باتیں ہیں۔ ایک بڑی بات یہ ہے کہ امریکہ اپنے روپے اور ہتھیاروں کے ساتھ اس لڑائی میں کود پڑا تھا۔

پر یہ ہتھیار چین میں کام نہ آئے ۔ نہ ہتھیار نہ روپیہ ۔ ذرا تم بھی سوچو آخر کیا بات تھی ؟

بات بالکل کھلی ہوئی ہے عوام یا جنتا کی طاقت ان سب پر غالب آئی ۔ جنتا کی طاقت کا بھلا کون مقابلہ کرسکتا ہے !

دیکھو چین میں بہت سے انقلاب آئے ۔ پہلے بادشاہت تھی یہ کمزور پڑی تو وہاں کے امیر ، جاگیردار فوجی سردار اپنا اپنا اقتدار بڑھانے کو آپس میں لڑنے لگے ۔ اس طرح ملک کمزور ہوا ۔ اور یورپ کی حکومتوں نے تجارت کے بہانے اس کو خوب لوٹا کھسوٹا ۔ ان سب باتوں کا بوجھ بے چارے کسانوں ، مزدوروں اور عام جنتا پر پڑتا تھا ۔ اور اس افراتفری میں ان کی طرف کسی کا دھیان نہ تھا ۔ کسی کو ان غریبوں سے ہمدردی نہ تھی ۔

آخر ایک وقت آیا کہ سن یات سین کی رہنمائی میں آزادی اور جمہوریت کی تحریک چلی جنتا نے اسے اپنی مصیبتوں کا علاج سمجھا اس کا ساتھ دیا ۔ ہوتے ہوتے جمہوریت قائم ہوگئی ۔

پر ابھی چین کے اچھے دن نہ آئے تھے ۔ آپس کی لڑائیوں کا سلسلہ کسی نہ کسی طرح جاری رہا ۔ ایک طرف جاپان اپنے پڑوسی چین کو ہضم کرنے کی تاک میں تھا دوسری طرف روس میں کمیونزم کی تحریک جڑ پکڑ رہی تھی ، پھل پھول لا رہی تھی اس تحریک کا اثر چین پر بھی پڑا ۔ باوجود نئی جمہوری حکومت کے یہاں کے عام لوگوں کی حالت نہیں سدھری تھی نیشنلسٹ یا کومن تانگ والے اپنی راہ سے ہٹ گئے تھے ۔ ان میں خود غرضی پیدا ہوگئی تھی رشوت خوری اور دوسری بے عنوانیوں کا بازار گرم تھا عام جنتا کا ان پر سے بھروسا اٹھ چکا تھا ۔

غرض چین کے عام لوگوں کی حالت روسیوں سے بھی بری تھی ۔ اسی

لیے چین میں یہ تحریک کافی تیزی
سے پھیلنے لگی ۔ کومن تانگ والے
ظاہر ہے اسے کیسے اچھا سمجھتے
وہ اس تحریک کے دشمن ہوگئے
پر اُسے دبا نہ سکے ۔

اتنے چین نے جاپان پر حملہ کردیا
اس وقت کمیونسٹ اپنے ملک کو
بچانے کی خاطر کومن تانگ والوں
کے ساتھ ہوگئے ۔ دونوں مل کر
دشمن کا مقابلہ کرنے لگے آخر جاپان
اتحادیوں کے مقابلے میں ہار گیا
اسے چین سے بھی نکلنا پڑا ۔ جاپان
کی طرف سے اطمینان ہوا تو کومن
تانگ نے کمیونسٹوں کو پھر آنکھیں
دکھانا شروع کیں پھر ان دونوں میں
چلنے لگی ۔ مگر چینی جنتا اس نیشنلسٹ
حکومت یا کومن تانگ سے بیزار
ہوچکی تھی ۔ بھوک، فاقہ، غریبی
سے ان کا برا حال تھا، بہت بُرا۔

اب اُن کے لئے بس ایک ہی
سہارا تھا۔ کمیونزم! اور بھئی کمیونسٹ
اندر ہی اندر جڑ پکڑ رہے تھے
اور طاقت حاصل کر رہے تھے انھیں
ننگی بھوکی جنتا کی، کسانوں کی، مزدوروں کی
ہمدردی حاصل تھی بس یہی اصلی طاقت
تھی جس نے کومن تانگ والوں کا تختہ
الٹ دیا ۔ بے چارا امریکہ مُنہ دیکھتا
رہ گیا ساری مدد بے کار گئی ۔

کومن تانگ کے بڑے بڑے عہدے
دار اب فارموسا میں ہیں اور خواب
دیکھ رہے ہیں ۔ "ایک نہ ایک دن
ہم چین پہ قبضہ کرکے رہیں گے ہمارے
چین پہ"۔ مزا یہ ہے کہ خود فارموسا
کے لوگ انھیں پسند نہیں کرتے ۔

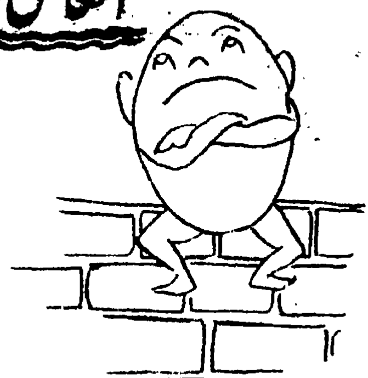
غرض چینیوں کو برسہا برس کے
بعد آپس کی خانہ جنگیوں سے
نجات اور خود غرض اور بے ایمان
حاکموں سے چھٹکارا ملا ہے ۔ ان
کی اپنی حکومت قائم ہوچکی ہے ان کی
مرضی اُن کی خواہش کے مطابق ۔ اس
حکومت کے ذریعے اُن کے سارے
دلدّر دور ہوجائیں گے اور انھیں اب
کچھ امن، سکون، آرام و اطمینان
حاصل ہوگا!

ہمارے دیس نے ہمارے
پڑوسی پاکستان نے اور بہت سے

۴ دیسوں نے اس حکومت کو مان لیا ہے کچھ ابھی سوچ رہے ہیں کچھ اگر مگر میں پڑا

انعامی کارٹون

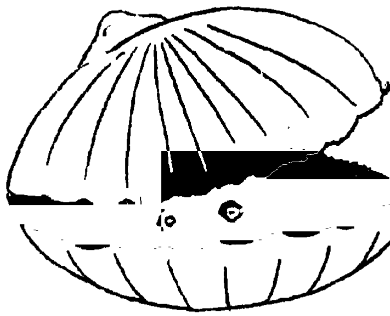
(۱)



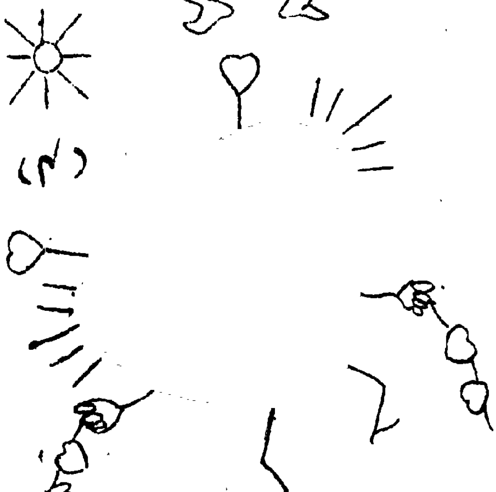
(۲)



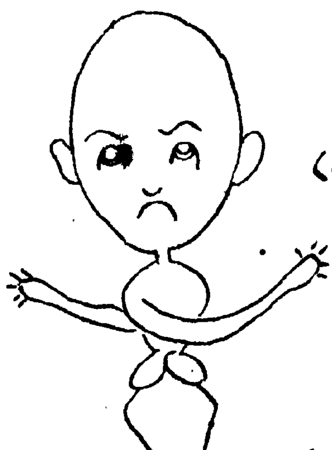
(۳)



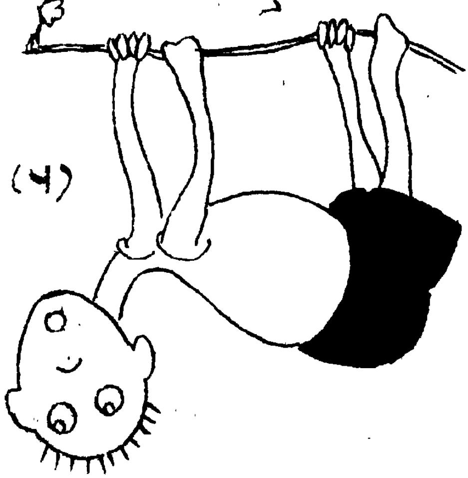
(۴)



(۵)



(۶)

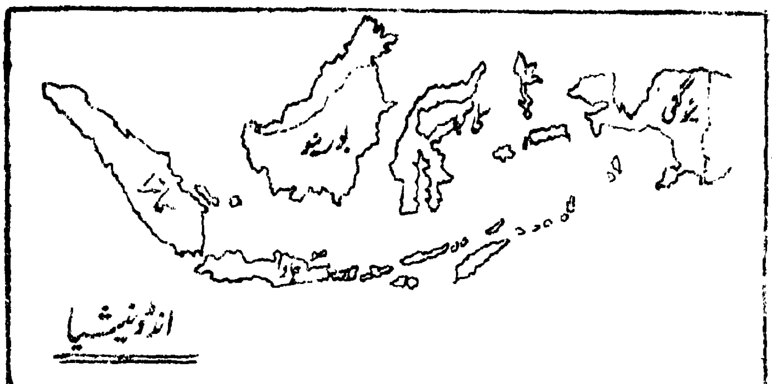


انڈونیشیا

پچھلی دسمبر کو ہمارا ایک پڑوسی اَور آزاد ہوگیا، انڈونیشیا۔ یہ ہالینڈ کے قبضے میں تھا پچھلی بڑی لڑائی میں جاپان نے اس پر قبضہ کرلیا تھا۔ ہالینڈ والے یا ڈچ یہاں سے بھاگ گئے تھے۔ جاپان نے نیک نیتی یا کسی مصلحت سے یہیں کے لوگوں کی حکومت بنا دی تھی۔ انڈونیشیا کے مانے ہوئے رہنما ڈاکٹر سوئیکارنو کو اس جمہوریت کی صدارت کا عہدہ دیا گیا۔

پھر کچھ ایسا ہوا کہ جاپان صاحب بھی یہاں سے نکلنے پر مجبور ہوئے۔ انڈونیشیا والوں کے لئے یہ موقع بہت اہم تھا۔ بہت نازک۔ انڈونیشیا کے رہنماؤں نے اس وقت بڑی دلیری اور سوجھ بوجھ سے کام لیا۔ فوراً اپنی آزادی کا اعلان کردیا ملک میں جمہوریت قائم کرلی، اِدھر ڈچوں نے میدان خالی پایا تو پھر اس پر چڑھ دوڑے۔

پر اب وہ پہلی سی بات نہیں رہی تھی جنتا آزاد ہوچکی تھی۔ آزادی کا مزا چکھ چکی تھی۔ غلامی کے لئے دوبارا تیار نہیں تھی۔



انڈونیشیا

جمہوری فوجوں نے اَور عام لوگوں نے ڈچ سامراج کا پوری بہادری اور جوش سے مقابلہ کیا۔ لگ بھگ پانچ برس تک یہ کھینچا تانی رہی۔ ہمارے دیس نے اپنے پڑوسی ملک کی پوری پوری تائید کی جہاں تک بن پڑا امداد بھی کی۔ ہوتے ہوتے

ڈچ سامراج پر اتنا دباؤ پڑا کہ اسے انڈونیشیا کو آزادی کرتے بن پڑی۔

انڈونیشیا کسی ایک علاقے کا نام نہیں ہے یہ جزیروں کا ایک مجموعہ ہے۔ جنوب مشرقی ایشیا اور آسٹریلیا کے درمیان لگ بھگ تین ہزار جزیرے ہوں گے۔

سب جزیرے خوب سرسبز و شاداب ہیں بارش کثرت سے ہوتی ہے۔ جنگل بہت گھنے ہیں۔ پیداوار بھی بہت اچھی ہے۔ چاول مکئی اور ساگودانہ تو ملک کی ضرورت سے زیادہ پیدا ہوتا ہے۔ دوسرے دیسوں میں بھیجا جاتا ہے۔

اِن کے علاوہ کالی مرچ، لونگ، جائفل اور ہاں سب سے قیمتی چیز ربر بہت پیدا ہوتی ہے۔ ناریل کے پیڑ تو جگہ جگہ نظر آتے ہیں۔ جاوا کا جزیرہ سب سے زیادہ زرخیز ہے۔ اس کی زمین دریائی مٹی اور لاوے سے بنی ہے۔ جوالا مکھی یا آتش فشاں پہاڑوں کا سلسلہ مشرق سے مغرب کو چلا گیا ہے۔

سنہ ۱۹۳۰ء میں انڈونیشیا کی آبادی چھ کروڑ بیس لاکھ تھی سنہ ۱۹۴۰ء میں یہ بڑھ کر سات کروڑ بیس لاکھ ہوگئی اور صاحب سنہ ۱۹۴۷ء میں تو اکیلے جاوا کی آبادی لگ بھگ ۵ کروڑ اور پورے انڈونیشیا کی ۷ کروڑ ۵۰ لاکھ تک پہنچ گئی۔ جاوا کا کل رقبہ ۴۸۵۰۴ مربع میل ہے۔ پورے انڈونیشیا کا یوں سمجھو کہ پندرھواں (۱/۱۵) فی مربع میل کا حساب لگایا جائے تو جاوا دنیا میں سب سے زیادہ گنجان آباد ہے۔

یہ جزیرے بہت پرانے زمانے سے آباد ہیں۔ بہت ہی پرانے زمانے سے بعض عالم تو کہتے ہیں پانچ بلکہ چھ لاکھ سال پہلے سے۔ دوسری جگھوں سے بھی لوگ آ آ کر بستے رہے بدھ مذہب بھی یہاں پھیلا ہے۔ ہندو مذہب بھی۔ بعض ہندو مندر اب تک ان جزیروں میں موجود ہیں۔ اسلام سب سے آخر میں آیا۔ عرب تاجروں کے ذریعے۔ بس ایک مسلمان پیر عبداللہ عارف برہان اللہ اور اُن کے مریدوں کی کوششوں سے انڈونیشیا کے جزیروں کی قریب قریب تمام آبادی مسلمان ہوگئی۔ جگہ جگہ مسلمان حکومتیں بن گئیں۔ اس وقت بھی وہاں کوئی ۹۸ فی صدی مسلمان آباد ہیں۔ یہ ہیں سب وطن کے سچے اور پکے شیدائی۔

اب سے کوئی تین سو، سوا تین سو

برس پہلے (۱۵۲۱ء) انڈونیشیا پر ایک نیا وبال آیا - یورپ کی قومیں اس پر دھاوے بولنے لگیں - اس کی سرسبزی اور زرخیزی اُس کے لئے مصیبت بن گئی - پہلے پُرتگالی آئے پھر اسپین والے، پھر فرانسیسی، پھر انگریز سب سے آخر میں ڈچ یا ہالینڈ والے -

سوائے ڈچوں کے انڈونیشیا والوں نے کسی کو ٹکنے نہ دیا - ڈچوں کا مقابلہ بھی کسی نہ کسی طرح وہ برابر کرتے رہے اور سچ پوچھو تو انڈونیشیا کی آزادی کی لڑائی بھی بس جبھی سے شروع ہوتی ہے - ڈچ سامراج نے آہستہ آہستہ یہاں کے لوگوں کو قابو میں کیا ہے - آخر میں تو وہاں کی تجارت کھیتی باڑی ہر چیز ڈچ سامراج کی مرضی اور فائدے کو سامنے رکھ کر ہوتی تھی

جوں جوں ڈچوں کی سختی بڑھتی تھی - انڈونیشیا دیس کے لوگوں میں بغاوت کا جذبہ اُبھرتا تھا آخر اس مخالفت اور بغاوت نے ایسی صورت اختیار کی کہ ڈچوں کو وہاں سے نکلنا پڑا اور ہمارا پڑوسی بالکل آزاد ہو گیا ؛

مارچ کے "پیامِ تعلیم" میں :

بعض بہت اہم اور دلچسپ مضمون چھپیں گے - ایک مضمون ریڈیو بنانے پر ہوگا یہ ایسے صاحب سے لکھوایا گیا ہے جو خود ہر طرح کے ریڈیو بنا چکے ہیں - اِس طرح کی اور بہت سی دلچسپ چیزیں ہوں گی - بڑے لڑکوں کے مضامین ہوں گے نظمیں ہوں گی، بچوں کی کوششیں ہوں گی - غرض پورا پرچہ نہایت دلچسپ ہوگا - انتظار کیجیے - (ایڈیٹر)

ڈاکٹر سیوکارنو



انڈونیشیا میں چاروں طرف "آزادی" "آزادی" کی پکار ہے لوگ آزادی کے لئے سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہیں۔ جگہ جگہ جلسے ہو رہے ہیں۔ انڈونیشیا کے لیڈر جگہ جگہ جوشیلی تقریریں کر رہے ہیں اپنے دیس کے لوگوں کو غلامی کا جُوا اُتارنے کے لئے اُبھار رہے ہیں۔

آہ۔ ہا۔ یہ دیکھئے کتنا بڑا جلسہ ہے۔ لوگوں کی نظریں ایک شخص پہ جمی ہیں۔ ذرا غور سے دیکھنا، کالی سلیمانی ٹوپی۔ سفید کوٹ، چہرہ کیسا خوب صورت، جسم کیسا سڈول، اے لیجئے تقریر کرتے کرتے اُس نے بھرے مجمع سے پوچھا:۔

"تم کیسی آزادی چاہتے ہو ڈومی نی ین اسٹیٹس[1] ؟" سارا مجمع ایک ساتھ چلّا اُٹھا۔

"ہرگز نہیں! ہرگز نہیں!!

"اچھا تو کیا تم اسّی فی صدی آزادی منظور کر لوگے؟"

"ہرگز نہیں! ہرگز نہیں!!

"اچھا، ننانوے (۹۹) فی صدی؟"

"ہرگز نہیں! ہرگز نہیں!!"

اس شخص کا چہرہ خوشی سے تمتما اُٹھا۔ تم نے پہچانا بھی یہ کون صاحب ہیں؟ ارے بھئی یہی تو ہیں ڈاکٹر سیوکارنو۔ جمہوریہ انڈونیشیا کے پہلے صدر۔

اُن کی عمر ہوگی کوئی پچاس کے لگ بھگ۔ جاوا میں ایک معمولی ڈاکٹر کے گھر (جنوری سنہ ۱۹۰۱ء) پیدا ہوئے۔ ذرا بڑے ہوئے تو ایک اسکول میں داخل کردئے گئے۔ اسکول میں ڈچ لڑکے زیادہ پڑھتے تھے انڈونیشیا کے امیر لڑکے تو بس ڈچ لڑکوں سے گھُلے ملے رہتے تھے

مگر سیوکارنو نے اپنا ناتا ہمیشہ غریب لڑکوں سے رکھا۔

اس ابتدائی اسکول کے سب درجے پاس کرلیے تو سیوکارنو ہائی اسکول میں داخل ہوئے اور یوں سمجھو کہ بس اسی زمانے سے انھوں نے اپنے دیس کی آزادی کے لئے کام شروع کردیا تھا۔ اسی زمانے میں ایک بار جلسے میں تقریر کر رہے تھے۔ تقریر اتنی جوشیلی تھی اتنی جوشیلی تھی کہ پولس افسر کو مجبوراً انھیں پلیٹ فارم سے اُتارنا پڑا۔ ہائی اسکول کے امتحان سے فارغ ہوئے تو انجینیرنگ کالج میں داخل ہوئے۔

اسی زمانے میں ایک جماعت تھی۔ پی۔ این۔ آئی۔ یہ جماعت اپنے دیس کی آزادی کے لئے ڈچ سامراج یعنی ہالینڈ والوں سے لڑ رہی تھی۔ ڈاکٹر سیوکارنو بھی اس میں شامل ہوگئے اور ہوتے ہوتے اس کے صدر بن گئے۔ یہ اب سے کوئی بیس اکیس برس پہلے کی بات ہے۔

اب تو ڈچ حکومت نے جیسے انھیں تاک لیا۔ حکومت کا تختہ اُلٹنے کے الزام میں چار سال کی قید ہوئی مگر دو برس بعد چھوڑ دیے گئے۔ اور پھر اپنے اسی کام میں لگ گئے۔ دو برس بعد ہی انھیں پھر پکڑ لیا گیا۔ قید کی جگہ دیس نکالا ملا۔ جلا وطن کردے گئے۔

ستمبر ۱۹۴۳ء میں جاپانیوں نے ڈچوں کو نکال باہر کیا۔ انڈونیشیا کے لوگوں کی حکومت قائم کی اور سیوکارنو کو اس کا صدر بنایا لیکن جاپان اتحادیوں سے شکست کھا گیا۔ اب میدان صاف تھا۔ سیوکارنو نے فوراً جمہوری حکومت قائم کرلی۔

جاپان کی ہار کے بعد ڈچ حکومت کے اوسان ٹھیک ہوئے تو پھر اُس نے اس علاقے پر قبضہ کرلیا۔ یہ پانچ سال انڈونیشیا کی آزادی کی تاریخ میں بہت کٹھن تھے۔

آخر ڈچ حکومت کو انڈونیشیا

کی جنتا کے سامنے ہار ماننا پڑی اور اب ڈاکٹر سیوکارنو اُن کے ساتھیوں اور جنتا کی کوششوں کی بدولت دیس آزاد ہے، اور سیوکارنو کو اس کا پہلا صدر چُنا گیا ہے

سیوکارنو بہت فراخ دل شائستہ، خوش سلیقہ اور سمجھدار انسان ہیں۔ یقین ہے کہ اُن کی صدارت کے زمانے میں انڈونیشیا خوب ترقی کرے گا ۔

میں سپاہی بنوں گا

یہ خواہش ہے میری سپاہی بنوں گا
جو آنچ آئے میرے وطن پر لڑوں گا

میں بستر پہ مرنا نہیں جانتا ہوں
مروں گا، تو میداں میں جاکر مروں گا

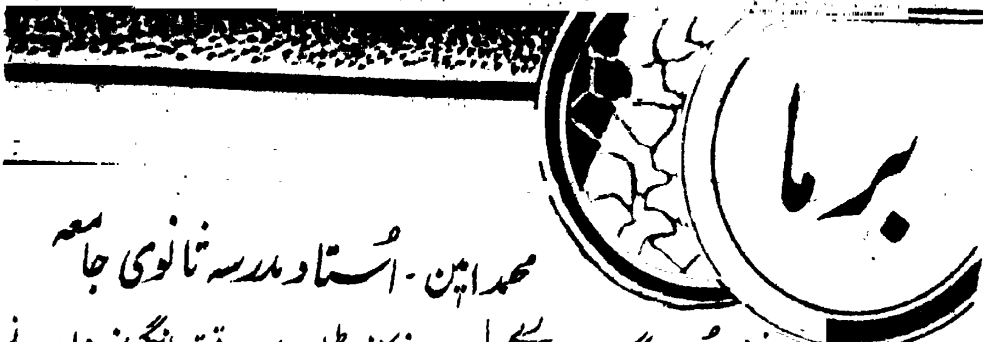
غریبوں پہ جو ظلم چاہے گا کرنا
حمایت میں اُن کی میں اُس سے لڑوں گا

وطن پہ میں جاں اپنی قربان کرکے
زمانے میں نام اپنا روشن کروں گا

مری جان جائے نہیں اس کی پروا
ہمیشہ مگر حق کی خاطر لڑوں گا

نہیں میرے کہنے کا تم کو یقیں گر
تو کل دیکھ لینا میں کیا کیا کروں گا

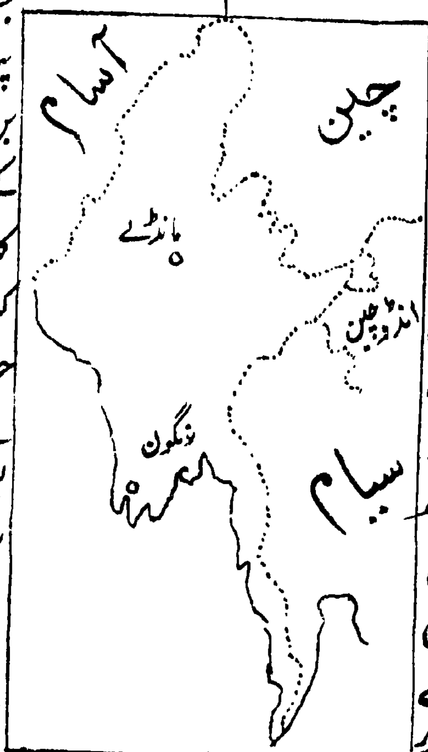
توصیف حیدر زیدی (عمر ۱۲ سال)



محمد امین - اُستاد مدرسہ ثانوی جامعہ

برما کا نام کس نے نہ سُنا ہوگا پہلے یہ ہمارے دیس کا ایک صوبہ تھا۔ انگریزوں نے اسے ہندوستان سے الگ کرکے ایک مستقل ملک بنا دیا۔ اب بھی ہمارے دیس کے لاکھوں ہندو مسلمان وہاں آباد ہیں۔

پچھلی بڑی لڑائی (۲) میں جب جاپان نے برما پر حملہ کیا ہے تو ہندوستانی بڑی آفت میں پھنس گئے تھے، امیر اور سرمایہ دار تو ہوائی جہازوں میں بیٹھ بیٹھ کر چلے آئے۔ پیدل آنے والوں پر بڑی مصیبتیں پڑیں۔ بڑی مشکل سے ہندوستان پہنچ پائے بہت سے تو راستے میں ختم ہوگئے لڑائی میں جاپان ہار گیا۔ اور برما سے اسے نکلنا پڑا۔ اس وقت انگریزوں نے کوشش کی کہ دوبارہ اس پر قبضہ جمائیں لیکن یہاں ہماری کانگریس کی طرح ایک جماعت اینٹی فیسٹ پیوپلس لیگ کے نام سے بن چکی تھی۔ اس نے انگریزوں کے خلاف آزادی کی لڑائی کا اعلان کردیا۔ انگریزوں کو جھکنا پڑا۔ صلح کی بات چیت ہوئی۔ انگریز سرکار نے اُن کی مکمل آزادی کو تسلیم کرلیا۔



آزادی ملنے کے بعد وہاں انتخاب ہوئے ان انتخابات میں اینٹی فیسٹ لیگ اکثریت کے ساتھ کامیاب ہوئی۔ اس نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ اپنے ملک کا دستور یا آئین

بنایا۔ اس آئین کی رُو سے سب سے بڑا عہدہ صدر کا سمجھا گیا، اور پھر وزیر اعظم اور اس کے ساتھی وزیروں (کابینہ یا کیبینٹ) کا

پر اس جماعت سے کچھ غلطیاں بھی ہوئیں۔ بہت نقصان پہنچانے والی۔ اس نے برما کے سرمایہ دار، زمین دار، اور رجعت پسند طبقے کے ساتھ تو تال میل رکھا اور ترقی کی طرف جانے والی یا ترقی پسند جماعتوں کو دبانا شروع کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ساری ترقی پسند جماعتیں ایک ساتھ مل گئیں اور ملک میں بغاوت پھوٹ پڑی۔ اس وقت برما کی نیشنلسٹ حکومت کا اقتدار سارے برما پر نہیں اندر کے علاقوں میں دو حکومتیں اور قائم ہیں کمیونسٹوں کی اور کرینیوں کی۔

برما کے وزیر اعظم تاکن نو نے کئی بار صلح کا اعلان کیا۔ لیکن یہ مخالف جماعتیں ہتھیار ڈالنے پر آمادہ نہیں۔ شاید حکومت کی نیک نیتی کا انھیں یقین نہیں۔

آپس کی اس لڑائی کو ایک سال بیت چکا ہے۔ پر یہ ختم ہونے میں نہیں آتی۔ برمی حکومت اپنے مخالفوں کا سر کچلنے کی پوری کوشش کر رہی ہے پر ابھی جلدی تو اس کی کامیابی کا کوئی امکان نظر نہیں آتا۔

کہتے ہیں برما کے کمیونسٹ اور کرینی چینی کمیونسٹوں کی دکھائی ہوئی راہ پر چل رہے ہیں۔ چینی کمیونسٹوں نے پہلے ایک پہاڑی علاقے میں اڈا جمایا پھر وہاں کے وسائل اور قدرتی ذرائع کو ترقی دی۔ دو تین سال کے اندر اندر سارا علاقہ اپنا بوجھ خود اٹھانے کے قابل ہو گیا اور پھر اس کے بعد کمیونسٹوں نے جب کومن تانگ کے علاقوں میں فوجی کارروائی کی تو ان کی طاقت اور نظام اس قدر ٹھوس اور عملی تھا کہ آہستہ آہستہ سارا چین اُن کے قبضے میں آگیا۔

برما میں کرینی اور کمیونسٹ جماعتیں دونوں یہی کر رہی ہیں، اپنے کو اسی طرح مضبوط اور ٹھوس بنانے میں لگی ہوئی ہیں۔ دیکھئے نتیجہ کیا نکلتا ہے۔

برما کا رقبہ (۲۶۱۶۱۰) مربع میل ہے۔ آبادی ایک کروڑ ۶۸ لاکھ۔ رنگون راج دھانی یا دار السلطنت ہے اس کے علاوہ مانڈلے اور مولمین دو اور مشہور شہر ہیں۔ ۸۵ فی صدی برمی بدھ مذہب

کے ماننے والے ہیں

برما بہت سرسبز و شاداب اور زرخیز علاقہ ہے ۔ چاول، مونگ پھلی، کپاس، اور تمباکو یہاں کی خاص پیداوار ہے ۔ جنگلوں میں ساگون کی لکڑی بہت عمدہ اور افراط سے ہوتی ہے ۔

برمی زیادہ تر کھیتی باڑی کرتے ہیں اور دیہات میں رہتے ہیں ۔ شہروں میں مشکل سے ۱۵ فی صدی آباد ہیں ۔

برما میں ترقی کے امکانات بہت زیادہ ہیں ۔ یہاں بارش کثرت سے ہوتی ہے ۔ پہاڑ سرسبز ہیں ۔ کارآمد لکڑی کے درختوں سے لدے ہوئے ۔ مگر جنگل کی پیداوار اور لکڑی کا کاروبار قاعدے سے نہیں ہو رہا ہے ۔ پھر آپس کی لڑائی کی وجہ سے ہر چیز غیر یقینی ہے ۔

چاول کی پیداوار بہت گھٹ گئی ہے ۔ ورنہ ہر سال باہر بھیجنے کے لئے لاکھوں ٹن بچ رہتا تھا ۔

پہاڑی علاقوں میں بہت سی قیمتی دھاتوں کی کانیں ہیں ۔ حکومت ان کی طرف ابھی کوئی توجہ نہیں کر سکی ہے ۔ پٹرول اور ٹین کی پیداوار بھی کم ہو گئی ہے ۔

ننھّے پیامیوں کے لئے کھیل

ماسٹر عبدالحیٔ (استاد جامعہ)

آج ننھّے پیامیوں کو ایک کھیل بتائیں ۔ بہت سے پیامی ایک میز کے چاروں طرف جمع ہو جائیں ۔ اونچی میز ہو تو کھڑے ہو کر نیچی فرشی میز ہو تو بیٹھ کر کھیلیں ۔

دھنی ہوئی روئی کی ایک گیند بنالیں بہت ہلکی اور پولی ہو ۔ یہ گیند میز کے بیچ میں رکھ دی جائے اب ہر پیامی پھونک مار کر گیند کو دوسرے پیامی کے بائیں طرف بھیجنے کی کوشش کرے اور ادھر پیامی اس بات کی کوشش کریں کہ گیند اُن کے بائیں طرف نہ آنے پائے ۔ جو پیامی چوک گیا، یعنی گیند اس کے بائیں طرف آ گئی وہ کھیل سے الگ ہو جائے ۔ ہوتے ہوتے آخر میں جو صاحب رہ جائیں وہ مہری ہیں ۞



بڑے لڑکوں کے مضمون

دستور بنا لائے

ام خالد وہاجان

مدرسے کی چھٹی ہو چکی تھی، لڑکے اپنے اپنے گھروں کو جا رہے تھے۔ سڑک پہ جیسے میلا سا لگا تھا میں بھی تیز تیز قدم بڑھائے جا رہا تھا اپنے گھر کی طرف۔ اتنے میں کسی نے پیچھے سے بڑا زوردار نعرہ لگایا: "وہاب بھائی مبارک!"

میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ خورشید میاں تھے۔

میں نے کہا۔ "خیریت!"

ارے پیچھے احمد، نعیم، سرش اور نہ جانے کون کون جمع ہو گئے۔ خورشید کو گھیر لیا سوالات کی بوچھار ہونے لگی۔

خورشید تعجب سے بولا: "ارے تم سب اتنے بے خبر ہو آج ہی تو خبر آئی ہے۔ اپنے دیس کا آئین بن گیا۔ ۲۶ جنوری سے یہ ہمارے دیس پر لاگو ہو جائے گا۔"

اب تو سب ساتھی بڑے زور سے چلائے مبارک مبارک۔ دکان دار اور راہ گیر انھیں حیرت سے دیکھنے لگے۔

نعیم نے پوچھا "مگر بھئی یہ کس طرح کا قانون ہے۔ کس طرح بنا۔ کیوں بنا۔"

ان باتوں کا جواب کسی سے بھی نہ بن پڑا۔ سامنے سے خورشید کے باپ آ رہے تھے۔ سب دوڑے، وہ بڑے اُن کے پاس گئے۔ ہر ایک بڑے جوش سے انھیں مبارک باد دے رہا تھا اک ذرا کے ذرا تو وہ ٹھٹکے۔ مگر جلد ہی بات سمجھ میں آ گئی۔

کہنے لگے۔ "ہاں بھئی مبارک! مبارک! ہمیں تمھیں سب کو مبارک!!"

نعیم میاں نے آگے بڑھ کر پوچھا "مگر یہ آئین کیسا بنا ہے چچا میاں۔ کیوں بنا ہے، کس طرح بنا ہے۔ کس نے بنایا ہے۔"

خورشید کے باپ مسکرائے، کہنے لگے "اچھا اچھا میرے گھر چلو، سب چلو میں تمھیں سمجھا دوں گا۔"

خورشید۔ ابا! ایک جلسہ ہو جائے!

نعیم۔ "چائے کا بھی انتظام ہو۔"

سب لڑکے۔ "(زور سے) ضرور ہو، ضرور ہو۔"

سب ساتھی خورشید کے باپ کے ساتھ ہولیئے تھوڑی دیر میں اُن کے گھر پہنچ گئے۔ بڑا کمرا کھلوا دیا گیا۔ سب بچے سلیقے سے فرش پر بیٹھ گئے

تھوڑی دیر میں خورشید کے باپ بھی گھر میں سے ہوکر آگئے اور ایک طرف کو بیٹھ گئے۔ سب خاموش بیٹھے تھے کہ نعیم اُٹھے اور کہنے لگے: ساتھیو ہمارے محترم بزرگ (خورشید کے باپ) تشریف لے آئے ہیں۔ آپ ہمیں نئے آئین کا مطلب سمجھائیں گے۔ کیا اچھا ہو کہ ہم اسے باقاعدہ جلسے کی شکل دے دیں۔ میں اس جلسے کی صدارت کے لئے (خورشید کے باپ کی طرف اشارہ کرکے) آپ کا نام پیش کرتا ہوں

سب لڑکے:۔ منظور! منظور!!

اے لیجئے سلیم صاحب بھی کچھ جھجکتے کچھ شرماتے اُٹھے اور صدر صاحب کے کان میں کچھ کہا۔ صدر صاحب مسکرائے اور بولے: بھئی سلیم میاں کہتے ہیں اتنی دیر میں اُنھوں نے ایک ٹوٹی پھوٹی نظم تیار کی ہے۔ آپ لوگوں کی مرضی ہو تو یہ سُنا دی جائے۔

سب لڑکے:۔ ضرور، ضرور

(سلیم میاں نظم سُناتے ہیں:۔)

اب اپنی حکومت ہے۔ اب اپنا زمانہ ہے\
ہم مُلک کے مالک ہیں یہ اپنا خزانہ ہے\
محکوم نہیں اب ہم! کب حکم کسی کا ہے\
یہ دیکھو ——— ادھر آؤ

دستور بنا لائے

ہر دل پہ مسرت ہے۔ ہر لب پہ ترانہ ہے\
اب عیش کے دن آئے خوشیوں کا زمانہ ہے\
گل اپنا چمن اپنا، صیاد کا ڈر کب ہے\
اب ہند کے گلشن میں کب خوف کسی کا ہے\
آزاد ہیں ہم ———

دستور بنا لائے

یہ آئی صدا خالد اس سمت ذرا دیکھو\
جو ہند کے باشی تھے ہر دم یہاں لڑتے تھے\
پیغام تباہی یہ خود اپنا سُناتے تھے\
اب ہوش میں آئے ہیں

دستور بنا لائے\
دستور بنا لائے

اس نظم پر خوب تالیاں بجیں، خوب واہ وا ہوئی۔ پھر صدر صاحب کھڑے ہوئے اور یوں تقریر شروع کی:۔ میرے بچو، اپنے آزاد دیس کے سپوتو اس وقت تمھاری خوشی اُمنگ اور ولولے کو دیکھ کر میرا دل کھل گیا۔ یہ شاید آزادی کی برکت ہے آزاد ملک کے بچوں اور بڑوں میں یہ اُمنگ یہ ولولہ شاید آپ سے آپ پیدا ہو جاتا ہے تمھارے چہروں پر اس وقت جو رونق ہے جو خوشی ہے اور مجھے اپنے چاروں طرف جو گلاب کے پھول کھلے نظر آرہے ہیں پہلے بھلا یہ بات کہاں تھی۔

تمھارے دیس کا آئین بن گیا ہے۔ اس کی تمھیں بڑی خوشی ہے۔ اس کے بارے میں تم کچھ جاننا بھی چاہتے ہو، یہ تو تمھیں معلوم ہے اب سے تھوڑے ہی دنوں پہلے ہم انگریزوں کے غلام تھے کوئی سو، سوا سو برس تک غلامی کا یہ جوا ہمارے کاندھوں پر رہا

انگریز لوگ تجارت پیشہ ہیں، پہلے پہل تاجروں کی طرح یہاں آکر بسے۔ مگر ان دنوں ہمارے دیس کی حالت بہت خراب تھی۔ ہر طرف افراتفری تھی، مغل بادشاہ کمزور پڑ گئے تھے اور راجا نواب وغیرہ خوب آپس میں لڑ جھگڑ رہے تھے ملک دن بدن کمزور ہو رہا تھا۔ انگریزوں نے اس سے فائدہ اٹھایا، آہستہ آہستہ ان سب پر غلبہ حاصل کیا یا انھیں ختم کر دیا اور تاجر لوگ حاکم بن بیٹھے، باقاعدہ حکومت قائم کرلی

اس انگریزی حکومت نے کچھ قانون بنائے مگر یہ سب اس لئے کہ دیس کو خوب لوٹا جائے اور لوگوں کو غلام رکھا جائے۔

اب لوگ کچھ کچھ چونکے اور انھیں کچھ کچھ احساس ہوا کہ ہم تو بری طرح غلامی کے بندھنوں میں جکڑے ہوئے ہیں پھر کچھ کچھ آزادی کا چرچا ہوا یہ آہستہ آہستہ بڑھا اور پھیلا ہوتے ہوتے ہمارے نیتاؤں خصوصاً باپو جی، جواہر لال، ڈاکٹر انصاری، حکیم اجمل خاں، ابوالکلام کی رہنمائی میں اس نے کچھ ایسی شدت اختیار کی کہ انگریز حاکموں کو ہندوستان چھوڑنے ہی میں فائدہ نظر آیا۔

شروع شروع میں تو انگریز حاکموں کے قانون بڑے سخت تھے، پھر کچھ ڈھیلے پڑنے لگے۔ انگریزوں نے آہستہ آہستہ ہندوستانیوں کو بھی حکومت کے انتظام میں شامل کرنا شروع کیا۔ جوں جوں دن گزرتے گئے ہندوستانیوں کے اختیارات بھی بڑھتے گئے۔ قانون بھی ان کی مرضی کے مطابق بنتے گئے یہاں تک کہ قانون بنانے کے لئے ہر صوبے میں کونسلیں بنائی گئیں۔ ان میں زیادہ لوگ ہندوستانی ہی ہوتے مگر گورنر کوئی ایسا قانون منظور نہیں ہونے دیتا تھا جو حکومت کے خلاف ہو۔ یہاں تک کہ ہم آزاد ہو گئے اور اب ہمارے دیس کے بڑے بڑوں نے خوب سوچ سمجھ کر اپنے لئے ایک آئین بنایا ہے یہ ایک آزاد دیس کے آزاد لوگوں کا بنایا ہوا آئین ہے اور ۲۶ جنوری سے لاگو ہو جائے گا۔

سب لڑکے بڑے غور سے یہ باتیں سن رہے تھے اتنے میں گھر میں سے ایک بچہ آیا: "اباجی چائے تیار ہے" صدر صاحب نے کہا "بھئی اب چائے پی لو۔ ورنہ ٹھنڈی ہو جائے گی۔ باقی باتیں پھر سمجھائیں گے"

نعیم میاں نے صدر صاحب کا سب لڑکوں کی طرف سے شکریہ ادا کیا اور جلسہ برخاست ہوا۔ دوسرے کمرے میں چائے کا انتظام تھا چائے تھی م

م مٹھائی تھی، اور نہ جانے کیا کیا تھا۔ خوب مزا آیا۔ (محمد قاسم رسا)

رنگ بھرو



جنتا راج کے سنبھالنے والے

بھلا ان کے نام تو بتاؤ



















हमारा जनतन्त्र दिवस यूं तो सबके लिए है मगर खास तौर पर बच्चों के लिए खुशी मनाने का दिन है। यही बच्चे बड़े होकर इस मुल्क के मालिक होंगे।

मुझे यह सुनकर बड़ी खुशी हुई कि बच्चों की बिरादरी यह दिन इस शान से मना रही है कि दूसरे बच्चों को जमा करके तरह-तरह से उनकी खातिर करेगी सब बच्चों को चाहिये कि बगैर किसी भेदभाव के एक दूसरे की मदद करें मिलजुल कर काम करें—इस तरह हम एक दूसरे की खिदमत और देश की सेवा के लिये एक मुबारिक बिरादरी बनायेंगे।

मैं बच्चों की बिरादरी के काम को बराबर देखता और इससे खुश होता रहा हूं इसके सब मेम्बरों को मेरा प्यार और दुआएं।

— जवाहरलाल नेहरू।

ہمارا جمہوریت کا دن یوں تو سبھی کے لئے مگر خاص طور پر بچّوں کے لئے خوشی منانے کا دن ہے۔ یہی بچّے بڑے ہوکر اس ملک کے مالک ہوں گے۔

مجھے یہ سُن کر بڑی خوشی ہوئی کہ بچّوں کی برادری یہ دن اس شان سے منا رہی ہے کہ دوسرے بچّوں کو جمع کرکے طرح طرح سے اُن کی خاطر کرے گی۔ سب بچّوں کو چاہیئے کہ بغیر کسی بھید بھاؤ کے ایک دوسرے کی مدد کریں، مِل جُل کر کھیلیں اور کام کریں۔ اس طرح ہم ایک دوسرے کی خدمت اور دیس کی سیوا کے لئے ایک مبارک برادری بنالیں گے۔

میں بچّوں کی برادری کے کام کو برابر دیکھتا اور اس سے خوش ہوتا رہا ہوں۔ اس کے سب ممبروں کو میرا پیار اور دُعائیں

جواہر لال نہرو

پنڈت جی کا پیام

بچّوا کے نام

Regd. No. D 441.

Our Republic Day is a day of rejoicing for all of us, but more especially for our children. It is to these children, when they grow up, that this country will belong. I am happy to know that the Bachchon-ki-Biradari is celebrating this day by bringing other children and serving them in many ways. All children should try and play and work with each other without distinction. In this way we shall build up a happy brotherhood of service of each other and our dear country.

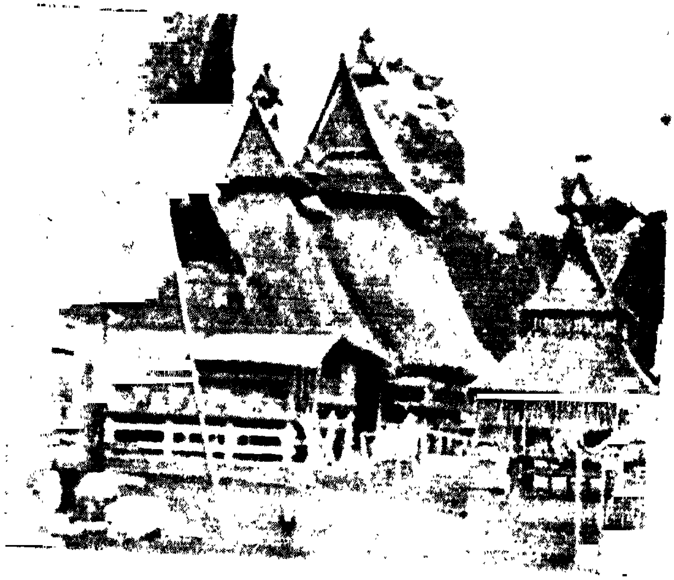
I have been following with great pleasure the work of the Bachchon-ki-Biradari. I send my love and good wishes to all its members

پیام تعلیم



ہماری جمہوریت کے پہلے صدر ڈاکٹر راجندر پرشاد جی

مکتبہ جامعہ دہلی



اہا بھئی ذرا ان گھروں کو دیکھنا۔ کیسے عجیب و غریب! زمین میں
کھم گاڑ کر بنائے گئے ہیں۔ شمالی سماترا (انڈونیشیا) میں ایک
قوم ہے باٹک۔ اسی نے یہ گھر بنائے ہیں۔ دیہات میں



جلد ۲۲ | مارچ سنہ ۵۰ء | نمبر ۱۲

قیمت سالانہ للعہ
فی پرچہ ۶
ایڈیٹر
محمد حسین حسان
پرنٹر پبلشر محمد حسین حسان
مطبوعہ: جید برقی

ننھوں سے باتیں



فروری کا پرچہ جمہوریت نمبر تو بھئی بہت ہی پسند کیا گیا۔ اب تک پیامیوں کے نہ جانے کتنے خط آچکے ہیں۔ تم تو تم تمھارے بڑوں نے بھی بہت سراہا ہے۔ حضرت اخگر مشتاق لکھتے ہیں:- "پیام تعلیم کی یوں تو سبھی اشاعتیں خاصی دلکش ہوتی ہیں۔ لیکن اس مرتبہ تو خصوصیت کے ساتھ بڑے دلچسپ اور مفید مضامین پیش کیے گئے ہیں۔ ایسی عمدہ پیش کش پر میری طرف سے مبارک باد قبول فرمائیے"۔

اس پرچے کے مضمون بھی یقین ہے تمھیں پسند آئیں گے۔ دیکھو محترمی مجیب صاحب کا سفرنامہ کیسا اچھا ہے۔ جتنا مختصر اتنا ہی عجیب۔ اس کا اگلا حصہ اور بھی مزے دار ہوگا۔

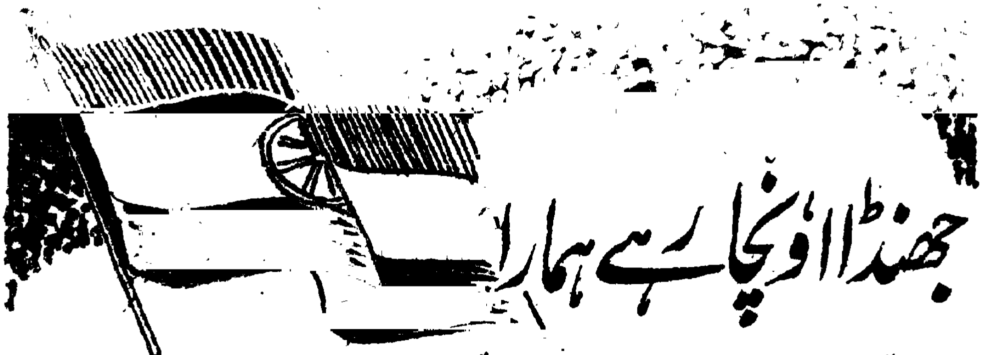
محترمی مجیب صاحب کو پچھلے مہینے ایک اچانک حادثے سے دوچار ہونا پڑا۔ اُن کے بڑے بھائی محمود سلیم صاحب کا دل کی حرکت بند ہو جانے سے انتقال ہو گیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ خدا مرحوم کو جنت میں جگہ دے اور اُن کے عزیزوں کو صبر کی توفیق عطا فرمائے۔

اس پرچے سے بہت سے پیامیوں کی خریداری ختم ہو رہی ہے۔ کیا اچھا ہو کہ یہ منی آرڈر سے چندہ بھیج دیں۔ وی پی میں تو بڑی پریشانی ہوتی ہے۔ کبھی کبھی تو ہمیں تمھیں دونوں کو بہت دنوں انتظار کرنا پڑتا ہے۔

اس پرچے میں کہیں چند تصویریں ہیں "کہانی لکھو" تم انھیں دیکھ کر کہانی لکھ ڈالو۔ سب سے اچھی کہانی پیام تعلیم میں چھپ جائے گی۔

فروری میں کچھ کارٹونی معمّے چھپے تھے۔ اُن کے صحیح حل یہ ہیں (۱) فخر و غرور (۲) بچکانہ انداز (۳) اپنی محافظت یا حفاظت (۴) اپنا ہی غم (۵) کاہلی۔

ان پیامیوں کے حل صحیح ہیں۔ کندن لال انبالہ، سیّد رضا حسین، رائے بریلی۔ بشر حسین فتح پور، اسرائیل احمد فیض آباد، نسیم احمد گلبرگہ، نصیر الدین گلبرگہ، عزیز احمد بھاگل پور۔ چھوٹے لال شاہ جہاں پور۔



جھنڈا اونچا رہے ہمارا

تیرؔ صاحب کا یہ ترانہ بہت دن ہوئے پیام تعلیم میں چھپا تھا اور تمام ہندوستان میں مقبول ہوا تھا۔ تیرؔ صاحب نے اب اس میں وقت اور موقع کے لحاظ سے بہت کچھ ادل بدل کر دی ہے اور اب یہ بالکل ایک نئی چیز ہو گئی ہے۔ ہماری جامعہ میں بچّے یہی ترانہ پڑھتے ہیں۔ (ایڈیٹر)

اچھا اچھا، نیارا نیارا رنگ ترنگا، پیارا پیارا
قوم کی امیدوں کا سہارا دیس دُلارا، جگ اُجیارا
دِل کی ٹھنڈک آنکھ کا تارا
جھنڈا اونچا رہے ہمارا

ہوش میں ہم کو لانے والا جوش سے دل گرمانے والا
خِدمت پر اُکسانے والا بیڑا پار لگانے والا
دیس کی نیّا کھیون ہارا
جھنڈا اونچا رہے ہمارا

آزادی کے پروانوں کو اس دیوی کے دیوانوں کو
ملوانوں کو وِدوانوں کو دیس کے سارے انسانوں کو
ہے یہ اپنی جان سے پیارا
جھنڈا اونچا رہے ہمارا
جب جھنڈا لہراتا ہے یہ مَن کی جوت جگاتا ہے یہ
اپنایت پھیلاتا ہے یہ پریت کی ریت سکھاتا ہے یہ
پریم کا ساگر، پریم کی دھارا
جھنڈا اونچا رہے ہمارا
آؤ یہ جھنڈا لہرائیں دیس کے دُکھ سُکھ دھیان میں لائیں
دیس کے بگڑے کام بنائیں آپس کے سب بَیر مٹائیں
تیر ہو غم سے چھٹکارا
جھنڈا اونچا رہے ہمارا



ہماری جمہوریت کے نئے صدر

۲۶ جنوری کا دن بھی کیسا سُہانا دن تھا دِلّی تو دُلہن بنی ہوئی تھی۔ نئی دلّی میں تو خلقت ٹوٹی پڑتی تھی۔ ہماری جمہوریت کے صدر کا جلوس جو نکل رہا تھا۔

دیکھئے دیکھئے وہ آ رہے ہیں چھ گھوڑوں کی بگھی پر۔ کالی شیروانی، سفید گاندھی ٹوپی چوڑی دار پاجامہ کیسے اچھے لگ رہے ہیں۔ چہرہ ہے کہ کھِلا جا رہا ہے۔ شرافت اور انسانیت جیسے بلائیں لے رہی ہے۔

آہ ——— ہا ——— یہ تو ہمارے راجندر بابو! بہار کے مشہور نیتا ——— بہار کے کیوں پورے ہندوستان کے کہو۔ بہار تو ان کا وطن ہے شمالی بہار کے ضلع سارن میں پیدا ہوئے تھے ۶۵ برس کی عمر ہے۔

اُردو، فارسی، ہندی گھر پہ پڑھی۔ یہ تینوں زبانیں خوب جانتے ہیں۔ پھر انگریزی اسکول میں داخل ہوگئے۔ ۱۸ برس کی عمر میں کلکتہ یونی ورسٹی سے انٹرنس کا امتحان دیا۔ یونی ورسٹی بھر میں اوّل آئے اس وقت کلکتہ یونی ورسٹی تمام ہندوستان پر چھائی ہوئی تھی۔ اسی زمانے میں لوگوں کا خیال تھا یہ لڑکا ترقی کرتے کرتے ہائی کورٹ کا جج بنے گا۔

راجندر پرشاد جی نے ام۔ اے اور ال، ال، بی کی ڈگریاں اسی یونی ورسٹی سے لیں۔

راجندر بابو طالب علمی کے زمانے میں اپنے ساتھیوں میں بہت ہر دل عزیز تھے۔ ایک بار کالج کی انجمن کے انتخاب ہو رہے تھے۔ لڑکوں نے انھیں سکریٹری کے عہدے کے لئے کھڑا کر دیا۔ ان کے مقابلے میں کلکتے کا ایک اونچے گھرانے کا لڑکا تھا یہ اُن سے اونچے درجوں میں پڑھتا تھا چُناؤ کے وقت اس بے چارے کے لئے کل چھ ووٹ اور، اُن کے لئے لگ بھگ ایک ہزار ووٹ تھے۔

وکالت پاس کرکے راجندر بابو نے کلکتہ ہائی کورٹ میں وکالت شروع کردی۔ پھر بہار میں ہائی کورٹ بنا (۱۹۱۶ء) تو پٹنے چلے آئے وکالت شروع ہی سے چل پڑی۔ اُن کے ساتھیوں

میں بڑے بڑے قابل وکیل تھے۔ مگر ان کی بھلمنساہت سچائی اور شرافت نے انھیں بہت اونچا کر دیا تھا۔

سنہ ۱۷ء میں باپو بہار آئے۔ ضلع چمپارن میں کسانوں پر بہت زیادتی ہو رہی تھی۔ راجندر بابو بھی اُن کے ساتھ ہوئے یہ پہلی ملاقات تھی پر باپو کی سادہ زندگی اور قومی کام کا نیا ڈھنگ ان کے جی کو لگ گیا۔

پہلی بڑی لڑائی (۱۹۱۴ء) کے بعد آزادی کی لڑائی باپو کی رہنمائی میں زور شور سے شروع ہوئی۔ راجندر بابو نے وکالت پر لات ماری اور اس لڑائی میں پورے جوش سے شریک ہو گئے۔

سنہ ۲۰ء سے سنہ ۳۰ء تک ان پر بہت سخت گذرے۔ دمے کی انھیں پرانی شکایت ہے۔ اس کے متواتر دورے پڑے۔ پھر مالی حالت کی خرابی اور سب سے بڑھ کر جیل خانے کی تکلیفیں۔ مگر یہ بہادر سپاہی یہ سب کڑیاں جھیلتا رہا اور اپنے کام میں لگا رہا۔

باپو نے جو راستہ انھیں دکھایا تھا اس پر وہ چل رہے تھے۔ باپو کی ساری باتیں اُن میں سج گئی تھیں باپو کی طرح ملک و قوم کی بے غرض خدمت ان کی زندگی کا مقصد تھا۔ سنہ ۳۴ء میں بہار میں زلزلہ آیا، بہت سخت سارا بہار لوٹ پوٹ ہو گیا۔ اس ہولناک مصیبت کے وقت بپتا کی ماری جنتا کی راجندر بابو نے کیسی کچھ مدد کی! ان کی پریشانیاں دور کرنے کے لئے اُنھوں نے دن رات ایک کر دیا سارے دیس نے ان کی اس بے غرض خدمت کو سراہا۔

راجندر بابو تین بار انڈین نیشنل کانگریس کے صدر بنائے گئے۔ کبھی کبھی تو بڑے نازک موقعوں پر، اور انھوں نے بڑی خوبی سے اُسے نبھایا۔

۱۵ اگست سنہ ۴۷ء کو ہندوستان آزاد ہوا آزاد دیس کا قانون بنانے کے لئے ایک جماعت بیٹھی راجندر بابو کو سب نے اس کا صدر چُنا۔

پچھلی نومبر (سنہ ۱۹۴۹ء) کو یہ کام ختم ہوا یعنی دیس کا نیا آئین یا دستور بن گیا۔ اس آئین کی رو سے دیس کی جمہوری حکومت کے لئے صدر چُننا تھا راجندر بابو کو پورے دیس نے اس عزت کے لائق سمجھا۔ کسی نے بھی اُن کے مقابلے میں اپنا نام پیش نہیں کیا۔

تو بھئی راجندر بابو ہائی کورٹ کے جج تو نہیں دیس کی جمہوریت کے صدر بن گئے اور بھئی ہمیں فخر ہے کہ ہماری جمہوریت کا صدر کوئی راجہ، نواب نہیں، دیس کا جانا بوجھا اور آزمایا ہوا سپاہی ہے۔



جامعہ سے امریکہ تک

پروفیسر محمد مجیب

(۲)

نیویارک میں ایک ہوائی اڈّا خاص ان جہازوں کے لئے ہے جو باہر کے ملکوں سے آتے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک بہت بڑا اڈّا ملک کے اندر چلنے والے جہازوں کے لئے بھی ہے۔ یہاں باہر سے آنے والے جہاز بھی کبھی کبھی اُترتے ہیں۔ یہ اڈّا بہت بڑا ہے کہتے ہیں کہ یہاں دن رات میں اتنی بجلی صرف ہو جاتی ہے جتنی پورے بمبئی شہر میں۔ یہاں بہت سے لوگ تفریح کے لئے بھی آتے ہیں اور ان کے لئے ایک رسٹورانٹ بھی ہے جہاں سے وہ بیٹھ کر پورے ہوائی اڈے کا تماشہ دیکھ سکتے ہیں۔ وہاں ہر قسم کی دوکانیں بھی ہیں ایک ڈاک خانہ ہے، ایک بنک ہے، جہاں روپیہ بدلوایا جا سکتا ہے۔

مجھے اسی روز ۸ بجے جہاز سے کینیڈا جانا تھا، اور ۸ گھنٹے کے قریب گذارنے تھے۔ میں نے رسٹورانٹ میں کھانا کھایا اور پھر گھومتا رہا اسی گشت میں میں نے مشینیں دیکھیں جن میں پیسے ڈالنے اور بٹن دبانے سے شربت، کھانے کی چیزیں مٹھائیاں سگرٹ وغیرہ نکلتے ہیں۔ انھیں کینٹین کہتے ہیں۔ شربت کی مشین دیکھ کر مجھے ایکبارگی پیاس لگ آئی۔ ایک دو دفعہ شربت حاصل کرنے کی کوشش کی، مگر کامیابی نہ ہوئی۔ پھر ایک آدمی جو میری حرکتوں کو دیکھ رہا تھا پاس آیا اور مجھے صحیح طریقہ بتایا۔ اس نے کہا "پہلے ۱۰ سنٹ ڈالو"۔ یہ میں ڈال چکا تھا۔ اس نے کہا "نیچے شربتوں کے نام لکھے ہیں، بتاؤ تم کو کون سا چاہیے"۔ میں نے کہا "کوکا کولا"۔ اس نے ایک ہینڈل کھینچا۔ ہینڈل کے نیچے ہی خالی جگہ تھی اس نے کہا "دیکھو شربت آ رہا ہے"۔ پہلے ایک گلاس اوپر سے ٹپکا پھر ایک ٹونٹی سے جو دکھائی نہیں دے رہی تھی شربت کی دھار نکلی۔ جب گلاس تین چوتھائی بھر گیا تو شربت کی دھار بند ہو گئی۔ میں نے گلاس نکالا اور شربت پیا۔ بہت ہی میٹھا اور لذیذ تھا۔ میں نے اس آدمی کا شکریہ ادا کیا اور جب وہ چلا گیا تو میں نے ایک دفعہ اپنی قسمت آزمائی۔ اس مرتبہ کامیابی ہوئی۔ اب پیاس بجھ گئی تھی۔ مگر مشین کا تماشہ دیکھنے کا شوق

بانی پ[illegible] کوشش کرتا تھا کہ کسی اور طرف چلوں اور [illegible] دیکھوں، مگر جب کسی کینٹین کے پاس سے گزرتا تو جی نہ مانتا اور ایک گلاس اور پی لیتا۔

۴ بجے کے قریب کینیڈا کے شہر ٹورانٹو کے لئے روانہ ہوا اور مغرب کے قریب وہاں پہنچا۔ یہاں بڑی مشکل سے معلوم ہوا کہ میرے ٹھیرنے کا انتظام کہاں ہوا ہے۔ لیکن آخرکار وہاں پہنچ ہی گیا۔ دوسرے دن صبح کانفرنس کے اور ممبروں کے ساتھ بگوون ان گیا۔ یہ سفر کچھ دور ریل کا تھا اور کچھ دور موٹر کا۔ کینیڈا اور امریکہ کی ریلوں میں دو طرح کے درجے ہوتے ہیں۔ ایک میں دو آدمیوں کے بیٹھنے کی سیٹیں ہوتی ہیں، اور دوسرے میں ڈرائنگ روم کا سا انتظام ہوتا ہے۔ ہر مسافر کو ایک بڑی سی آرام کرسی ملتی ہے جو ہر طرف گھوم سکتی ہے۔ اسی کے پاس ایک میز ہوتی ہے۔ ہم لوگوں کے لئے اسی درجے کے ٹکٹ لئے گئے تھے۔ اور ہم کینیڈا کے دیہات کے خوب صورت منظر دیکھتے گئے۔ ریل سے اُتر کر ہم کچھ دور موٹر پر پہاڑوں میں گئے اور پھر ایک جھیل کے کنارے پہنچے۔ بگوون ان ایک جزیرے پر ہے جو اسی جھیل میں ہے، اور یہاں کشتی پر جاتے ہیں۔ یہ جزیرہ اور جھیل اور اس کے گرد کا علاقہ بہت خوب صورت ہے۔ لیکن میں مناظر کا بہت تھوڑا ہی لطف اُٹھا سکا۔ اس لئے کہ مجھے کانفرنس کی بحثوں میں شریک ہونا تھا، جو صبح سے شام تک جاری رہتی تھیں

(باقی پھر)

اپریل کے پیام میں ——!

ایک تو بڑے اور چھوٹے پیامیوں کے مضامین (جو رسالے میں چھپ چکے ہیں) پر انعام کا اعلان ہوگا۔ سب سے بڑا انعام چاندی کا ایک تمغہ ہے جو عالی جناب نواب محمد صابر قلی خاں صاحب (محمد گڑھ اسٹیٹ) [illegible] سے دیا جائے گا اور بھی چند انوکھے مضمون ہوں گے۔ قصے اور کہانیاں [illegible] ہوں گے بہت دلچسپ۔ پیامی انتظار کریں۔



قصور کس کا؟

(ایک برمی کہانی)

بہت دِنوں کی بات ہے، پُرانے زمانے کی۔ برما کے ایک گاؤں میں ایک کسان تھا "چم"۔ ایک دن وہ اپنی جھونپڑی کے پاس کلہاڑی تیز کر رہا تھا۔ اتنے گھونگھے کی قسم کا ایک کیڑا رینگتے رینگتے اس کے قریب آیا۔ اور نہ جانے اسے کیا سوجھی زور سے چم کے پیر میں کاٹ لیا۔

پیر میں سوئی سی چبھ گئی بڑی زور سے۔

چم جو تھا جھلا گیا۔ غصے میں ناریل کے پیڑ پر کلہاڑی چلا دی پوری طاقت سے۔ درخت نے غصے میں آکر ایک ناریل نیچے گرا دیا۔ خوب بڑا سا جیسے تربوز۔

نیچے میاں ککڑوں کوں کھڑے تھے۔ ناریل گرے اُن کی پیٹھ پر۔ اُنھوں نے تاؤ میں آکر چیونٹیوں کی ایک پہاڑی چونچل سے برابر کر دی۔ چیونٹیوں میں کھلبلی مچ گئی۔ سارا گھر برباد ہو گیا۔ غصے میں ایک کالے ناگ کو لپٹ گئیں۔ خوب کاٹا۔ ناگ نے غصے میں آکر ایک جنگلی سور کے پیر میں ڈس لیا۔ جنگلی سور کو جو غصہ آیا تو اپنی تھوتھنی زمین میں گڑو دی اور ایک اونچی سی جھاڑی جڑ سے اکھاڑ دی۔

جھاڑی کی ایک شاخ میں چمگادڑ صاحب آرام فرما رہے تھے۔ یہ نیچے زمین پر آ رہے۔ انھیں جو غصہ آیا تو ہاتھی کے کان میں گھس گئے۔

ہاتھی کو جو غصہ آیا تو پوری طاقت سے ایک بڑے سے گول اور کھلے پتھر پر خوب ضرب لگائی۔ ایک بوڑھی عورت اس پتھر پر دھان کوٹا کرتی تھی۔ پتھر لڑھکتا لڑھکتا پہاڑی سے نیچے آیا۔ نیچے بوڑھی عورت کا گھر تھا۔ اس سے ٹکرایا۔ گھر ٹوٹ پھوٹ گیا۔

بوڑھی عورت بڑی زور سے چیخی:۔

"پتھر رے پتھر تو نے میرا گھر برباد کر دیا تجھے اس کی قیمت دینا ہوگی"۔

پتھر نے کہا: "نہیں نہیں میں کیسے دوں قیمت مجھے تو ہاتھی نے لڑھکایا ہے"!

بوڑھی عورت غصے میں بھری ہوئی ہاتھی کے پاس گئی "ہاتھی رے ہاتھی تجھے میرے گھر کی قیمت دینا ہوگی۔"

ہاتھی نے کہا: "نہیں نہیں میں کیوں دوں، غلطی چمگادڑ کی تھی۔ میرے کان میں گھس گیا تھا۔"

بوڑھی عورت چمگادڑ کے پاس پہنچی اور غصے میں بولی:۔ "چمگادڑ اے چمگادڑ تجھے میرے گھر کی قیمت دینا ہوگی۔"

چمگادڑ:۔ "نہیں، نہیں میں کیوں دوں غلطی سور کی تھی، اس نے جھاڑی کو جڑ سے اکھاڑ دیا، میں اس کی شاخ سے لٹکا سو رہا تھا۔"

بوڑھی عورت سور کے پاس پہنچی اور غصے میں بولی:۔ "سور رے سور تجھے میرے گھر کی قیمت دینا ہوگی۔"

جنگلی سور: "نہیں نہیں، میں کیوں دوں، غلطی کالے ناگ کی ہے اس نے میرے پیر میں ڈس لیا۔"

بوڑھی عورت کالے ناگ کے پاس پہنچی اور غصے میں بولی "ناگ رے ناگ تجھے میرے گھر کی قیمت دینا ہوگی۔"

کالے ناگ نے کہا:۔ "نہیں، نہیں میں کیوں دوں۔ غلطی چیونٹیوں کی ہے، انھوں نے میری دُم میں کاٹ لیا۔"

بوڑھی عورت چیونٹیوں کے پاس گئی اور غصے میں بولی:۔ "چیونٹیو رے چیونٹیو تمھیں میرے گھر کی قیمت دینا ہوگی۔"

چیونٹیاں بولیں:۔ "نہیں، نہیں ہم کیوں دیں۔ غلطی مُرغ کی ہے، اس نے ہمارا گھر برباد کر دیا۔"

بوڑھی عورت مُرغ کے پاس گئی اور بولی:۔ "مُرغ رے مُرغ تجھے میرے گھر کی قیمت دینا ہوگی۔"

مُرغ بولا:۔ "نہیں، نہیں میں کیوں دوں۔ غلطی ناریل کے پیڑ کی ہے۔ اس نے میری پیٹھ پر بڑا سا ناریل دے مارا۔"

بڑی بی ناریل کے درخت کے پاس پہنچیں:۔ "درخت رے درخت، تجھے میرے گھر کی قیمت دینا ہوگی۔"

ناریل کا درخت بولا: "نہیں، نہیں میں کیوں دوں، غلطی حجّام کی ہے، اس نے بہت زور سے میرے کلہاڑی ماری۔"

بوڑھی عورت حجّام کے پاس پہنچی اور غصے میں بولی:۔

"جم رے جم تجھے میرے گھر کی قیمت دینا ہوگی"

جم نے کہا :- "نہیں ، نہیں میں کیوں دوں ، غلطی تو گھونگھے جیسے ننھے کیڑے کی ہو اس نے میرے پیر میں کاٹ لیا"

بوڑھی عورت کیڑے کے پاس پہنچی اور غصے سے بولی :- "کیڑے رے کیڑے تجھے میرے گھر کی قیمت دینا ہوگی"

پر اب کیڑے میاں کس پر الزام دھرتے بے چارے بوڑھی عورت کے لیے نیا گھر ہی بنا سکتے تھے ۔ انھوں نے کیا یہ کہ بوڑھی عورت تو چیختی چلاتی رہی اور وہ ایک چشمے میں کود کے پلک جھپکتے میں تہہ میں جا پہنچے جب سے آج تک اُن کی تلاش جاری ہے ۔

(انگریزی سے اپنایا)

(فارم داخلہ بچوں کی برادری الف)

جناب سکریٹری صاحب بچوں کی برادری

جے ہند

میں بچوں کی برادری کے قاعدے قانون ——— مانتا / مانتی ہوں اور برادری کا ممبر بننا ——— چاہتا / چاہتی ہوں ۔ امید ہے کہ آپ مجھے برادری کا ممبر بنا لیں گے ۔

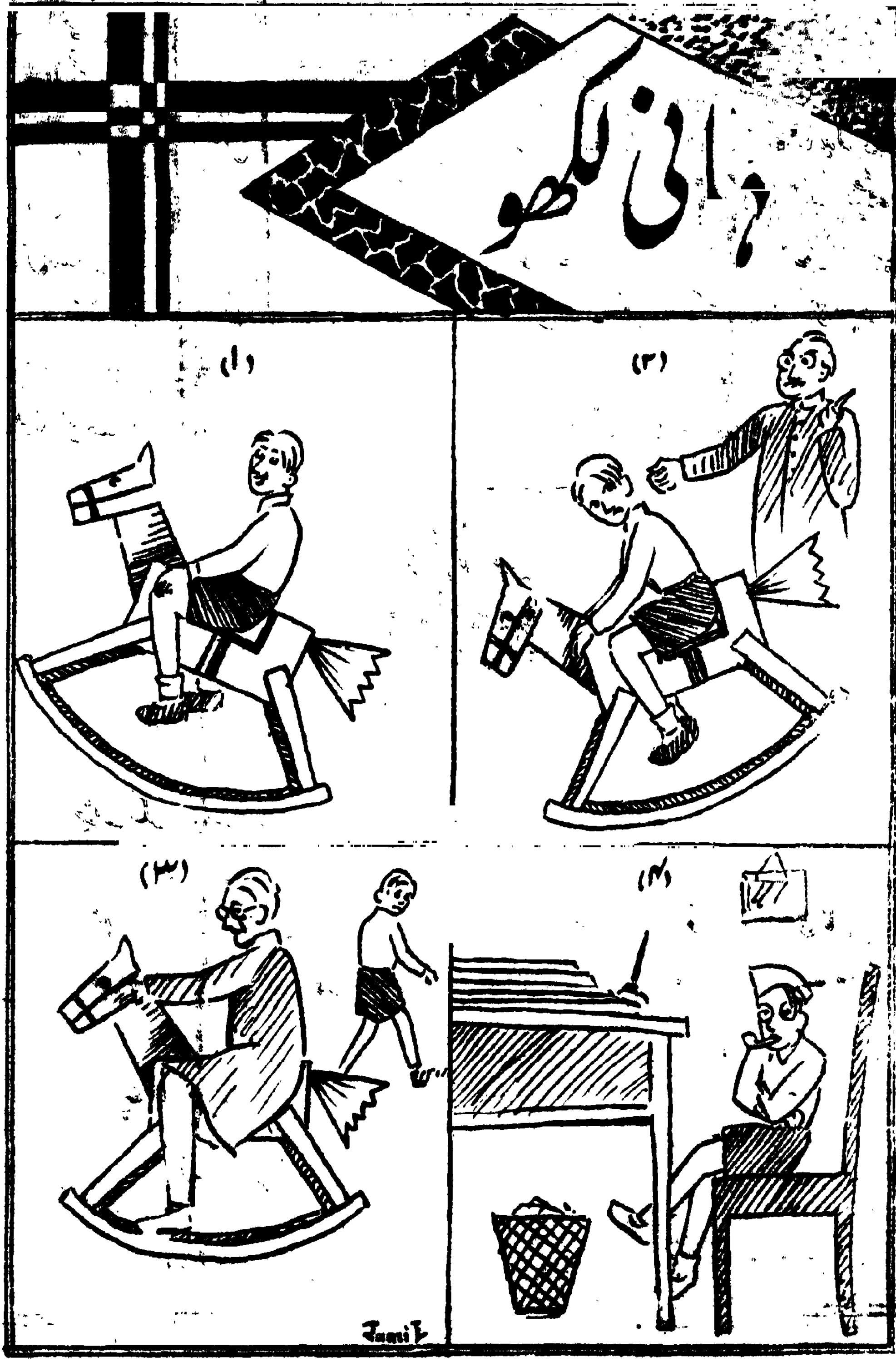
نام .... عمر .... باپ کا نام ....

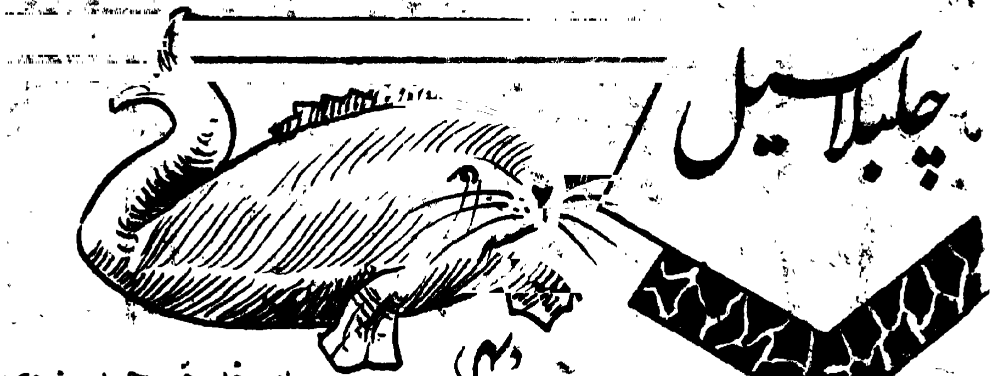
پتہ .... شوق ....

سرپرست

دستخط

صدر بچوں کا کلب　　　　دستخط ....


(۱)
(۲)
(۳)
(۴)



چلبلا سیل

(۴)

پروفیسر قیصر حسین زیدی

ہاں تو سورج بھیّا چند گھنٹے وہیں زمین کے کنارے دھرنا دئیے بیٹھے رہے۔ پھر دھیرے دھیرے آسمان پر چڑھنے لگے۔ اے لیجئے صبح ہوگئی دوپہر کو ان میں روشنی ذرا زیادہ آجاتی۔ پر یہ آسمان پر زیادہ اونچے نہ چڑھتے۔ دوپہر کے بعد پھر نیچے آتے آتے شام تک زمین پر آجاتے لیکن پہلی جگہ سے ذرا آگے پچھم کو۔

اس طرح یہ روز کمان کی شکل کا راستہ طے کرتے، پچھم کو چلے جاتے۔ چاروں طرف بس یوں ہی چکر لگاتے۔ یہاں چڑھتے وہاں اترتے پر کبھی ڈوبتے نہ تھے

جون سے اگست تک سورج کا یہی رنگ ڈھنگ رہا مگر ستمبر کی ایک شام کو اترتے اترتے ایک دم زمین کے نیچے غائب! ارے یہ کیا ہوا!! مگر تھوڑی ہی دیر بعد سورج نے اپنا سر ذرا نکالا اور پھر اپنا ہنستا ہوا چہرا۔

پر اب تھوڑا سا فرق ہوگیا تھا پہلے وہ چند منٹوں کو غائب ہوتا تھا اب گھنٹوں کی نوبت آگئی تھی آہستہ آہستہ سورج بھیّا کی نیند بڑھتی ہی گئی آخرکار ننھے بچوں کی طرح سولہ سولہ۔ اٹھارہ اٹھارہ گھنٹے سونے لگے۔ نومبر کے آتے آتے تو کہیں گیارہ بجے دن کو اونگھتے، کپکپاتے، اپنی کال کوٹھری سے نکلتے اور ذرا دیر

بعد دو بجے کے قریب پھر غائب ہو جاتے۔

دسمبر کے مہینے میں تو ایک وقت وہ آیا کہ درشن دینا ہی بند کر دئے۔ ایسی لمبی تان کر سوئے کہ تین مہینے تک کسی کو صورت نہ دکھائی۔

سردی کی لمبی رات ختم ہوتے ہی سورج بھیا نے پھر منہ دکھائی کا مذاق شروع کر دیا۔ مگر اوّل اوّل وہ صرف چند گھنٹوں کے لئے تھرتھراتے کانپتے نکلتے تھے۔

سیل مچھلیاں تو ان کی صورت دیکھتے ہی رنگ رلیاں منانے لگیں۔ اب سیر و شکار کا موسم بھی آگیا تھا۔ سمندر کے اوپر سردیوں میں اتنی برف جم گئی تھی کہ جزیرے کے ساحل سے میلوں دور تک میز کی طرح ایک ہی ٹھوس سطح دکھائی دیتی تھی۔ اور جہاں برف کا کنارا تھا وہاں بڑی بڑی خلیجیں اور راسیں بنی ہوئی تھیں۔ اس زمانے میں یہ خلیجیں کاڈ اور دوسری مچھلیوں سے پٹی ہوتی ہیں، جو سیل کا من بھاتا کھاجا ہیں سیل مچھلیاں ان پر ٹوٹ پڑیں اور کھا کھا کر چند ہی دنوں میں خوب موٹی ہو گئیں۔

چلبلا اور اس کے ساتھی مچھلی ہڑپ کرنے سے پہلے اس سے خوب کھیلتے تھے۔ جیسے بلی چوہے سے کھیلتی ہے۔ کبھی "جاں باز" ہیرنگ مچھلی کی دم پکڑ کر اسے ہوا میں اچھال دیتا تو چلبلا اسے پانی میں گرنے سے پہلے ہی لپک لیتا کبھی کسی مچھلی کو تاک کر یہ پانچوں ساتھی پانی میں چاروں طرف پھیل جاتے اور پھر ایک ساتھ اس پر حملہ کرتے۔ ایسے مقابلوں میں اکثر چلبلے ہی کی جیت ہوتی تھی چلبلا اور بہت سی شرارتیں کرتا اگر وہ کسی بگلے یا پرندے کو مچھلی کی تاک میں ہوا میں پر تولتے دیکھتا تو پانی میں غوطہ لگا کر اس کے شکار کے پاس پہنچ جاتا اور

نہی وہ مچھلی کو چنگل میں دبوچتے
ری سے پانی کی طرف آتا چلبلا
ل کر مچھلی کو اُڑا لے جاتا اور
یب بھوکا پرندہ چیختا چلاتا رہ
جاتا۔

چلبلا اور اُس کے ساتھیوں
ں غوطہ لگانے کے مقابلے بھی
تے۔ چلبلا ان سب سے
ی بے جاتا کبھی غوطہ لگاتے
گاتے یہ ساتھی برف کی بڑی اور
ٹی چادر کے نیچے پہنچ جاتے۔
یچے پانی اوپر برف۔ ہوا نام
بھی نہیں! سب کا دم
گھٹنے لگتا۔ سانس لینے کے لئے
رف کی چادر میں سوراخ کرنا پڑتا۔
پہلے سب مل کر برف میں کوئی
زور جگہ تلاش کرتے، پھر
دھرا دھر اپنے سروں سے ٹھونگیں
رتے۔ مُنہ سے برف کو
چتے کُھرچتے اور پھر اپنے
ھتوڑوں جیسے ہاتھوں سے برف
ہٹا ہٹا کر سوراخ بنا لیتے۔
س طرح اُنھوں نے جگہ جگہ

برف میں سوراخ بنا لئے تھے۔ اب وہ دُور تک برف کے نیچے بھی خوب شکار کھیلتے تھے۔ گھونگوں اور ستارہ مچھلی کا ناشتہ کرتے تھے اور ڈوبی ہوئی چٹانوں کی دَرزوں میں سے کیچوے اور کیڑے نکال کر چٹ کر جاتے تھے۔

ناشتے سے فارغ ہوتے تو آنکھ مچولی شروع ہوجاتی اس کھیل میں چلبلا اور چال باز کسی کے ہاتھ نہ آتے خوب گہرے غوطے لگاتے۔ پھر پانی سے سر نکال کر۔ جب چور ان کی طرف لپکتا تو وہ بڑی پھرتی سے کہیں اور نکل جاتے۔

اس زمانے میں جہاں سیل بچوں کے مزے تھے کبھی کبھی ان کے سر پر آفتیں بھی آتی رہتی تھیں۔ اپریل کے آخر میں نہ معلوم کہاں سے بڑی بڑی خوں خوار مچھلیاں آنکلتی تھیں۔ کوئی تلوار کی سی تیز اور لمبی چونچ والی اور کوئی آرے کی طرح کے تیز

دانتوں والی ۔ کبھی کبھی والرسین بھی ان پر ہلا بول دیتی تھیں اور ایک ہی ہلے میں کلو دادا کے بہت سے پوتے پوتیوں نواسے نواسیوں کو چٹ کر جاتیں ۔اس وقت سیل مچھلیاں برف کے اندر جگہ بنالیتیں اور ان بلاؤں کے ٹلنے تک وہاں سے بہت کم نکلتیں ۔

اس زمانے میں ایک بار چلبلے نے اپنی آنکھوں سے ایک ڈراؤنا نظارہ دیکھا ۔ بہت ہی ڈراؤنا ، بے چارے کے رونگٹے کھڑے ہوگئے ۔ وہ اپنی ٹولی کے ساتھ برف میں بنائے ہوئے ایک سوراخ کے منہ پر بیٹھا تازہ ہوا کھا رہا تھا کہ اُسے دور بہت دور برف پر کالا دھبا سا نظر آیا ۔ یہ برابر آگے بڑھتا اور پھیلتا گیا ۔ ذرا دیر بعد اس کی جگہ ایک سلج اور اس میں جُتے ہوئے جھبرے جھبرے قطبی کُتے دکھائی دینے لگے ۔

سلج بھی کیا عجب سواری ہے اس میں پہیے بھی نہیں ہوتے ان کی ضرورت بھی نہیں ۔ برف کی صاف سطح پر یہ خوب پھسلتی ہے اور کُتے اسے مزے سے کھینچے کھینچے پھرتے ہیں اس سلج میں دو آدمی آگے پیچھے بیٹھے تھے جو کتوں کو اپنے لمبے ہنٹروں سے اُڑائے ہوئے چلے آرہے تھے

(باقی)





ایک نئی بات

آج ہم تم سے ایک بات کہنا چاہتے ہیں۔ پر ایک بات ہے۔ دھیان سے سُنو اور اس پر عمل کرنے کا وعدہ کرو!

بات کھانے پینے کی ہے۔ ہفتے میں ایک بار بس ایک بار کھانا نہ کھاؤ۔

پچھلی بڑی لڑائی (۱) سے پہلے نہ تو اناج کا کال تھا۔ نہ ضرورت کی چیزیں اتنی مہنگی ملتی تھیں۔ جونہی لڑائی چھڑی چیزوں کے دام آہستہ آہستہ چڑھنے شروع ہوئے اور بعد میں انتہا کو پہنچ گئے۔

خدا خدا کرکے لڑائی ختم ہوئی تو دیس پر ایک اور بپتا آئی۔ بہت بڑی۔ ملک دو ٹکڑے ہو گیا۔ اناج پیدا کرنے والا بہت بڑا علاقہ دوسری طرف چلا گیا۔ ملک میں غلّے کی سچ مچ کمی پڑ گئی۔

دیس کی حکومت نے غلّہ باہر کے ملکوں سے منگوایا۔ مہنگے داموں منگوایا، سستے داموں بیچا۔

۱۹۵۱ء میں حکومت نے ایک ارب بیس کروڑ روپے کا غلہ باہر سے منگوایا اور ۲۵ کروڑ روپے کا گھاٹا اٹھایا۔ جنتا کے ہاتھوں کم داموں بیچے ہیں۔

ہمارے دیس کی حکومت نے غلّہ زیادہ اُگانے کی مُہم شروع کی ہے۔ کام برابر آگے بڑھ رہا ہے پر اس کی کامیابی میں ابھی دیر لگے گی۔

تب تک ہم کیا کریں؟ ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں؟ اپنی اور اپنی حکومت کی پریشانیوں کو بڑھاتے رہیں؟ دیس کا اربوں روپیہ باہر بھیجتے رہیں؟

تو پھر؟ ہے سچ مچ بڑا ٹیڑھا سوال! پر ہمارے باپو اُسے بھی حل کر گئے ہیں بہت ہی سادہ طریقے سے "ہفتے میں ایک بار کھانا نہ کھاؤ"۔

پوری جنتا باپو کی یہ بات مان لے تو دیس کو اس سے کتنا فائدہ پہنچے!

پہلی بات تو یہ کہ حکومت کو باہر سے اناج کم منگانا پڑے۔ لگ بھگ نوے کروڑ روپے کی بچت ہو جائے۔

اور صاحب پوری جنتا سال میں باون

وقت کھانا بچائے تو پورے چار ارب روپیہ بچ جائیں۔ حساب لگانے والوں نے یہی حساب لگایا ہے۔ کوئی پچاس کروڑ روپے کی کفایت تو ایندھن کے خرچ میں ہو جائے۔

اتنی بڑی رقم سے دیس کے کتنے کام چل سکتے ہیں!

یہی نہیں اور بھی بہت سے فائدے ہیں! لوگوں میں یہ احساس پیدا ہوگا کہ یہ تھوڑی سی قربانی ہم دیس ہی کی بھلائی کے لیے کر رہے ہیں۔ یا خود اپنی بھلائی کے لئے۔

اور پھر جب ہم سب مل کر اس نیک کام کو کرنے۔ اپنے دیس کو اس بپتا اس مصیبت سے بچانے کو اٹھ کھڑے ہوں گے تو یہ کیسی اچھی مثال ہوگی اوروں کے لئے۔

دوسرے ملک اس وقت غلے کے منہ مانگے دام لے رہے ہیں۔ انھیں جب یہ خبر ہوگی کہ ہمارا دیس اس مسئلے کو اس طرح حل کر رہا ہے تو وہ دام گھٹانے پر مجبور ہوں گے۔ ہمارا لاکھوں، کروڑوں روپیہ تو یوں بچ جائے گا۔

پھر غلے کی اس کمی کا شکار دوسرے ملک بھی ہیں انھیں اخباروں سے ہماری مہم کی کامیابی کی خبر ہوگی تو وہ بھی اسے اپنے ہاں اپنانے کی کوشش کریں گی۔

تو گویا باپو کا بتایا ہوا یہ آسان نسخہ ہمارے لئے ہی نہیں سارے جگ کے لئے مفید ہوگا۔

پھر تندرستی کے اصولوں کو لو تو فاقہ بڑی اچھی چیز ہے۔ وید، حکیم اور ڈاکٹر اور تمام سمجھدار لوگ کہتے ہیں معدے کو ہفتے میں ایک بار آرام ضرور ملنا چاہیئے۔ تم کام کرتے کرتے تھک جاتے ہو تو آرام کی ضرورت محسوس کرتے ہو۔ آرام کا موقع مل جائے تو تازہ دم ہو کر پھر اسی محنت اور جوش سے کام شروع کر دیتے ہو، یہی حال معدے کا ہے۔ معدہ ٹھیک کام کرے گا تو تندرستی پر کتنا اچھا اثر پڑے گا۔ بہت سے مذہبوں میں فاقے کی تاکید کی گئی ہے۔ اسلام میں تیس دن کے روزے فرض ہیں۔ ہندوؤں میں برت رکھے جاتے ہیں۔

غرض یہ تحریک ہمارے لیے، ہمارے دیس کے لئے بلکہ سارے جگ کے لئے مفید ہے، ہمیں اسے اپنانا ہے۔ پیامی پہلے خود اس پر عمل کریں، پھر اپنے گھر میں، اپنے پڑوس میں اپنے مدرسے میں، اپنے کلب میں، اپنی انجمن میں اس کا چرچا کریں۔ لوگوں کو اس کے فائدے سمجھائیں، اور جہاں تک بنے

انھیں اس نسخے کو آزمانے پر آمادہ کریں۔
پر اب یہ فاقہ کس دن کیا جائے تو بھئی جمعے کا دن اس کے لیے بہت مناسب ہے ویسے بھی یہ دن اچھا سمجھا جاتا ہے۔ پھر باپو کی شہادت بھی تو اسی دن ہوئی ہے۔
ہم اس دن فاقے کریں گے تو ادہر کے باپو ہمیں یاد آئیں گے، ان کی اچھی اور سچی باتیں یاد آئیں گی، ایسی باتیں جن پر چل کر ہم اچھے شہری اور شریف انسان بن سکتے ہیں۔
تمھیں اس سلسلے میں کچھ پوچھنا ہو تو ہم سے یا پھر اس پتے پر پوچھنا :-

JAGPARVESH. CHANDRA
CONSTITUTION HOUSE
NEW DELHI

بچّوں کی برادری

تقریری مقابلہ :-

۱۳ فروری کو سنیچر کے دن شام کے تین بجے بچّوں کا کلب باڑہ ہندو راؤ میں گاندھی ٹرانی کا تقریری مقابلہ ہوا۔ تقریریں اس عنوان پر ہوئیں :-

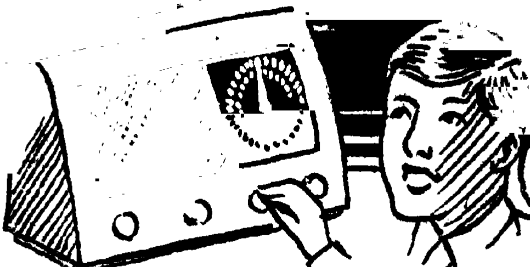
۱- ہم بچوں کو کھیلنے کی آزادی ملنی چاہیے
۲- اسکول کے کھیل ہمارے لئے مفید نہیں

تین جج فیصلے کے لئے مقرر کئے گئے تھے اور ان کا فیصلہ یہ ہے :-

۱- حفیظ الرحمٰن ممبر بچوں کا کلب فیاض گنج اوّل
۲- نرجس بانو " " بیری والا باغ دوم
۳- امیر زہرا " " " سوم

بچوں کے فیصلے کے مطابق ٹرانی بچوں کا کلب بیری والا باغ نے جیتی آخر میں برادری کی طرف سے مقرر بچّوں کو انعام تقسیم ہوئے۔

صفحہ ۳۷۳ پر بچّوں کی برادری کا فارم شائع کیا جاتا ہے جو پیامی اس میں شامل ہونا چاہیں اپنے فارم بھر کر بھیج دیں۔

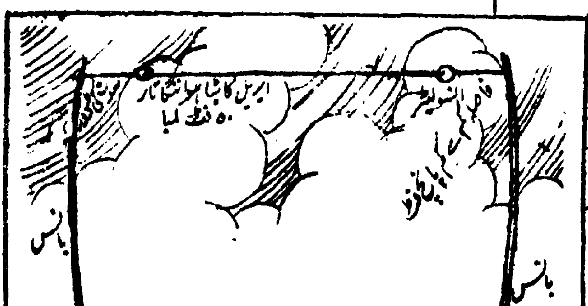


ریڈیو بنائیے

لیجئے یہ وہ مضمون ہے جس کا ہم نے آپ سے وعدہ کیا تھا یہ ہم نے جناب عبدالسمیع صاحب سے لکھوایا ہے۔ انھیں اس کام سے سچی لگن ہے برابر تجربے کرتے رہتے ہیں، اور ہر طرح کا ریڈیو بنا لیتے ہیں۔ جامعہ میں تو بچے، بڑے سبھی ان سے یہ کام سیکھتے ہیں، اور بہت سے لڑکوں میں واسع صاحب کی طرح سچ مچ بڑا شوق پیدا ہوگیا ہے۔ اِن مضمونوں کو بہت احتیاط سے رکھئے گا۔ بہت کام آئیں گے۔ (ایڈیٹر)

تم اپنے گھر میں، دکان پر یا ہوٹل میں روزانہ ریڈیو سنتے ہو، پکے گانے، کچے گانے، خبریں مضمون، ڈرامے اور نہ جانے کیا کیا۔ براڈکاسٹنگ اسٹیشن کے کمروں میں جو کچھ کہا یا گایا بجایا جاتا ہے ریڈیو کے ذریعے منٹوں، سیکنڈوں میں ہو بہو تم تک پہنچ جاتا ہے۔ کیسا سچا پیامی ہے۔

ایک ریڈیو وہ ہوتا ہے جسے کرسٹل سیٹ کہتے ہیں۔ یہ آواز نہیں نکالتا۔ کان میں بات کرتا ہے۔ اسی لئے ہیڈ فون کی ضرورت ہوتی ہے۔ تم میں سے بہت سے بچے اور بڑے تو یہ نت نئے ریڈیو سیٹ دیکھ کر حیران رہ جاتے ہوں گے کچھ بچے دل میں کہتے ہوں گے۔ نہ جانے اس ریڈیو سیٹ کے اندر



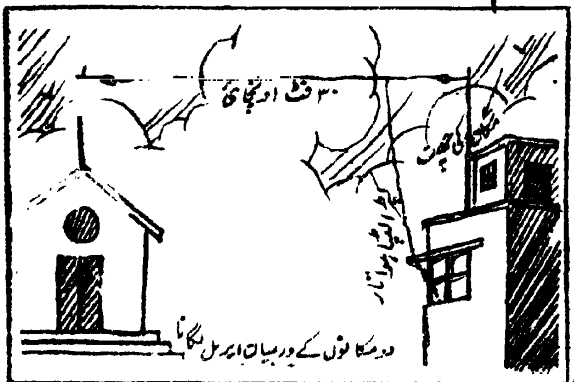
کیا چیز ہے جس سے ریڈیو بول رہا ہے ذرا دیکھئے۔ پر کچھ ایسے بھی ضرور ہوں گے جو اپنے دل میں ایسی چیزیں خود بنانے کا شوق رکھتے ہوں گے۔ یہ مضمون اِن سب کے لئے مفید

ہوگا۔ شوقین پیامیوں کو یہ ریڈیو بنانا سکھائے گا۔ دوسروں کے دل میں اُمنگ اور ولولہ پیدا کرے گا۔

اچھا پہلے بالکل شروع شروع کی باتیں سن لو۔ ریڈیو یا کرسٹل سیٹ[۱] سے صاف اور اُونچی آوازیں سُننے کے لئے ایریل کا تار قاعدے سے لگانا سب سے اہم اور ضروری ہے۔

ایریل، شمال مغربی گوشے سے جنوب مشرقی گوشے کی طرف لگانا چاہیے ہوا چلنے کی سمت یہی ہے۔ اس کی وجہ بھی سُن لو۔ آوازوں کو بجلی کے ذریعے ہوا میں پھینکا جاتا ہے۔ اس سے لہریں پیدا ہوتی ہیں۔ ایریل کا ان لہروں سے زیادہ سے زیادہ متاثر ہونا ضروری ہے۔

دیکھیے جب آپ تالاب میں پتھر پھینکتے ہیں تو کیسی لہریں پیدا ہوتی ہیں۔ بالکل اسی طرح ریڈیو اسٹیشن سے آوازیں پھینک کر ہوا میں تھرتھراہٹ پیدا کی جاتی ہے، اسی کو لہر یا وے وز (WAVES) کہتے ہیں اور جس طرح تالاب کی لہریں کوڑے، کرکٹ یا لکڑی وغیرہ سے ٹکراتی ہیں۔ ریڈیو اسٹیشن سے پھینکی ہوئی آوازوں کی لہریں ایریل سے ٹکراتی ہیں اور جب اس ایریل کو ریڈیو سیٹ سے جوڑ دیا جاتا ہے تو یہ آوازیں کھنچ کھنچ کر ریڈیو میں آجاتی ہیں اور آپ مزے سے طرح طرح کے گانے، قصّے، کہانیاں سنتے ہیں۔ تو بس سب سے پہلے ایریل کو قاعدے سے لگانا بہت ضروری ہے



دو مکانوں کے درمیان ایریل لگانا

ایریل قاعدے سے لگانے کے لئے یہ چیزیں فراہم کرلینی چاہئیں:- ایک تانبے کا کم سے کم ۳۰ اور زیادہ سے زیادہ پچاس فٹ کا تار باریک باریک تاروں سے بٹا ہوا۔ یہ بازار میں غالباً عہ کا سو فٹ ملتا ہے۔ دو دو چینی کے گُٹکے، انھیں انسولیٹر کہتے ہیں۔ یہ بازار میں ایک ایک آنے میں مل جاتے ہیں۔ یہ نہ ملیں تو لکڑی کے چار انچ لمبے ایک انچ چوڑے

۱؎ اسے ہیڈ فون بھی کہتے ہیں۔

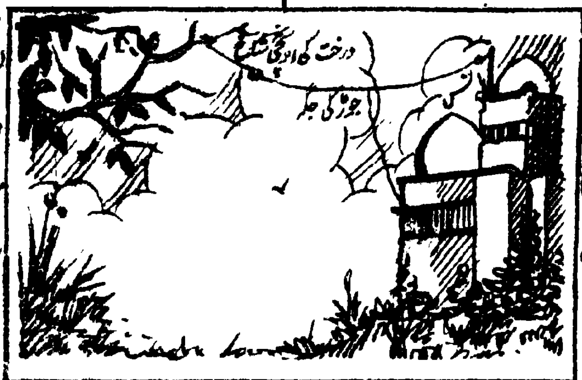
چوکور گٹکے بنائے جائیں، ان کے دونوں سروں پر آدھا آدھا انچ جگہ چھوڑ کر سوراخ کئے جائیں۔

(۳) سوت کی مضبوط ڈوری یا تار کے ٹکڑے کم سے کم پندرہ فٹ لمبے (یا جتنی ضرورت ہو)

(۴) بانس دو عدد،

ایریل چھت پر لگانا ہو تو اس کا انتظام، پیڑ پر باندھنا ہو تو اُس کا انتظام، میدان میں لگانا ہو تو اس کا انتظام، مکمل رکھا جائے۔ پھر اوپر جو قاعدہ بتایا گیا ہے اس کے مطابق باندھا جائے

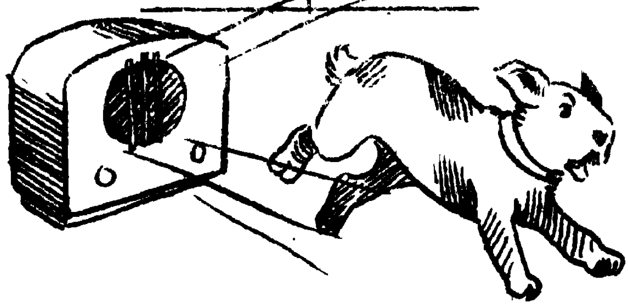
ایریل زمین سے کم سے کم ۳۰ فٹ اونچا ہونا چاہیئے۔ اس سے زیادہ یعنی پچاس فٹ اونچا ایریل بھی اچھا ہوتا ہے۔ ایریل کی لمبائی زیادہ سے زیادہ پچاس فٹ تک اچھی ہوتی ہے۔



گٹکے یا انسولیٹر اس طرح لگانا چاہئیں کہ مکان کی دیواروں سے آگے کو نکلتے ہوئے ہوں۔ ایریل کا تار ان دونوں گٹکوں کے بیچ میں ہوگا۔

پہلے چینی کے دونوں گٹکوں کے پہلے سوراخوں میں ایریل کا تار باندھ لیا جائے، اور آخری دونوں سوراخوں میں سوت کی ڈوریاں۔ یہ سوت کی ڈوریاں دونوں طرف بانسوں میں یا درخت کی شاخوں میں باندھ دی جائیں۔ ایریل انھی ڈوریوں کے ذریعے باندھا جائے گا۔

اگر ایریل کا تار یا وہ تار جو ایریل سے ریڈیو یا کرسٹل سیٹ میں آرہا ہے۔ چھت سے چھو جائے تو آواز اچھی نہ ہوگی اونچی ہوگی، بعض اوقات تو بالکل ہی نہ نکلے گی۔ (باقی آئندہ)



آزاد دیس کے بچّوں سے

عاشق دربھنگوی

یہ تم سے گذارش ہے اے نونہالو ‖ اٹھالو! اخوت کا پرچم اُٹھالو
عداوت کو اپنے دلوں سے نکالو ‖ تباہی سے اپنے وطن کو بچالو

نہ پھیلیں تعصب کے شعلے ہر اک سو
نہ چلنے دو تم پھوٹ، نفرت کا جادو

سروں سے فرنگی بلا ٹل گئی ہے ‖ خوشی ہے، وطن اپنا آزاد بھی ہے
مگر حال اپنا وہی ہے وہی ہے ‖ مصیبت میں اب تک نہ کچھ بھی کمی ہے

ہیں اب تک فضا میں غریبوں کی آہیں
نکلتی ہیں بھوکوں کے دل سے کراہیں

غریبوں کے دُکھ درد میں کام آؤ ‖ خدارا غریبی کی لعنت مٹاؤ
پریم اور محبت کا دریا بہاؤ ‖ سناؤ اخوت کے نغمے سناؤ

نہ دُکھ درد ہو۔ اور نہ آہ و فغاں ہو
نہ جنگ و جدل کا کہیں بھی نشاں ہو

وطن سے جہالت کا پردہ اُٹھا دو ‖ تعصب کی دیوار جڑ سے گرا دو
جفا و تشدد کی بنیاد ڈھا دو ‖ تباہی کے آثار یک سر مٹا دو

بدل ڈالو رنگ اس طرح آسماں کا
اثر کچھ نہ باقی رہے پھر خزاں کا

افریقہ کے بُش مین

جنوبی افریقہ میں ایک قوم بُش مین۔ یہ صحرائے کالا ہاری اور اُس کے آس پاس رہتی ہے۔ تحقیق سے یہ تو پتہ نہ چل سکا کہ یہ قوم کب سے آباد ہے۔ اتنا معلوم ہے کہ یہ یہاں کی پُرانی قوم ہے بہت پُرانی۔

پندرھویں صدی عیسوی میں ایک ہانٹناسی قوم 'ہُطین' نے اُن کا پیچھا کیا اور سولھویں صدی عیسوی میں شمال مشرقی افریقہ کے بنٹو حبشیوں نے اُنھیں یہاں سے نکال باہر کیا۔ بعد میں جنوب مغرب سے آنے والی یورپی قوموں نے بھی اُن کے ساتھ کچھ اچھا سلوک نہیں کیا۔

یہ بے چارے پستہ قد ہوتے ہیں، کچھ ہتھیار وغیرہ بھی نہیں رکھتے اِس لئے ہمیشہ دشمنوں سے شکست ہی کھاتے رہے۔ پھر ان کے ہاں بچوں خاص کر لڑکوں کا تربیت کا طریقہ بھی بہت سخت ہے۔ تم نے تاریخ میں پڑھا ہوگا کہ پُرانے زمانے میں یونان کے شہر اسپارٹا میں بچوں کی تربیت کا طریقہ بہت سخت تھا کچھ اسی طرح کی بات یہاں بھی تھی کمزور بچے شروع ہی میں مرجاتے تھے غرض یہی باتیں تھیں جن کی وجہ سے اُن کی تعداد گھٹ رہی تھی۔

ایک تیسری وجہ اور بھی تھی قحط یہ بھی ایک عرصے سے یہاں گویا وبائی صورت اِختیار کئے ہوئے ہے اِن کا چوتھا اور ایک طرح سے اُن کا سب سے بڑا دشمن ملیریا تھا۔ اس کی بدولت بھی اس قدیم کے لوگوں کی بے شمار جانیں ضائع ہوتی رہیں۔

خیز ملیریا کا انتظام کر دیا گیا ہے انھیں کُنین کے باقاعدہ استعمال کی ترغیب دی جاتی ہے اس لئے کہ ملیریا کے جتنے علاج ہیں اور جتنی دوائیں ہیں تجربے سے کُنین ان سب سے بہتر ثابت ہوئی ہے مجلس اقوام کے ملیریا کمیشن کے ماہرین بھی یہی رائے رکھتے ہیں - ان کا خیال ہے کہ ملیریا کے موسم میں بطور حفظ ما تقدم کے چار سو ملی گرام اور بطور علاج کے ۵، ۷ دن تک ایک سے ۱، ۲ گرام تک کھانا چاہیئے - کُنین نے ساری دُنیا میں غیر معمولی مقبولیت حاصل کرلی ہے اگرچہ بعض لوگ اب بھی اس پر اعتبار نہیں کرتے -

اس دوا نے اس قوم میں بھی ملیریا کی بہت روک تھام کی اور اب تو اس علاقے کی حکومت بھی اس قوم کے لوگوں کی طرف خاص توجہ رکھتی ہے ان پر اب کوئی ظلم اور زیادتی نہیں ہو سکتی - قحط کے نازک زمانے میں ان کے لئے باقاعدہ اناج کا انتظام کیا جاتا ہے -

---

کام ہو رہا ہے

ان پڑھ بڑوں کی پڑھائی لکھائی کا کام پیامیوں نے شروع کر دیا ہے اور بہت دلچسپی سے کر رہے ہیں - عزیزی ظہیر الدین (کلکتہ) نے تو بڑوں کے ساتھ بچوں کی دیکھ بھال شروع کر دی ہے -

کچھ پیامی ابھی امتحان کی تیاری میں لگے ہیں - جونہی، وہ اس سے فارغ ہوئے فوراً اس کام کو اپنے ہاتھ میں لے لیں گے -

پر ہم تو چاہتے ہیں - ہمارے سارے پیامی اس کام میں لگ جائیں پورے جوش سے جبھی یہ اہم کام پورا ہو سکتا ہے -



بڑے لڑکوں اور لڑکیوں کے مضمون

۲۶ر جنوری

رضیہ کاظمی جموں

فرنگی آئے بھی اور چلے بھی گئے۔ دیش کی بدحالی خوش حالی میں نہ بدل سکی۔ غربت، نفرت، جہالت یہاں کی تہذیب اور تمدن کا ایک جزو سا بن کر رہ گئی۔ غلامی کے اس دور نے یہاں کے بسنے والوں میں سے انسانیت کا آخری قطرہ تک چوس لیا تھا۔ اُن کا دل، دماغ، ذہنیت سب ہی کچھ غلام تھا۔ ترقی کی راہیں سوچنے سے ان کا سر چکرانے لگتا تھا۔ جو جہاں تھا جس حال میں تھا خوش تھا۔ آگے قدم اُٹھانے کی سکت نہ تھی۔ ہمارے ہند کے لئے یہ ایک ایسا بھیانک اور تاریک دور تھا جس نے اس کا نقشہ ہی بدل دیا۔ چند ہمت والوں نے جب اس تاریکی میں راہ ٹٹولنے کی کوشش بھی کی تو نہ معلوم کہاں سے کہاں بھٹک گئے۔ بعضوں سے اصلی راہ بھی گم ہو گئی۔ بہرکیف کسی کی محنت رائگاں نہیں جاتی۔ ان بھٹکے ہوؤں کی ان تھک کوشش نے اس گھنگور گھٹا کو بھی زیادہ دیر قائم نہ رکھا غلامی کے بادل پھٹ چکے ہیں۔ امن، صلح ترقی کی پہلی مگر غیر مبہم سی کرن پھوٹ رہی ہے۔ سونے والوں کے لئے جاگ اُٹھنے کا پیغام لے کر۔

۱۵ر اگست سنہ ۴۷ء ہماری تاریخ میں ایک اہم دن تھا۔ برسوں بعد جیون نے کروٹ لی تھی۔ دُنیا کا ہر ملک آزادی کے نعرے لگا رہا تھا جس کی گونج نے ہمارے دیش کے لوگوں کو جاگ اُٹھنے پر مجبور کر دیا۔ فرنگیوں نے راج کی باگ ڈور ہمارے ہاتھ میں دے دی تھی۔ ہم سب خوش تھے۔ بہت خوش۔ ان بچوں کی طرح جو عید کے موقع پر عیدی مل جانے پر خوش ہوا کرتے ہیں۔ مگر جیسا کہ بڑے بوڑھے کہتے آئے ہیں زیادہ ہنسنے کے بعد رونا پڑتا ہے۔ ہماری یہ خوشی بھی بہت جلد رنج میں بدل گئی۔ ہماری جہالت، ہماری نفرت رنگ لائی۔ اور ہم کو وہ خون کا رونا رونا پڑا جس کے آنسو سے آج ہر ہندوستانی کا دامن تر ہے۔ جن آنسوؤں کے دھبے ہمارے تاریخی ورقوں سے شاید کبھی نہ مٹ سکیں۔ اسی ہماہمی نے ہم سے ہمارے باپو کو بھی چھین لیا۔ ہم یتیم ہو گئے۔ وہی گھر جو کل تک خوشی کے شادیانے بجا رہا تھا، آج ماتم کر رہا تھا۔ مصیبت یہیں ختم نہیں ہوئی۔ وہ ملک جس نے دوسروں کو محبت کا

سبق سکھایا آج خود نفرت کی آگ میں جل رہا تھا۔ ملک کے دو حصے ہوئے۔ جو بھائی ہمیشہ سے ساتھ کھیلتے۔ ساتھ رہتے آئے تھے۔ آج ان کا سب کچھ الگ تھا۔ ایک کی مصیبت دیکھ کر دوسرا خوش ہوتا تھا۔ یہ ہوا اس آزادی کا نتیجہ جس کا سہانا خواب ہم نہ معلوم کب سے دیکھ رہے تھے۔ آزادی کی دیوی آئی تو مگر اس کے ہاتھ اس خون سے رنگے ہوئے تھے جو اس کا خیر مقدم کرتے ہوئے بہایا گیا ——— مگر خیر یہ سب بیتی باتیں ہیں۔ اُن کو یاد کر کے آنسو بہانے سے فائدہ؟ ——— جو کچھ ہو چکا ہے۔ اس کو بھول کر ہمیں آنے والے زمانے کے لئے تیار ہونا ہے ——— ۲۶ جنوری ۱۹۵۰ء ہمارے لئے ایک نیا پیغام لے کر آیا ہے۔ اس پیغام کا خیر مقدم ہم کو ٹھنڈے اور محبت سے سرشار دلوں سے کرنا ہے۔ قتل و غارت سے نہیں، گلے مل کر کرنا ہے۔ اس دن ہمارے دیش میں خود دیش کے بسنے والوں کا بنایا ہوا قانون جاری ہوگا۔ اس نئے آئین کی رو سے برسوں کے غلام دیش میں جمہوریت کا پرچم لہرائے گا۔ حکومت کی ذمے داری ان چند لوگوں پر نہ ہوگی جن کو آج ہم منسٹری کے نام سے پکارتے ہیں، بلکہ اس کا بھاری بوجھ ہر اس خوش نصیب کے کاندھوں پر ہوگا جس کو ہندوستانی ہونے کا حق ہے۔

ہمارے دیش کا یہ نیا آئین ان چند لوگوں نے بنایا ہے جو دیش کے بڑے سیاست داں کہلاتے ہیں۔ جو اسی زمین میں پیدا ہوئے، پلے اور بڑھے ہیں۔ اُن کو اس سرزمین کا ذرہ ذرہ پیارا ہے۔ وہ ہمارے دُکھ درد محسوس کرتے ہیں ——— مگر صرف آئین کے اچھا ہونے سے ملک ترقی نہیں کر سکتا ——— ملک کی ترقی کا دار و مدار اُن لوگوں پر ہے جن کے لئے یہ آئین بنایا گیا ہے۔ دیش کا ہر بسنے والا غریب یا امیر، جوان یا بوڑھا معصوم بچہ یا بڑا گیانی۔ دیش کی بہبودی اور اس کی اصلاح میں پورا پورا حصہ لے سکتا ہے۔ اور وہ ملک کی ہر حالت کا ذمے دار ہے چاہے وہ اچھی ہو یا بُری

اس بھونچال اس تبدیلی نے بچوں کی لامحدود دُنیا میں بھی ہل چل مچا دی ہے۔ یوں تو بچے دُنیا وی الجھنوں سے لاپرواہ نظر آتے ہیں۔ مگر اُن کے تخیل کی پرواز ایک لامتناہی بلندی تک جاتی ہے۔ یہ گڑبڑ۔ یہ آفت یہ قتل و غارت بھی دیکھ رہے تھے اور اُن کے معصوم دل۔ دماغ سب ہی تیز رفتار انجن کی طرح انجن کے دماغ کے ساتھ کام کر رہے تھے۔ پر وہ دیش کی اصلاح میں بہت اہم حصہ لے سکتے ہیں۔ بڑے بوڑھے اپنا زمانہ ختم کر چکے۔ یہ نیا آئین۔ یہ نیا زمانہ پکار پکار کر ان معصوم بچوں کو بلا رہا ہے۔ جگانے کی کوشش کر رہا ہے۔ جن کی زندگیاں مدرسے سے گھر اور گھر سے مدرسے ہی تک محدود ہیں ہاں انہی کو!

اس نئے آئین کو ابھی بچوں کو اپنانا ہے۔ کیوں نہ پھر ابھی سے بچے اس بات کا سبق سیکھ لیں کہ وہ ایک بڑے دیش میں رہتے ہیں جس میں ہر مذہب اور ہر ذات کا آدمی بستا ہے اور انھیں مختلف قسم کے لوگوں کے ساتھ رہ کر اس دیش کی اُنتی کے لئے کام کرنا ہے۔ ابھی سے اُن کے دل میں ملاپ اور محبت کا بیج بویا جائے تاکہ آگے چل کر پھل اور پھول سے دیش کی سیوا بڑھائیں۔ وہ کیوں نہ ابھی سے سمجھ لیں کہ اُن کا دیش بہت سی زنجیروں میں کیوں جکڑا ہوا ہے۔ دیش کی ڈبڈباتی آنکھیں اِن بچوں سے فریاد کر رہی ہیں۔ یہ جکڑے ہوئے ہاتھ انھیں کو بُلا رہے ہیں۔ انھی بچوں کو اپنے دیش کو جہالت، غربت اور نفرت کی آہنی زنجیروں سے آزاد کرنا ہے۔ ہر بچہ کیوں نہ یہ عہد کرے کہ وہ اپنی تعلیم اچھے پیمانے پر ختم کرے گا، جھوٹ، دغا، چوری کی بُری لتوں سے آزاد رہے گا۔ دیش کا سچا چاہنے والا، ایک بہادر ویر بنے گا۔ بڑا ہو کر اپنی ساری زندگی بھارت ماتا کی ترقی میں صرف کرے گا۔

آؤ —— سب مل کر —— اس نئے آنے والے دن کی خوشی میں —— یہ پیمان کریں —— اپنے کام میں دل لگائیں گے —— اچھے سبق کو کبھی نہ بھولیں گے —— خود پڑھ کر —— دیش کے غریب لاوارث بچوں کو تعلیم دیں گے۔ بڑے ہو کر اپنے قوی بازوؤں سے دیش کو بچائیں گے —— توڑ ڈالیں گے یہ سب زنجیریں —— ہم جتا دیں گے کہ بھارت کے لال ایسے ہوتے ہیں —— آؤ مل کر گائیں :—

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا
ہم بلبلیں ہیں اس کی وہ گلستاں ہمارا

غریبوں کا ملک، امیر ہندوستان

پریم پال اشک

دیوتا جس مُلک میں جنم لینے کو ترستے ہوں۔ چاند سورج جس کی بلائیں لیتے ہوں۔ دُنیا والے جس کو اپنا گرو مان کر عزت سے اپنا سر جُھکاتے ہوں۔ یہ ہے ہمارا ہندوستان ایک طرف سے ہمالہ کی چھایا میں اور تین طرف سے سمندر کی گود میں۔ نہ دشمن کا خوف نہ غنیم کا کھٹکا۔ اس کی گود میں چالیس کروڑ لال کھیلتے ہیں۔

مگر میں نے اسے غریبوں کا ملک، امیر ہندوستان کہا ہے! کیوں؟

ہاں یہ امیر ہندوستان ہے۔ باہر کے لوگ خاص کر انگریز لوگ یہاں سے کھربوں دولت لوٹ کر لے گئے ہیں، پھر یہاں کی زمین میں نہ جانے کیا کیا خزانے بھرے ہیں۔ کوئلہ ہے، لوہا ہے، ابرک ہے،

تیل ہے ، اور بہت سی دھاتیں ہیں۔ یہاں ہر طرح کا غلہ پیدا ہوتا ہے۔ قسم قسم کے پھل پیدا ہوتے ہیں اور بھی ہمارے ہاں علم کی دولت ہے۔ انسانیت کی دولت ہے۔ شرافت کی دولت ہے۔

شری کرشن ، شری رام چندر ، مہاتما بودھ ، گرو نانک ، معین الدین اجمیری ، تلسی داس ، مہاتما گاندھی ، مولانا آزاد ، ٹیگور ، اقبال ، غالب اسی دیس میں تو پیدا ہوئے ہیں۔ پھر بادشاہ جیسے اکبر۔

پھر بھی ہے یہ غریبوں کا ملک۔ غربت ، بھوک ، افلاس نے یہاں ڈیرا ڈالا ہے۔ پھوٹ کا یہ گھر ہے۔ بھائی چارا ختم ہو چکا۔ دولت دشمن لوٹ کر لے گئے ، ہمارے حصے میں چھوڑ گئے جھگڑا فساد۔ دو روٹی کی خاطر یہاں عزت بکتی ہے۔ چور بازاری ، بے ایمانی ، رشوت کا دور دورہ ہے۔ لوگ مذہب کا نام لے کر ایک دوسرے کا گلا گھونٹتے ہیں۔

ضرورت ہے کہ ہم سنبھلیں۔ پہلے ہم غلام تھے پر اب آزادی کا سورج نکل چکا ہے۔ اے میرے پیارے ہم وطنو ہمیں ہی آیندہ ہندوستان کا مستقبل سنبھالنا ہے۔ ہم ہی اس بھاگے دیس کی روح و رواں ہیں۔ ہمیں اپنے کو انھی چند سالوں میں بن کر کچھ دکھانا ہے۔ ہمیں اس دیس میں ایک انقلاب لانا ہے۔ ایسا انقلاب کہ دنیا والے کہہ اٹھیں۔

یہ ہے آزاد ہندوستان ، یہ ہے امیر ہندوستان !

مسکراہٹ

استاد :۔ لڑکی کی لڑکی کو کیا کہتے ہیں ؟

شاگرد :۔ نواسی

استاد :۔ ذرا گنتی تو کرو !

شاگرد :۔ اکاسی ، بیاسی ، تراسی ، چوراسی ، پچاسی چھیاسی ، ستاسی ، اٹھاسی ، نواسی

عبدالوہاب انصاری

ہسپورہ

جج :۔ ہاں تو اس آدمی نے تمھارے پہلا گھونسا مارا۔

مجرم :۔ جی ہاں حضور

جج :۔ پھر ؟

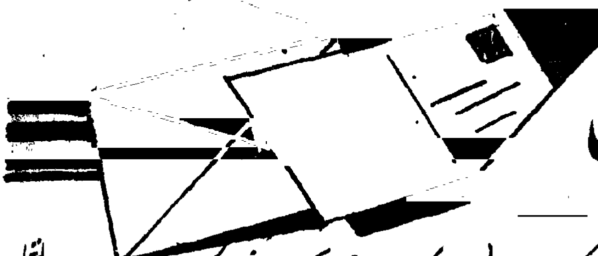
مجرم :۔ پھر اس نے میرے تیسرا گھونسا مارا

جج :۔ ایں ! تیسرا یا دوسرا ؟

مجرم :۔ دوسرا تو میں نے اس کے مارا تھا

(شاہد علی خاں افغانی جامعہ)

آدھی مُلاقات



جناب ایڈیٹر صاحب ، السّلام علیکم

میں نے کہانی کی کتاب کے بارے میں آپ سے مشورہ مانگا تھا، لیکن آپ نے کہا "اِس وقت تُم اس جھنجٹ میں نہ پھنسو۔ بہتر ہے اپنے آس پاس کے بچّوں کو پڑھاؤ۔ یہ مشورہ ہمیں بے حد پسند ہوا اور کتاب کا خیال ہم نے اپنے دماغ سے ہٹا ہی دیا ہے۔ میں یہ سچ کہتا ہوں کہ اسی دن سے اپنے پڑوس کے اَن پڑھ بچّوں کو جو کہ دن بھر گڈّی اور گولی کھیلتے رہتے ہیں، پڑھانا شروع کر دیا ہے۔ ہم اُنھیں پیامِ تعلیم اور دوسرے پرچوں کی اچھی اچھی کہانیاں سُناتے ہیں اور انھیں لالچ دیتے ہیں کہ تُم بھی اگر کچھ پڑھ لو تو یہ کہانیاں خود پڑھ سکوگے آج کل میرے محلّے میں بہت کم لڑکے ہیں جو گولی کھیلتے یا گڈّی اُڑاتے ہیں۔ خیر مُجھے آپ کا مشورہ بہت پسند آیا۔ اس کا لاکھ لاکھ شکریہ۔

ظہیر الدین احمد، کلکتہ

جناب ایڈیٹر صاحب ، مزاج مکرّم

پچھلا پرچہ دیکھا۔ بے حد پسند آیا۔ اب تو ہمارا پرچہ روز بروز اپنی دل کشی میں اضافہ ہی کر رہا ہے۔ پچھلے ہفتے ایک دوست سے پیامِ تعلیم کے کچھ پُرانے پرچے بھی مل گئے تھے جن میں کے اکثر مضامین بڑے مزیدار اور مفید پائے خصوصاً انگد مشتاق صاحب کی نظمیں تو بہت خوب ہیں کہ بار بار پڑھنے سے بھی جی نہیں بھرتا۔

نیّر صاحب آج کل کہاں ہیں۔ آیندہ پرچے میں اگر انگد مشتاق صاحب اور نیّر صاحب کا پتہ شائع کر دیں تو عنایت ہوگی ہمیں اپنے ان پسندیدہ شاعروں کے پتے معلوم کر کے خط و کتابت کرنے کی بڑی آرزو ہے۔

قربان احمد بھائی پٹیل پتورہ، گجرات

جناب ایڈیٹر صاحب ، السّلام علیکم

آپ کا وی پی ارسال کیا ہوا رسالہ پیامِ تعلیم دستیاب ہوا۔ مارے خوشی کے پھولے نہ سمایا دماغ کی رگ رگ میں خوشی لہرانے لگی۔ رسالے کی تعریف کرنا گویا سورج کو شمع دکھانا ہے۔ خداوندِ کریم سے دعا ہے کہ وہ اس رسالے کو ہمیشہ سورج کی طرح چمکتا رکھے چونکہ ہم جیسے تاریکی میں رہنے والوں کے لیے ایسے سورج کی از حد ضرورت ہے۔ اور ہونا چاہیے ۱۰

۴ کیوں ٹھیک ہے نا؟ عبد القادر دالوٹ

اِدھر اُدھر

پوربی افریقہ میں ہند سرکار کے کمشنر کے انفارمیشن افسر مسٹر شاہ نے پہلے ایشیائی ہیں جو کوہ کینیا کی ۰۰۰ ۱۵ فیٹ کی بلند چوٹی پر باوجود برفیلے طوفان کے چڑھ گئے۔

الٰہ آباد یونیورسٹی کی طرف سے ایک قدیم شہر کوسمبی میں قدیم یادگاروں کی جو کھوج لگائی جا رہی ہے وہ تقریباً مکمل ہونے والی ہے۔ یونیورسٹی کی پارٹی نے ایک خزانے کا پتہ لگا لیا ہے۔ جو موریہ خاندان کے بادشاہوں کی تاریخ پر روشنی ڈالے گا۔

ہندوستان کی آبادی سنہ۵۱ء کی مردم شماری کے مطابق ۳۳ کرور ۰، لاکھ تھی۔

کیمیا دانوں کی سوسائٹی کے صدر مسٹر سیرنا ہیورین نے بتایا کہ مویشیوں کے غدودوں سے نکالی ہوئی دوا "کورٹی سن" کا انجکشن انسان کو تقریباً ۲۰۰ سال تک زندہ رکھ سکتا

شاہد علی خاں۔ جامعہ نگر، دہلی

ہے۔ اور اس ایک انجکشن کی قیمت ۷۰۰ روپے ہے۔

اسکاٹ لینڈ میں ایک ایسا کتا ہے جو بالکل انسان کی طرح بات چیت کرتا ہے اور اس کا نام "بلیکی بوئے" ہے۔

سنہ۱۹۲۳ء میں جزیرہ ٹرینی ڈاڈ میں ایک عجیب و غریب عورت رہتی تھی۔ اس میں احساس کی قوت نہیں تھی۔ وہ جلتے ہوئے سرخ انگاروں پر چلتی تھی۔ مگر اس کے پاؤں نہیں جلتے تھے۔ یہاں تک کہ اس کے ہاتھ میں تمنچہ کی گولیاں داغی گئیں لیکن پھر بھی اس کو تکلیف نہیں ہوئی، اور اپنی زندگی میں وہ کبھی بیمار نہیں پڑی۔

سوراشٹر میں ایک بارات کا جلوس جا رہا تھا، اس کا دولھا سردی سے مرگیا اور بارات ماتمی جلوس میں تبدیل ہو گئی۔

رنگ بھرو





چین کی دیوار۔ ۲۲ سو برس پرانی اور ۱۶ سو میل لمبی۔ چلی گئی ہے جنگلوں میں اور پہاڑوں پر ہوتی ہوئی۔ پر اب یہ جگہ جگہ سے ٹوٹ پھوٹ گئی ہے۔ نئے چین کے دارالسلطنت پیکن سے تین سو میل۔ مشرق کی طرف سمندر اسے بہالے گیا ہے

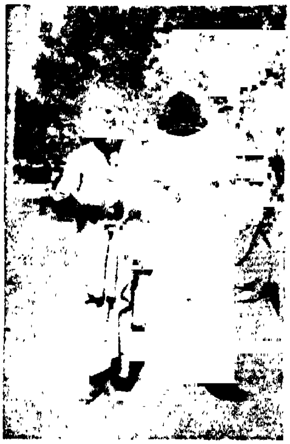
Regd. No. D. 441

"پیام تعلیم" مارچ سنہ ۱۹۵۰



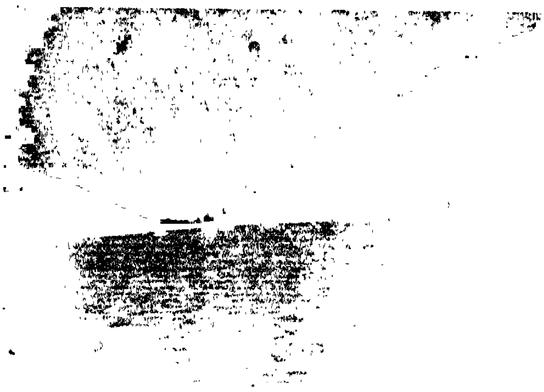
فرشتوں کی دنیا


پیام تعلیم



ناچ دکھا دے بیٹا ناچ دکھادے

(مرسلہ واحد یار خاں دہلی)

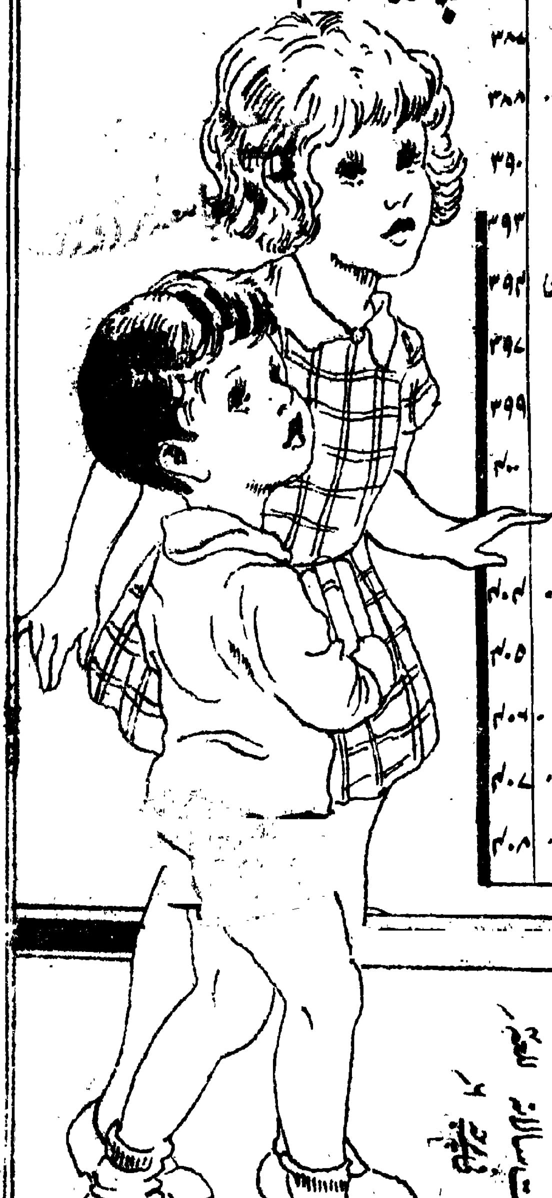


پہاڑوں میں جھیل - جھیل میں بادبانی کشتیاں

(مرسلہ عبدالصمد رائے بریلی)

پیامِ تعلیم

جامعہ نگر دہلی



جلد ۲۲	فہرست مضامین	نمبر ۱۳

چندہ سالانہ

فی پرچہ

مطبوعہ: جید پریس دلی

پرنٹر پبلشر: محمد حسین حسان

بچوں سے باتیں

(ایڈیٹر)

اس پرچے سے پیامی ایک بہت خوش گوار تبدیلی محسوس کریں گے، اُن کے پرچے کے کچھ صفحے ہندی کے لیے مخصوص کر دیے گئے ہیں۔

بہت دنوں سے پیامیوں کا اصرار تھا کہ کہ پیامِ تعلیم کے کچھ صفحے ہندی میں بھی ہونے چاہئیں خوشی کی بات ہے کہ اب اس کا انتظام ہو گیا ہے ہمارے اچھے ساتھی سندر لال گاندھی اس حصّے کو ترتیب دیں گے۔

ایک اور خوشی کی بات! محترمہ صالحہ عابد حسین صاحبہ اور جناب سندر لال گاندھی صاحب پیامِ تعلیم کی ادارت میں شریک ہو گئے ہیں۔ اب تمھارے پیامِ تعلیم میں نئی نئی چیزیں ہوں گی، جنھیں تم دل سے پسند کرو گے۔

پیامی چاہتے تھے کہ رسالے میں معمّا بھی ہوا کرے۔ ہم کوشش کر رہے ہیں کہ اگلے مہینے سے اس کا بھی انتظام ہو جائے۔

بچوں کے مضامین کے سلسلے میں پچھلے پرچے میں ہم نے ایک اعلان کیا تھا۔ مضمون جانچنے والوں نے سب مضمون جانچ لیے ہیں۔ اُن کی نظر میں خالد وہاب خاں رام پور کا نمبر اوّل ہے محسن حامد (مدرسہ ثانوی جامعہ) کا دوم۔

بچوں کی کوششوں کے سلسلے میں انور کمال (الہ آباد) کا مضمون سب سے اچھا سمجھا گیا۔ خالد وہاب خاں صاحب کو تمغہ (عطیہ نواب صابر قلی خاں صاحب، محمد گڑھ) اور دوسرے بچوں کو انعامی کتابیں بھیج دی جائیں گی۔

جگہ کی کمی کے سبب چند بہت اچھے مضمون چھپنے سے رہ گئے۔ "دولتی" "بڑے آدمیوں کا دیس" "سیلون"، "یہ چوہے" وغیرہ، یہ اگلے پرچے میں چھپیں گے۔

بچوں کی برادری دہلی شہر میں بہت مقبولیت حاصل کر رہی ہے۔ صرف دہلی ہی میں ڈھائی ہزار سے زیادہ ممبر بن چکے ہیں۔ ہر چھوٹا بڑا اس کام کو قدر کی نگاہوں سے دیکھتا ہے۔ اِس پرچے میں کہیں لڑکے کے سکریٹری کا خط چھپا ہے، اُسے ضرور پڑھنا۔

٭



علم و عمل

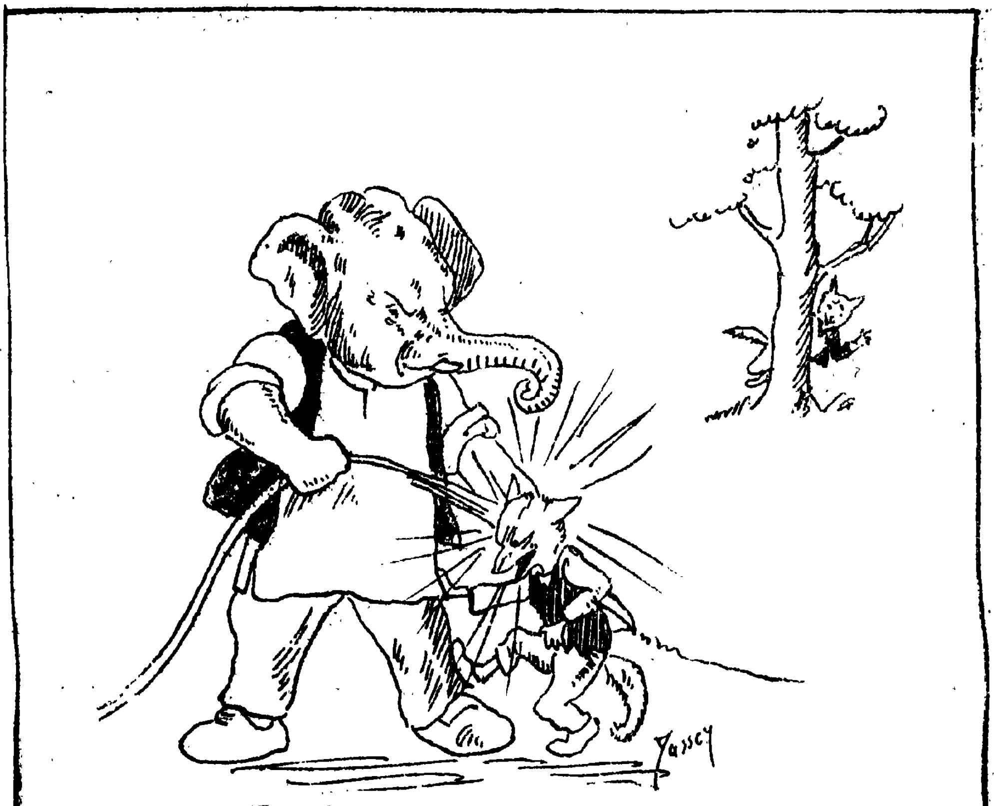
اخگر مشتاق

علم و عمل سے عقل میں آتی ہے پختگی
علم و عمل سے مؤثر بھی بنتی ہے زندگی
علم و عمل میں لگ گئیں جن کی طبیعتیں
حاصل ہوئیں انھی کو زمانے کی دولتیں
تعلیم یافتہ رہا دنیا میں کامیاب
اَن پڑھ تمام عمر رہا خانماں خراب
محنت کئے بغیر پسینے سے فائدہ؟
گمنام رہ کے دہر میں جینے سے فائدہ؟
ذاکر حسین، آچاریہ، نہرو، ابوالکلام
علم و عمل ہی سے ہیں زمانے میں نیک نام
تم بھی جو چاہتے ہو تمھارا بھی نام ہو
ان کی طرح تمھارا بھی اونچا مقام ہو
تم کو بھی ہے جو عزت و شہرت کی آرزو
تم کو بھی ہے عزیز جو "بھارت" کی آرزو
غفلت شعاریوں کو مٹاتے چلے چلو
علم و عمل کی شمع جلاتے چلے چلو

خوب مزا چکھایا

آج کل "غلہ زیادہ اُگاؤ" کا ہر جگہ چرچا ہے۔ اخباروں میں اِس طرح کے مضمون چھپتے ہیں

باڑی کرے، نہیں تو سارے مُلک میں بہت بڑا کال پڑ جائے گا۔"



خبریں چھپتی ہیں۔ چودھری ٹلّو اخبار پڑھنے کے بہت شوقین ہیں۔ ایک دن اُنھوں نے اخبار میں یہ خبر پڑھی۔
"دیس کے ہر باسی کو چاہیے کہ کھیتی

ٹلّو چودھری سوچ میں پڑ گئے "اُف وہ کال پڑ جائے گا!!! تو صاحب میں بھی کھیتی کروں گا۔ چوزے پالوں گا اور اِن کے لیے دانہ بوؤں گا۔"

دیس کی سرکار نے چودھری کو تھوڑی سی زمین دے دی۔ چودھری اپنے کام میں لگ گئے۔ خوب ڈٹ کر محنت کی۔

ایک دن بی لومڑی اُن کے کھیت کے پاس آئیں۔ بڑی زور سے ٹھٹھا مارا کہنے لگیں "ہم تو بھئی کام بھی نہیں کریں گے اور بھوکے بھی نہیں مریں گے۔"

یہ کہہ اور دبے دبے پاؤں باڑے میں گھس۔ کئی چوزے چٹ کر گئیں۔

کلو چودھری نے انھیں تاڑ لیا۔ پر ٹال گئے جیسے کچھ ہوا ہی نہیں، مگر رہے تاک میں۔

ایک دن چودھری اپنے کھیت کو پانی دے رہے تھے۔ اتنے میں بی لومڑی نظر آئیں اپنے بھائی کے ساتھ مزے میں ٹہل رہی تھیں چودھری اس وقت بہت مگن تھے۔ بی لومڑی کو دیکھتے ہی سلام کیا۔

بی لومڑی نے نلکو کو مزے میں دیکھا تو چپکے چپکے اپنے بھائی سے بولیں "مارے پیاس کے دم نکلا جا رہا ہے، اس سے ذرا سا پانی مانگتی ہوں،"

لومڑی:۔ بھیا چودھری سلام۔ اس وقت بڑی پیاس لگی ہے، تھوڑی سا پانی پی سکتی ہوں؟

چودھری:۔ ہاں ہاں ضرور، آؤ پیو۔

بی لومڑی نے منہ کھول دیا، اور بولیں "بھیا ذرا سنبھال کے، بہت قیمتی واسکٹ پہن کے آئی ہوں"

ارے! ارے!! یہ کیا۔ چودھری نلکو نے اس کی گردن پکڑ، نل کی ٹونٹی پوری اس پر چھوڑ دی۔ بے چاری پانی میں شرابور ہوگئی۔ بہت چیخی چلائی، ہائے توبہ مچائی، ہاتھ پیر مارے سب بے کار —— ادھر بھائی چلایا۔ "ارے لیجیو، دوڑیو، پکڑیو، مار ڈالا —"

ادھر چودھری کے ہونٹوں پر ہلکی، ہلکی مسکراہٹ تھی، پر ذرا ناگواری کے ساتھ۔

اب لومڑی نے رونا دھونا شروع کیا۔

"چودھری رحم کرو، خدا کے لئے رحم کرو۔"

چودھری نے نل ہٹا لیا پر گردن پکڑے رہا۔ "دیکھو بی لومڑی، ذرا ادھر دیکھو تم کام نہ کروگی تو کھانے کو بھی نہ ملے گا۔ اس دیس کا یہی دستور ہے۔"

"تم میرے چوزے کھانا چاہتی ہو تو پچاس چوہوں پر ایک چوزا۔ چوہوں نے میرے کھیت کا ناس کر دیا ہے۔"

بی لومڑی بہت زور سے چلائیں۔ "بہت اچھا چودھری میاں، بہت اچھا، ذرا دھیمی آواز میں) کیا چودھری آپ میرے لئے نئی واسکٹ خریدیں گے؟"

چودھری:۔ (رکھائی سے) جی نہیں، جی نہیں مجھ سے؟

آپ یہ اُمید نہ رکھیں۔

جامعہ سے امریکہ تک

پروفیسر محمد مجیب

نیویارک کے ہوائی اڈّے پر ابوالکلام صاحب انتظار کر رہے تھے۔ بہت دِنوں کے بعد انہیں میں سے ایک کی صوٗرت دکھائی دی تھی، اوٗر مجھے واقعی بڑی خوشی ہوئی، اُن سے معلوٗم ہوا کہ ڈیلیگیشن کے سکریٹری نے ایک آدمی مجھے لینے کے لئے بھیجا ہے جس وقت میں اڈّے سے باہر نِکلا تو وہ ٹیکسی لینے گیا ہوا تھا اوٗر اس کے آنے تک ابوالکلام صاحب سے خوٗب اِدھر ادھر کی باتیں ہوئیں۔ اُنھوں نے جامعہ اوٗر جامعہ والوں کا سارا حال پوٗچھا، اوٗر میں اُن سے اُن کا حال پوٗچھتا رہا۔ پھر ہم دونوں ٹیکسی میں بیٹھ کر اِسکس ہاؤس گئے۔ یہ نیویارک کے بہترین ہوٹلوں میں سے ہے اوٗر اِسی میں ہندوستانی ڈیلیگیشن کے لوگوں کے ٹھیرنے کا انتظام کیا گیا تھا۔ مجھے پانچویں منزل پر ایک کمرہ ملا تھا۔ وہاں میں اسباب بھی نہ رکھوا پایا تھا کہ مجھے اطلاع پہنچی کے مسز بی، این راؤ کے کمرے میں ڈیلیگیشن کے ممبروں کا جلسہ ہو رہا ہے، اوٗر مجھے فوراً آنا چاہیئے۔ میں ابوالکلام صاحب سے رخصت ہو کر وہاں گیا، کئی لوگوں سے ملاقات ہوئی جن کو میں پہلے ہی سے جانتا تھا۔ باقی سے میرا تعارف کرایا گیا۔ میزبان کے فرائض مسز بی، این راؤ کی چھوٹی بھاوج مسز شِوراؤ انجام دے رہی تھیں۔ اِن کو میں جانتا تھا، اِن سے چائے مانگ کر پی اس لئے کہ جلسے کی دعوت کے آثار معلوٗم ہو رہے تھے۔

جلسہ ختم ہو چکا تھا، مجھے اس کی کارروائی سُنائی گئی اوٗر یہ بتا دیا گیا کہ ڈیلیگیشن کے ممبر رات کا کھانا ایک ہندوستانی رسٹوران میں ہندوستانی سفیر مسز پنڈت کے ساتھ کھائیں گے۔ دعوتوں کا سِلسلہ جو آخر تک جاری رہا تھا اسی رات کے کھانے سے شروع ہوا کھانا اچھا نہیں تھا، اوٗر رسٹوران بھی صاف

نہیں تھا، لیکن شروع شروع میں طبیعت نکتہ چینی کی طرف مائل نہیں تھی اور ہر چیز میں مزا آتا تھا

نیویارک کا شہر قاعدے سے آباد کیا گیا ہے۔ سڑکیں سب سیدھی ہیں جو شمال سے جنوب کی طرف جاتی ہیں ایوینیو (AVINUE) کہلاتی ہیں مشرق سے مغرب کی طرف جانے والی اسٹریٹ (STREET) کہلاتی ہیں۔ پانچواں ایوینیو حد قرار دیا گیا ہے۔ شہر کا مشرقی حصہ اس کے مشرق میں ہے اور مغربی حصہ اس کے مغرب میں۔ اس وجہ سے لوگ کہتے ہیں کہ پتہ تلاش کرنا آسان ہے۔ مثلاً اگر کہا جائے ۵۷۶ سڑک نمبر ۵۷ مشرق (576, 57 th STREET) تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ مکان اس جگہ سے جہاں سڑک نمبر ۵۷ پانچویں ایوینیو کو کاٹتی ہے ۵۷۶ نمبر دور ہے۔ دیکھنے میں یہ حساب بہت آسان ہے لیکن جو نیا نیا نیویارک پہنچتا ہے اس کو خاصی دشواری پیش آتی ہے۔ ابوالکلام صاحب جب ملتے تو مجھ سے کہتے کہ نیویارک میں آدمی جہاں چاہے آسانی سے پہنچ سکتا ہے، لیکن اس کے باوجود مجھے اکیلے گھومنے کی ہمت نہیں ہوئی اور برابر ڈر لگتا رہا کہ راستہ بھول جاؤں گا اور کہیں سے کہیں پہنچ جاؤں گا۔ میرے ہوٹل کے سامنے نیویارک کا بڑا مشہور پارک تھا، اس کو میں دیکھا کرتا تھا لیکن اس کے اندر جانے کی ہمت نہ ہوئی اس لئے کہ سڑکیں بہت پیچیدہ تھیں اور مجھے ڈر تھا کہ اس کے اندر کھو گیا تو پھر باہر نہ نکل سکوں گا۔ گم ہو جانے سے بھی زیادہ خطرہ اس کا تھا کہ کسی موٹر کے نیچے کچل جاؤں گا، اس لئے کہ نیویارک میں موٹروں کی کوئی انتہا نہیں ہے اور لوگ موٹروں کو خوب تیز بھگاتے بھی ہیں۔ ابوالکلام صاحب نے سمجھایا کہ موٹروں کے لئے بھی قاعدے ہیں مثلاً چوراہے پر جس طرف سبز روشنی ہو ادھر موٹر جا سکتے ہیں اور جدھر سرخ ہو نہیں جا سکتے ہیں۔ یہ روشنی دو دو منٹ کے بعد بدلتی رہتی ہے۔ اگر کسی طرف سرخ روشنی ہو جائے تو موٹر چوراہے تک آکر ایک خاص جگہ پر رک جاتے ہیں اور اس کے آگے نہیں جاتے۔ پیدل جانے والے سڑکیں چوراہوں پر پار کرتے ہیں۔ جس طرف روشنی تیز ہوتی ہو اس طرف سڑکیں پار نہیں کرتے اور جیسے ہی روشنی بدل کر سرخ ہو جاتی ہے وہ بے دھڑک چل پڑتے ہیں چاہے موٹریں تیزی کے ساتھ آتی ہوئی نظر آ رہی ہوں۔ ابوالکلام صاحب نے جو کچھ بتایا تھا، وہ سب ٹھیک تھا۔ پھر بھی یہ معلوم ہوتا تھا کہ آدمی جان پر کھیل کر ہی سڑک پار کرتا ہے۔ پہلے دنوں میں

مٹھو نے ایک دو دفعہ روشنی کا خیال نہ رکھا اور موٹروں سے ٹکراتے ٹکراتے بچا، اسی سے کچھ ہمت بڑھی، اور خیال ہوا کہ قاعدے کی پابندی کی تو سڑک پار کر لوں گا اور جان بھی سلامت رہے گی۔

لیکن پہلے دو تین ہفتے تو ان عمارتوں کا جغرافیہ سمجھنے میں لگے، جہاں متحدہ اقوام کی مجلس اور اس کی کمیٹیوں کے جلسے ہوتے تھے۔ نیویارک کی باری بعد میں آئی

(باقی آئندہ)

بچوں کی برادری

برادری کے ممبر:-

(۱) شبیر احمد رضوی ہسپورہ، گیا
(۲) عرفان اللہ خاں، رام پور
(۳) سید صابر علی، پونا
(۴) منصور علی خاں، کیلاش پور

میرے پیامی دوستو!

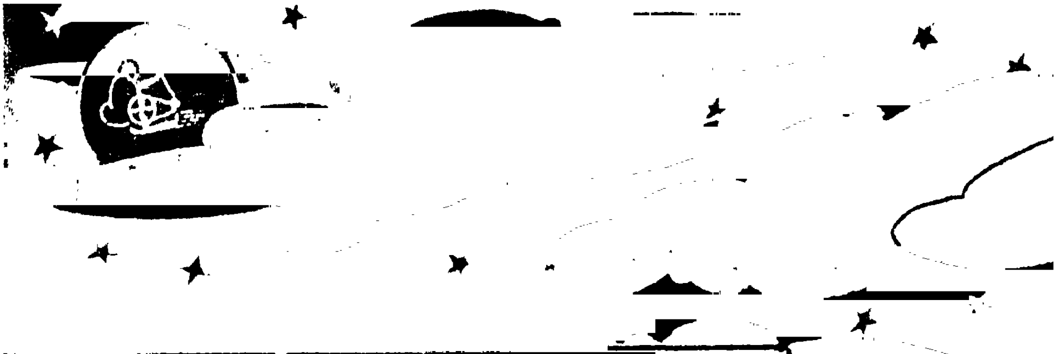
جے ہند!

بچوں کی برادری اس آزاد دیس میں آزاد بچوں کی برادری ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ بچے مل کر ایک ایسی برادری بنائیں جو ہمارے دیس کا نام دنیا میں اونچا کرے۔

ہر بچے کو اس کا ممبر بننا چاہیے، تاکہ یہ کام ہم سب کے لیے آسان ہو جائے۔ برادری کے قاعدے قانون اور بلا حاصل کرنے کے لئے بچوں کی برادری کی سنٹرل کمیٹی کے دفتر سے خط کتابت کیجیے، اور جلد سے جلد ہمارے ساتھی بن جائیے

آپ کا ساتھی
کرشن لال ورما، جنرل سکریٹری، بچوں کی برادری

خط کتابت اس پتے پر ہوگی:-
دفتر:- سنٹرل کمیٹی۔ بچوں کی برادری
بیری والا باغ، دہلی



چندا ماموں

حمد اٹاوی، علی گڑھ



آہاہا ! چندا ماموں — چندا ماموں چندا ماموں
کتنا اچھا کتنا پیارا — جیسے ہو سونے کا تارا
جھانکے چھپ چھپ کر بدلی سے — نکلے رک رک کر بدلی سے
چم چم چم چم چمکے ایسے — سونے کا اک پھول ہو جیسے
دیکھو تو پر نور ہے کتنا — کیسے پکڑوں دور ہے کتنا
بدلی پیچھے بادل آگے — بھاگے ٹھہرے ٹھہرے بھاگے
بیچ میں تاروں کے ہے ایسے — تاروں کا راجہ ہو جیسے
وہ دیکھو اک اس میں بڑھیا — جیسے ننھی منھی گڑیا
بیٹھی کات رہی ہے چرخا — چاند کی کرنیں سوت ہے اس کا
کون بنانے والا اس کا — یوں چمکانے والا اس کا

کتنا حکمت والا ہوگا
جس نے اس کو ڈھالا ہوگا

چلبلا سِیل

(۵)

پروفیسر قیصر حسین زیدی ، علی گڑھ

سلج اب کافی قریب آگئی تھی۔ کوئی ڈیڑھ سو گز کا فاصلہ رہ گیا ہوگا۔ اسے پیچھے سلج ایک دم رُکی اور اس میں سے وہ دونوں آدمی کود پڑے۔ آدمی کیا اچھے خلصے بھالو۔ سر سے پیر تک سفید۔ بھالو کی روئیں دار کھال میں لپٹے ہوئے۔ اسی کا ٹوپا اسی کا کوٹ اسی کی برجس۔ ہاں دستانے اور لمبا کوٹ سیل کی کھال کے۔ اُن کے چہرے بھی عجیب۔ زرد زرد بھاری بھاری جیسے پھولے ہوئے، آنکھیں چپٹی، ناک چھوٹی۔ ذرا ٹھنگنے ٹھنگنے۔

سیل تو انھیں فوراً پہچان گئے۔ یہ اُن کے بیری۔ اسی دیس کے باسی اسکیمو تھے۔ انھیں دیکھتے ہی چلبلے کے ساتھیوں نے پانی میں غوطہ لگایا، اور برف کے اندر اپنے اپنے ٹھکانوں میں جا چھپے۔ پر چلبلا ذرا جیوٹ تھا گھبرایا نہیں۔ بڑی پھرتی سے برف کے ایک بڑے تودے کی آڑ میں کھسک گیا اور وہاں سے دیکھتا رہا کہ یہ آنے والے کیا کرتے ہیں۔

اسکیموؤں نے اُتنے ہی سلج میں جُتے ہوئے کتوں میں سے ایک کو کھول دیا۔ یہ فوراً برف کے قریب ناک کرکے سونگھنے اور تیزی سے برف پر دوڑنے لگا، پھر ایک دم برف میں بنے ہوئے ایک سوراخ کے کنارے آکر رُک گیا، دونوں شکاری بھی اُس کے پیچھے پیچھے پہنچے اور سینے کے بل برف پر لیٹ گئے۔ کچھ دیر تو یونہی ہاتھ پیر ہلائے بغیر سوراخ پر نظریں جمائے رہے۔

ایکا ایکی ایک اسکیمو کا ہاتھ اوپر اُٹھا اور اُس نے بجلی کی سی تیزی سے اپنے برچھا پوری طاقت سے زمین میں دے مارا۔ ساتھ ہی خوشی کا ایک نعرہ لگایا۔ پھر تیزی سے دونوں آدمیوں نے مل کر برچھے سے بندھی ہوئی مضبوط رسی کو کھینچنا شروع کیا۔ منٹوں، سیکنڈوں میں اُنھوں نے ایک موٹے سیل کو سوراخ سے

باہر نکال لیا۔ برچھا اِس غریب کے آر پار ہو گیا دونوں شکاری اس پر ٹوٹ پڑے۔ اُس کے زخموں سے مُنہ لگا کر خون پینے لگے۔ خوب سیر ہو گئے تو سیل کو کاٹنے اور اُس کی کھال اُتارنے لگے۔ گوشت کے بڑے بڑے چھ سات ٹکڑے تھیلوں میں بھر لیے۔ کھال دری کی طرح لپیٹ کر کاندھے پر ڈال لی اور دونوں خوش خوش گاتے اپنے سلیج کی طرف چلے۔ یہ گانا بھی عجیب ہے۔ تم بھی سنو۔

یہ سیل ہے یہ سیل ہے
ہم سب کے مَن کی حکمراں
ہم بھوک سے مرتے ہیں جب
اور ٹھنڈ سے جاتی ہے جاں
خون اس کا بخشتا ہے
زندگی ہم کو اُس آن
گوشت چربی کھا کے اس کی
رہتے ہیں ہر دم جواں
جس اسی کا گاتے ہیں ہم
فیض ہے اس کا رواں
یہ سیل ہے یہ سیل ہے
ہم سب کے من کی حکمراں
یہ سیل ہے یہ سیل ہے
لاکھوں ہیں اس کی خوبیاں
تیل سے جلتا ہے اس کے
برف کے گھر کا دیا
کھانا پکتا جس سے ہے
اور گرم رہتی ہے ہوا
کپڑے ٹوپی اور جوتا
کھال سے اُس کی بنا
اور کھال ہی سے ناؤ کے
ڈھانچے کو ہم نے ہے ڈھکا
یہ سیل ہے یہ سیل ہے
ہم سب کے من کی حکمراں

ادھر اسکیمو تو خوشی کے راگ الاپ رہے تھے۔ اِدھر چلبلے کا رنج اور ڈر سے بُرا حال تھا۔ ہائے اس کا پیارا بھائی کس بے دردی سے اس کے سامنے مارا گیا۔

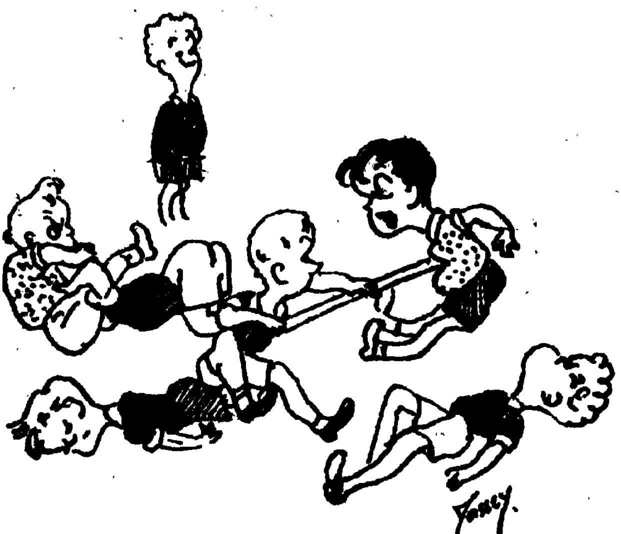
یہ اسکیمو دور چلے گئے تو اس کے مُنہ سے ایک چیخ نکلی۔ اسے سُن کر سارے سیل سہم گئے، اور گھنٹوں اپنے برف کے ٹھکانوں میں چھپے بیٹھے رہے۔ خوش قسمتی سے اس وقت آسمان پر گہرا کُہر چھا گیا اور باقی سارے ننھے سیل اپنے دشمنوں کے برچھوں سے بچے رہے۔

اسی زمانے میں ذرا ذرا آگے پیچھے چالیس اور بچوں نے اسی خاندان میں جنم لیا۔ اُن کی

ماؤں نے جلدی جلدی اپنے برف کے ٹھکانوں کو کھرچ کھرچ کر چوڑا کر لیا کہ بچوں کے لئے بھی رہنے کو جگہ ہو جائے۔

اب رات چھوٹی ہونے لگی تھی۔ سورج پہلے چند گھنٹوں کے لئے دکھائی دیتا تھا اب گھنٹوں آسمان پر چمکتا رہتا۔ دھوپ میں بھی ذرا تیزی آگئی تھی اس کی گرمی سے برف پگھلنے لگی۔ جگہ جگہ اس میں درزیں پڑ گئیں۔ ایک دن مچھلیوں نے برف میں بڑے زور کا دھماکا سا سُنا۔ برف میں ایک لمبی سی زبان جو دُور تک سمندر کے اوپر پھیلی ہوئی تھی ٹوٹ کر دھڑام سے سمندر میں ڈوب گئی سمندر کا پانی بلیوں اچھل گیا۔ لہروں کا ایک طوفان اُٹھ کھڑا ہوا۔ تھی بھی تو ایک اچھی بڑی چٹان! تبھی تو ایسا زبردست دھماکا ہوا سیل بچے سہم گئے۔ جب اُنھیں اُن کی ماؤں نے سمجھایا کہ یہ کوئی خطرے کی بات نہیں تو اُن کا ڈر کچھ کم ہوا۔

(باقی آیندہ)



آؤ لڑائی لڑائی کھیلیں۔ آج کل اِسی کھیل کا رواج چل پڑا ہے۔

ہائیڈروجن بم

محمد امین ایم اے
اُستاد مدرسہ ثانوی

تم نے ایٹم بم کا نام تو ضرور سُنا ہوگا۔ کچھ دنوں پہلے یہ دنیا کا سب سے خطرناک بم سمجھا جاتا تھا۔ پچھلی بڑی لڑائی (۲) میں یہی ایٹم بم امریکہ نے جاپان کے دو شہروں پر گرائے تھے اور صرف ہیروشیما میں کہتے ہیں ایک لاکھ آدمی مرے تھے اور اسی ہزار زخمی ہوئے تھے

شروع شروع میں امریکہ اس بات پر بہت خوش تھا کہ ایٹم بم بنانے کا بھید بس وہی جانتا ہے بس اسی اکڑ میں وہ روس کو خاطر میں نہیں لاتا تھا، اور ہر وقت اُسے دھمکیاں دیتا رہتا تھا

پر ایک دن ساری دنیا میں ایک سنسنی خیز خبر گرم ہوگئی ــــ روس کے پاس بھی ایٹم بم ہے۔ اب تو امریکہ کی پیروں تلے کی زمین کھسکنے لگی۔ یہ بھی پتہ چلا کہ روس کا ایٹم بم اتنا طاقت ور ہے کہ بڑے بڑے پہاڑوں منٹوں سیکنڈوں میں پیس کر سُرمہ بنا دیتا ہے۔ اب تو امریکہ کو بڑی پریشانی ہوئی سب سے بڑا خطرہ تو یہ تھا کہ اس کا سب سے بڑا شہر نیو یارک جہاں دُنیا کی سب سے اونچی عمارتیں ہیں۔ اسی اسی اور سو سو منزل والی۔ منٹوں میں تباہ ہو جائیں گی۔

روسیوں نے جب یہ دیکھا کہ امریکی بہت ڈرے ہوئے ہیں تو اس نے ایمانداری اور سچائی سے فوراً اعلان کیا کہ ایٹم بم کی تیاری کا مقصد تیسری بڑی لڑائی کی تیاری نہیں ہے۔ ہم تو اس کے ذریعے صنعت و حرفت کی ترقی۔ کھیتی باڑی کی سہولت اور بنجر اور پہاڑی زمینوں کو زرخیز بنانا چاہتے ہیں۔

روس کے وزیر خارجہ نے اپنے ایک بیان میں کہا کہ "ہم ایٹم بم کی مدد سے بڑے بڑے پہاڑوں کو مسمار کر رہے ہیں، اور سائبیریا کے دریاؤں کا رُخ موڑ کر بنجر علاقے کو زرخیز بنا رہے ہیں"

بھلا امریکہ روس کی نیک نیتی پر کیسے بھروسا کرتا خاص کر آج کل کے حالات میں

اس لیئے امریکہ کو جوں ہی پتہ لگا کہ روس ایٹم بم کا بھید جان گیا ہے ۔ اس نے اپنی ساری طاقت اس سے زیادہ خطرناک بم بنانے پر صرف کردی۔ امریکہ کے صدر ٹرومین نے بھی اعلان کردیا کہ اب ہم ہائیڈروجن بم بنائیں گے جو ایٹم بم سے ہزار گنا خطرناک ہوگا۔ ایسا خطرناک کہ جہاں کہیں بھی اُسے گرایا جائے گا۔ سو میل کا رقبہ بالکل جہنم بن جائے گا۔

صدر ٹرومین کے اعلان کے بعد ایشیا یوُرپ اوُر دوُسرے ملکوں کے اخباروں میں فوراً قیاس آرائیاں شروُع ہوگئیں۔ کہتے ہیں ہائیڈروجن بم کے بنانے میں وُہی اصوُل اختیار کیئے گئے ہیں جن کے تحت سوُرج کی گرمی زمین تک پہنچتی ہے۔ آپ یہ سمجھیئے کہ جو حالت سوُرج کے سوا نیزے زمین کے پاس آجانے سے ہوگی وہی اس بم کے پھٹنے سے ہوگی۔ بالکل قیامت آجائے گی۔ اوُر سنیئے ہیروشیما میں جو ایٹم بم پھٹا تھا تو وہ ایک آدھ منٹ کی بات تھی اوُر یہ ہے سات گھنٹے کا معاملہ یعنی سات گھنٹے تک اس کی تباہی برابر جاری رہے گی۔

بہت سے لوگوں کا خیال ہے امریکہ ہائیڈروجن بم بھی بنا چکا ہے۔ اس کا تجربہ بھی کر چکا ہے۔ اوُر صاحب اس کے بنانے میں جہاں تک لاگت کا سوال ہے۔ امریکہ کو اس کی کیا فکر۔ دُنیا میں سب سے مالدار ملک اس وقت وُہی ہے۔

مگر ایک بات نے امریکہ والوں کو اُلجھن میں ڈال رکھا ہے۔ اُن کا خیال ہے کہ جب یہ بم ایٹم بم سے ہزار گنا طاقت رکھتا ہے تو ہوگا بھی بہت ہی بڑا۔ ہوائی جہاز میں کیسے سمائے گا۔ دوُسرے اس کا اثر لمبائی چوڑائی میں جتنا ہوگا، اوُنچائی پر بھی اتنا ہی ہوگا۔ پھر تو اسے گرانے والا ہوائی جہاز بھی اس کی زد میں آجائے گا۔

ہائیڈروجن بم کی خبر سے امریکہ والے اب بہت مطمئن ہیں اور سمجھتے ہیں کہ روس سے چھڑ گئی تو اسے چت کر دیں گے۔

مگر بھئی روُس کب کسی سے دبنے والا ہے، جرمنی کے ایک سائنس داں نے اعلان کیا ہے کہ روُس بہت پہلے سے امریکہ کے ہائیڈروجن بم سے کہیں زیادہ خطرناک بم بنا چکا ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ امریکہ اس کا توڑ کیسے کرتا ہے۔ ہمارے آپ کے نزدیک سب سے اچھی بات تو یہ ہوگی کہ دونوں آپس میں سمجھوتہ کرلیں اوُر یہ معاہدہ کرلیں کہ آپس میں لڑائی ہوئی بھی تو وہ یہ خطرناک بم استعمال نہیں کریں گے۔



اس میں رنگ بھی بھرو۔



کھیل کی خبریں

ابھی چند دن ہوئے مدرسہ ابتدائی کی طرف جانا ہوا ۔ وہاں دفتر کے پاس ایک بڑا سا بورڈ دیکھا ، بچّوں کے اخبار کا ۔ اس میں یہ خبریں لکھی تھیں ۔ ہم نے تمھاری دلچسپی کے لئے انھیں نقل کرلیا ، اور اب شائع کر رہے ہیں ۔

یہ اخبار مدرسہ ابتدائی کے نگراں سید حسن صاحب بی اے جامعہ کی نگرانی میں مرتب ہوتا ہے ۔ سید حسن صاحب نے بچّوں میں ورزش اور کھیلوں خصوصاً کرکٹ سے خاص دلچسپی پیدا کر دی ہے ۔ اور اس اعتبار سے وہ کامیاب استاد ہیں ۔

خوش ہوئیے ، اور جی بھر کر خوش ہوئیے آج دیس نے پھر کرکٹ کی تاریخ میں ربر جیتا ہے .... بہت بڑی بات ہے .... اور یہ سال ! کتنا مبارک ہے ۔ اس کے شروع ہوتے ہی اپنے ملک کی قسمت جاگ اُٹھی ۔ کامیابی کے زینے کھل گئے ...... ذرا غور تو کیجیے .... ٹاس کا مسلسل دس مرتبہ ہارنے کے بعد جیتنا .... تیسرے ٹسٹ کی کامیابی .... پانچویں ٹسٹ کی جیت .... یہ سب اسی ۱۹۵۲ء کی تو برکتیں ہیں ۔ خدا کرے آگے چل کر اس سے بھی بڑھ کر خوشیاں اور کامیابیاں ہمیں نصیب ہوں .... اور ہاں ! کتنے قابلِ مبارک باد ہیں ہمارے کھلاڑی اور کپتان وجے ہزارے جن کی کوششوں سے آج دیس نے یہ عزّت حاصل کی ہے اور ہم کرکٹ کی دُنیا میں سر اونچا کرنے کے قابل ہوئے ہیں ۔ اس موقع پر وجے ہزارے کی تو ہم جس قدر بھی تعریف کریں ، حق ادا نہ ہوگا ۔ سچ تو یہ ہے کہ آج ہمیں جو اتنی شاندار کامیابی نصیب ہوئی اس میں اُن کے اچھے کھیل کے ساتھ ساتھ کپتانی کو بہت بڑا دخل ہے ۔ انھوں نے صحیح معنوں میں ایک اچھے اور ہوشیار سردار کی طرح اپنے کھلاڑیوں کی فوج کی رہنمائی کی ، اُن کی صلاحیتوں

اور کھیل سے زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کیا نازک سے نازک وقت پر بھی ہمت نہ ہاری اور ایک سچے کھلاڑی کی شان سے آخر وقت تک مقابلے کو بہتر سے بہتر بنانے کی کوشش کی۔ آپ یقین جانیے! ہمارا یہ کپتان کرکٹ کی دُنیا میں صفِ اول کا مالک ہے اور ہمیشہ ہمیشہ زندہ رہے گا۔

ہاں تو پانچواں ٹسٹ ختم ہو چکا ہے۔ یہ ہمارے ہاتھوں رہا۔ کھیل کی تفصیل یہ ہے:۔

کامن ویلتھ :۔

پہلی اننگ	۳۲۴	رن
دوسری	۲۴۷	”
میزان	۵۷۱	”

ہندوستان :۔

پہلی اننگ	۳۱۳	”
دوسری	۲۶۱	” اور ۷ آؤٹ
میزان	۵۷۴	

یعنی اپنا دیس ۳ وکٹ اور دو رن سے جیت گیا۔ مبارک ہو مبارک اس ٹسٹ میچ میں کامن ویلتھ کے کھلاڑی ایلے اور ہندوستان کے جوشی کی فیلڈنگ سب سے اچھی سمجھی گئی اور اس پر ان دونوں کو ۵۰۰، ۵۰۰ روپے انعام کے طور پر پیش کیے گئے۔ ایلے نے یہ روپے ہندوستان کے ایک مشہور کھلاڑی منڈے کر مرحوم کی بیوی کو دے دیے۔ دیکھا آپ نے! اچھا کھلاڑی دوست اور ہمدرد بھی ہوتا ہے۔ دوسروں کی مدد کے لیے ہر وقت تیار رہتا ہے کھیل کھیل ہے۔ اسے کھیل کی خاطر کھیلتا ہے۔

آخری ٹسٹ میچ کے اختتام پر کھلاڑیوں کو ذیل کے تحفے بھی بطورِ یادگار پیش کیے گئے:۔

چاندی کا کپ۔ ہر ٹیم کے سب سے زیادہ رن بنانے پر "فرینکی دورل" اور "وجے ہزارے" کو۔

چاندی کی کرکٹ گیند۔ ہر ٹیم کے سب سے اچھے بالر "پھڈکر" اور "ٹرائب" کو

ایک ایک فاؤنٹن پن۔ دونوں ٹیموں کے ہر کھلاڑی کو ✽



بڑے لڑکوں کے مضامین

جامعہ میں میرا داخلہ

ست پال ثانوی دوم ۔ جامعہ نگر

شاید آپ میں سے بہت سے لوگ یہ نہ جانتے ہوں کہ میں پرانے قلعے سے جامعہ ملیہ میں تعلیم حاصل کرنے آیا تھا ۔ جب میرے والد صاحب نے مجھ سے کہا کہ "ہم تمھیں جامعہ میں داخل کرائیں گے"، تو میں نے کہا "جامعہ کیا چیز ہے ؟" انھوں نے کہا " جامعہ ملیہ اسلامیہ ایک اسکول ہے ، جو اوکھلا نہر کے نزدیک ہے ۔ وہاں داخل کراؤں گا" جب میں نے اسلامیہ سنا تو حیران ہو گیا ۔ جب میں نے سوچا کہ میرے والد صاحب مجھے جامعہ ملیہ میں داخل کرا رہے ہیں تو ضروری بات ہے کہ وہاں کچھ خوبیاں بھی ہوں گی ۔ جب میرے والد صاحب نے مجھے کچھ غمگین دیکھا تو انھوں نے جامعہ کے کچھ بزرگوں کے حالات سنائے ۔ مجھے یہ سن کر تسلی ہو گئی ، لیکن پوری طرح نہیں ، جب میرے قلعے کے دوستوں کو معلوم ہوا کہ میں ایک اسکول میں داخل ہونے کے لئے جا رہا ہوں ، تو انھوں نے پوچھنا شروع کیا "کہاں جا رہے ہو ، کس اسکول میں داخلے کا ارادہ ہے ؟" اس طرح وہ مجھ سے ہر روز طرح طرح کے سوال کرتے رہے ۔ انھوں نے جب بہت ضد کی تو میں نے بتا دیا کہ بھائی جامعہ ملیہ اسلامیہ اسکول میں داخل ہوں گا ۔ اس پر انھوں نے میرا مذاق اڑانا شروع کیا ۔ اور کہنے لگے "کیا دہلی بھر میں تم کو اور کوئی اسکول نہیں ملا ، بس جامعہ ہی رہ گئی ہے ۔" میں ان سب کی باتیں سنتا رہا ، اور جوں توں کر کے پانچ چھ دن گذر گئے ، اب میں اگست کا دن بھی آ گیا ، اور میں اپنے والد صاحب کے ساتھ ایک شام کو بس میں بیٹھ کر جامعہ پہنچ گیا ۔

جب میں جامعہ پہنچا تو سب سے پہلے میری ایک بزرگ سے جن کا نام ہے اختر حسین صاحب فاروقی ملاقات ہوئی ۔ وہ مجھ سے اس طرح سے باتیں کرنے لگے جیسے مجھ سے میرا کوئی بڑا چاہنے والا عزیز یا بزرگ ۔ ان کی باتوں سے مجھے ایسا معلوم ہونے لگا ، جیسے میں اپنے گھر یا خاندان کے

لوگوں کے پاس پہنچ گیا ہوں۔ بہت تھوڑی دیر میں مجھے اپنا پرانا قلعہ اور وہاں کے ساتھی بھول گئے۔ یہ تو تھی میری پہلی ملاقات کی ایک چھوٹی سی کہانی۔ پھر اختر صاحب نے میرا تعارف اور کئی دوستوں سے کرایا۔ تعارف کے بعد میرے دوستوں نے مجھے میرا سامان اوپر لے جانے میں مدد دی، اور مجھے بورڈنگ کے متعلق چند ایک قاعدے بتائے۔ کہ ہم کس وقت اٹھتے ہیں، کس وقت پڑھتے ہیں، کس وقت آرام کرتے ہیں، اور کس وقت کھیلتے ہیں۔ اب چونکہ شام کا وقت ہو گیا تھا اس لیے میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ کھیل کے میدان میں چلا گیا۔ وہاں بھی میری کئی ایک استادوں سے ملاقات ہوئی۔ اب میرا دل تو لگ گیا تھا، بس پڑھائی کے متعلق کھٹکا رہ گیا تھا کہ پڑھائی کیسی ہوگی۔ پھر ہم واپس آئے تھکے ہوئے تھے، کھانا کھانے کے بعد سو گئے۔ دوسرے دن صبح سویرے اٹھا اور ورزش کے لیے گیا، پھر آکر نہایا، ناشتہ کیا، اور اسکول جانے کے لیے تیار ہو گیا۔ اسکول جاکر میری جانچ ہوئی۔ جانچ کے وقت میں ایسا محسوس کر رہا تھا کہ جو سوال مجھے آتے ہیں وہی پوچھے جا رہے ہیں۔ جانچ کے بعد میں آٹھویں جماعت یعنی ثانوی دوم میں داخل ہو گیا، اور مجھے کتابیں اور پڑھائی کا سامان نگراں صاحب نے دوکان سے دلوایا۔ یہ تو میری بورڈنگ اور پہلے دو دن کی مختصر کہانی ہے۔

اب میرا جامعہ کی عام زندگی اور تربیت کے بارے میں جو خیال ہے وہ آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔

ہم کو صرف یہاں پر کتابی کیڑا نہیں بنایا جاتا، ہم کو ایسی کتابیں اور ایسے مضامین پڑھائے جاتے ہیں جن کو پڑھ کر ہم اپنی عزت آپ کرنا سیکھتے ہیں۔ اپنوں کے ساتھ میل جول اور غیروں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کی عادت پڑتی ہے۔ پڑھائی کے ساتھ ہمیں صحت کو بھی اچھے سے اچھا بنانے کی تعلیم دی جاتی ہے میرا مطلب یہ کہ ہمیں مفید ورزشیں کرائی جاتی ہیں اور ہمت اور پھرتی بڑھانے والے کھیل۔ یہاں کھیل اور درجے کے علاوہ کچھ ایسی انجمنیں اور مجلسیں بھی ہیں جہاں ہم اپنی تقریروں کی مشق کر سکتے ہیں، مضمون نگاری کی صلاحیتیں بڑھا سکتے ہیں۔ مباحثے اور شعر و شاعری کا جس کو شوق ہو، وہ یہاں پورے طور سے حصہ لے کر اپنے اس شوق کو جتنا چاہے بڑھا سکتا ہے۔ یہاں کے بورڈنگ کے معمولات ہمارے اندر وہ خوبیاں پیدا کر دیتے ہیں جن سے ہم آیندہ زندگی میں اپنے آپ کو موزوں اور مستعد شہری ثابت کر سکتے ہیں۔

اب آپ ہی بتلائیے کہ ایک ایسے اچھے ادارے میں آنے کے بعد کس کا یہ جی چاہے گا کہ وہ یہاں تعلیم حاصل نہ کرے۔ مجھے تو اگر میری ضرورتیں اور کام مجبور نہ کرتے تو میں چھٹیوں میں بھی اپنے گھر نہ جاتا۔ جے ہند۔

بچوں کی کوششیں

کاش میں بگلا ہوتا

سخاوت رسول ابتدائی چہارم جامعہ نگر

اے اللہ! مجھے بہت افسوس ہے کہ میں انسان ہوں۔ اگر میں بگلا ہوتا تو مجھ سے کوئی غلطی نہ ہوتی، اپنا گھونسلا کسی پیاری ندی کے کنارے بناتا اور صبح کے وقت ندی میں نہاتا۔ میرے دو سفید سفید دودھ کے مانند پر ہوتے۔ دو سفید ٹانگیں ہوتیں، ایک خوب صورت پاک چونچ ہوتی۔ لوگ مجھے پکڑنے کی کوشش کرتے تو میں آسمان پر اُڑ جاتا، نیلے، اودے بادلوں میں چھپ جاتا، ہر وقت خوش ہوتا اور مزے سے مچھلیاں کھاتا ہوا ہرے بن میں جاتا، کبھی اِس ڈال سے اُس ڈال اُچھل کر جاتا اور ساتھیوں کے ساتھ پھر شام کے وقت سیر کو نکلتا۔ سب چہچہاتے، تفریح کرتے اور پھر کسی ندی پر جا کر مچھلیاں کھاتے، اگر کوئی انسان ہم کو مارتا تو اللہ میاں سے قیامت کے دن شکایت کرتے اور اللہ میاں اس کو سزا دیتے۔

مگر افسوس کہ میں انسان ہوں ——— کاش میں بگلا ہوتا!

آئینے میں چاند

ظہیر الدین احمد، کلکتہ

ایک بادشاہ نے اپنے ملک میں اعلان کر رکھا تھا کہ جو شخص آسمانی چاند اُسے لا کر دے گا اُسے میں آدھی سلطنت بخش دوں گا۔

اس اعلان کے بعد بہت سے عقل مند آئے، مگر بادشاہ کو چاند نہ دے سکے۔

آخر ایک دن ایک شخص بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بولا: "بادشاہ سلامت چاند اور وہ بھی چودھویں رات کا، ایک تشتری پر رکھ کر آپ کی خدمت میں حاضر کروں گا اور چودھویں رات کو وہ سچ مچ کاغذ میں لپٹی ہوئی ایک تشتری لایا۔ بادشاہ کی خدمت میں پیش کی بولا: حضور یہ چاند حاضر ہے اسے اُٹھا لیجئے۔ تم سمجھے یہ کیا تھا؟ یہ تھی آئینہ تھا، آئینہ۔ بادشاہ اپنے اس احمقانہ اعلان پر بہت پچھتایا، پر اب کیا ہو سکتا تھا، آدھی سلطنت دینا پڑی۔

آدھی ملاقات

برادرم السلام علیکم
عنایت نامہ موصول ہوا .... اِن بڑوں کی پڑھائی کے متعلق مجھ سے جو ہو سکتا ہے کر رہا ہوں، فی الحال دو نوجوانوں کے سپرد یہ کام کر دیا ہے جو اپنے حلقے کے گیارہ نو خواندہ لوگوں کو تعلیم دے رہے ہیں۔ میں وقتاً فوقتاً ان کا کام دیکھ لیا کرتا ہوں۔ عنقریب ہی اس سلسلۂ تعلیم کو اور بھی وسعت دینے کا ارادہ ہے۔
اخلاص مشتاق، رحیم آبادی

ایڈیٹر صاحب، السلام علیکم۔
مارچ کا پیامِ تعلیم ملا یعنی یہ تو فروری کے پرچے سے بھی اچھا رہا۔ خاص کر مجیب صاحب کا مضمون بہت دلچسپ تھا، اور بھی سبھی مضمون اچھے اور پُرلطف تھے۔ شبیر احمد رضوی، ہیپورہ

جناب ایڈیٹر صاحب، السلام علیکم۔ باوجود امتحان کی مصروفیتوں کے میں نے لڑکوں اور بڑوں کے پڑھانے کا تہیہ کر لیا ہے۔ کچھ ایسے لڑکوں کا انتخاب بھی کر لیا ہے جن کے سرپرست غریبی کی وجہ سے انھیں پڑھا نہیں سکتے، اپنے مددگار بھی ڈھونڈھ لئے ہیں۔
ہمارے رسالے میں سوال وجواب کے لئے کوئی صفحہ وقف نہیں ہے، اِدھر بھی توجہ کی ضرورت ہے۔ محمد یونس انصاری اٹاگنڈہ

اُن پڑھ بڑوں کی تعلیم کے سلسلے میں ادارۂ تعلیم وترقی جامعہ ملیہ محل دہلی سے مشورہ کیجئے وہ آپ کی پوری مدد کریں گے۔ پیامی سوالات بھیجیں جواب دئے جائیں گے (ایڈیٹر)

گرامی قدر، تسلیم۔ میں نے آج ہی سے اپنا فرض ادا کرنا شروع کر دیا ہے۔ اپنے پڑوس کے ان پڑھ لوگوں کا اندازہ لگا لیا ہے اور وقت نکال کر انھیں پڑھانا بھی شروع کر دیا ہے۔ کام بہت اچھا ہے، نتیجہ بھی اچھا ہوگا۔
تمام پیامیوں سے پُرزور اپیل کرتا ہوں کہ اس معاملے میں ایڈیٹر صاحب کا ہاتھ بٹائیں۔ اور پیامِ تعلیم کے خریدار بڑھانے کی دل وجان سے ٭

٭ کوشش کریں۔ پیامی شمس الہدیٰ، بتیا۔

اِدھر اُدھر سے

شاہد علی خاں

مصر کے وزیرِ تعلیم ڈاکٹر طٰہٰ حسین بنائے گئے۔ یہ پیدائشی اندھے ہیں۔ پہلے یہ مصری یونیورسٹی میں ادب کے پروفیسر تھے۔ مصر کے بہت مشہور اور فاضل لوگوں میں اُن کا شمار ہے۔

کراچی میں ۲۲ فروری ۱۹۵۰ء کو آسمان پر جنوب مغربی سمت ایک ستارہ دیکھا گیا۔ اس میں سفید، سُرخ اور سبز رنگ کافی نمایاں تھے۔

ہندوستان کی دستور ساز اسمبلی میں جس جمہوری دستور پر دستخط کئے گئے ہیں، اس کے کاغذ کا وزن ۸۰ پونڈ ہے۔ ۲۸۹ صفحے ہیں۔ یہ کاغذ ایک ہزار سال تک خراب نہ ہوگا۔

کان پور میں ایک لاکھ انسانوں میں ۳۲ اور لکھنؤ میں ۱۹ دِق میں مرتے ہیں۔

دُنیا میں مُسلمانوں کی آبادی تقریباً ۴۰ کروڑ ہے۔ اکیلے چین میں ۶ کروڑ ۵۰ لاکھ۔

آذربائجان کی پہاڑیوں میں ایک بوڑھا ہے محمد اسوادوف۔ اس کی عمر ۱۴۱ سال ہے اور اُس کی بیوی کی عمر ۱۱۷ سال۔ گاؤں کی پوری آبادی اِس کے بال بچوں کی ہے۔

برطانیہ کی ایک گائے نے سال بھر میں ۳۵۰۰ گیلن دُودھ دیا۔ اس سے پہلے دُودھ کا سالانہ رکارڈ ۳۰۶۵ گیلن دُودھ تھا۔

یورپ کا سب سے بڑا بجلی گھر لندن کے دیہات میں ہے۔

بنگلور سے ہاتھی کے دو بچّے امریکہ بھیجے جا رہے ہیں۔ پہلے یہ ہوائی جہاز سے بھیجے جاتے، مگر تھوڑے ہی دِنوں میں ان کا وزن بہت بڑھ گیا۔ اس لئے اب یہ پانی کے جہاز سے بھیجے جا رہے ہیں۔ یہ تحفہ امریکن بچّوں کے لئے ہمارے وزیرِ اعظم پنڈت جواہر لال نہرو

۳ کی طرف سے ہے۔

کہانی لکھو

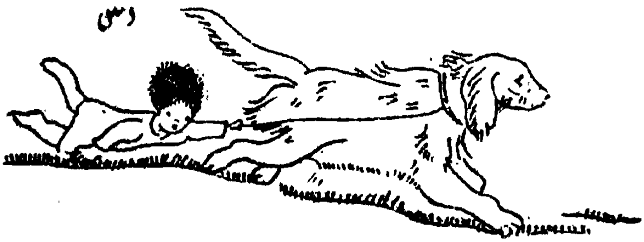
(۱)



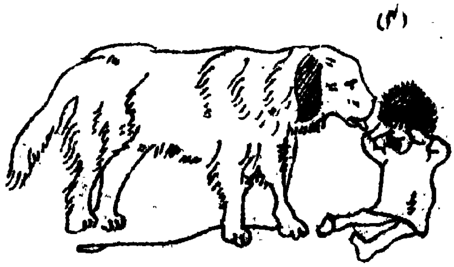
(۲)



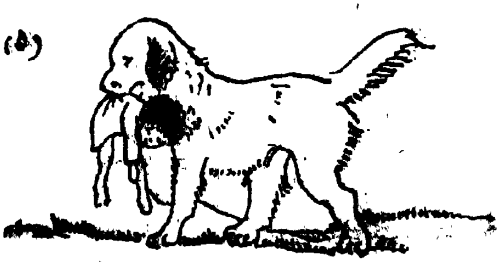
(۳)



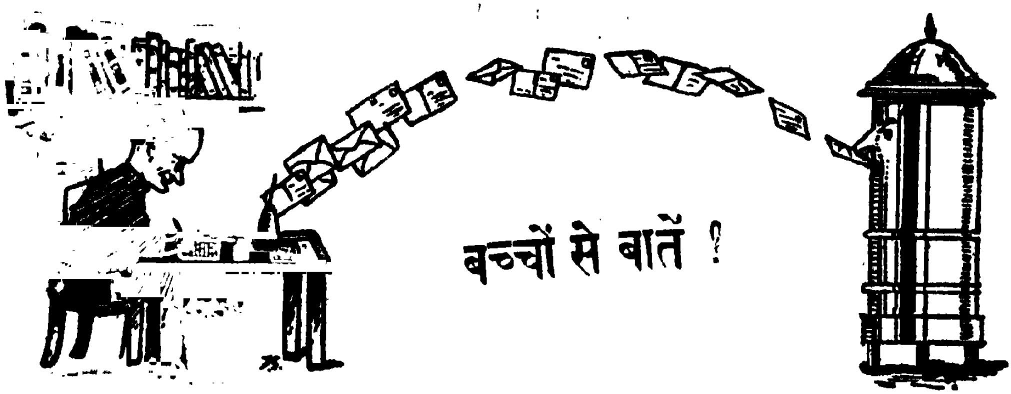
(۴)



(۵)



Yavey.s



बच्चों से बातें ?

१—अच्छा ! बताओ तो हमारे देश का सबसे बड़ा त्यौहार कौन-सा है ? और क्यों मनाया जाता है ?

२—भला ! बताओ तो हमारे देशके कितने नाम हैं ? और कौन कौन से हैं ?

३—महात्मा गांधी कौन थे और कहां के रहने वाले थे ?

४—तुमने पंडित जवाहरलाल नेहरू का नाम तो सुना ही होगा। भला ! बताओ तो वह आजकल हमारे देश में क्या हैं ?

५—हमारे देश के राष्ट्रपति का क्या नाम है ?

६—अच्छा बताओ इस २६ जनवरी को हमारे देश में क्या हुआ था ?

७—हमारे देश की राजधानी कौन सी है ? और तुम्हारे गांव या शहर से कितनी दूर है ? और किस तरफ है ?

(अपने पिता से पूछो)

८—साल के कितने महीने होते हैं ? और कितने दिन ?

९ बताओ हमारे देश के चार बड़े शहर कौन से हैं ?

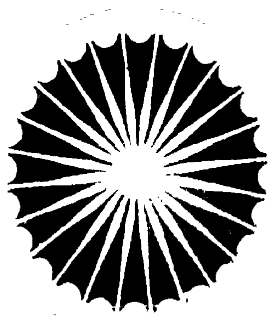
१०—हमारे देश की जन संख्या (आबादी) क्या है ?

('बच्चों से बातें' के उत्तर अगले अंक में)

सम्पादक

राजेन्द्र बाबू

राजेन्द्र बाबू जिनका पुरा नाम डा० राजेन्द्र प्रसाद है आज हमारे आजाद देश के सब से पहिले राष्ट्रपति हैं।



कहानी

गोपाल !

गोपाल ग्यारह वर्ष का एक शरणार्थी बालक देहली के रामबाग स्कूल में पढ़ता है। उसके साथ २७० लड़के जो बड़े-बड़े बंगले और मकानों में रहते हैं वे भी पढ़ते हैं।

स्कूल में हर तरह का खेलने-कूदने का इन्तजाम है। वहां बगीचे और बड़े-बड़े छायादार पेड़ भी हैं जहां बालक 'आंख मचौली' खेलते हैं। यही कारण है कि गोपाल को स्कूल का जीवन बहुत पसन्द है।

और सचमुच ! यह ऐसी सुन्दर जगह है जहां बच्चे अपना बाल-जीवन हंसते-खेलते बिताना चाहते हैं।

अकसर गोपाल और बाल-बलिकाओं के साथ बगीचे में खेलता दिखाई पड़ता है। वह अपने मित्र (दोस्त) जल्दी बना लेता है। उसमें झेंपने आदि की खराब आदत नहीं हैं। वह जिस हाल में भी रहता है हमेशा खुश रहता है। यह बातें और बालकों में कम पाई जाती हैं। उससे मिलने और बातचीत करने पर ऐसा लगता है मानो वह अपने ऊपर किसी जिम्मेदारी के जल्द आपड़ने की संभावना देखता है। फिर भी वह अपने आपको औरों से अधिक खुश किस्मत समझता है।

उसका सारा परिवार नौशैरा में रहता था। उसके पिता की मृत्यु हो चुकी है और अब केवल उसकी एक विधवा मां है। मां केम्प में रहती है और नौकरी करती है। लेकिन उसको इतना पैसा नहीं मिलता कि वह गोपाल को अपने पास रखकर पढ़ा लिखा सके और उसका ठीक तरह से लालन-पालन कर सके इस लिये गोपाल को अपनी मां से अलग स्कूल ही में रहना पड़ता है। मां उसे महीने में एकबार मिलने आती है। मानो वह दिन गोपाल के लिये एक बड़ा त्यौहार बन जाता है।

गोपाल स्कूल में भरती होने से पहिले सब कुछ भुला चुका था। लेकिन अब ? अब वह साल में दो परिक्षाएं पास कर लेता है।

वह रोज सुबह और बच्चों की तरह ठीक ६ बजे उठ जाता है। बच्चे उठकर बगीचे में खेलने कूदने चले जाते हैं पर गोपाल ? गोपाल दो घन्टे मन लगाकर खूब पढ़ लेता है। फिर कोई ८ बजे एक प्याला दूध लेता है। साढ़े नौ बजे वह अपनी कक्षा में चला जाता है। स्कूल की खाना-खाने की छुट्टी १ बजे होती है। आधे घन्टे में खाना खाकर वह बच्चों से मिलकर खेल-कूद लेता है। ठीक दो बजे घन्टी होते ही वह अपनी कक्षा में चला जाता है। शाम को सब बच्चों के साथ मिलकर वह बगीचे में खेलता है।

वह सबसे अच्छी तरह से बोलता है उसकी हैडमास्टरनी उससे बहुत खुश है। वह अपनी मां से अलग रहते हुए भी हमेशा खुश रहता है।

गोपाल कहता है—"मैं एम० ए० करूंगा।" उसे यह सोच कर जरा भी दुःख नहीं होता है कि उसे अभी दस वर्ष... पढ़ना होगा। इतना लम्बा समय उसे इसी तरह ही बिताना होगा। इससे उसे कभी निराशा नहीं होती है। उसके पिता भी एम० ए० थे और बैंक में खजान्ची थे। ठीक अपने पिता की तरह वह भी एम ए० करना चाहता है।

अपनी मां को वह बहुत प्यार करता है। वह हमेशा अपनी मां के बारे में कुछ न कुछ सोचा ही करता है। वह अपनी मां को केम्प के जीवन में रहते हुए और अधिक देखना नहीं चाहता।

वह कहता है—"मुझे उसकी सहायता करनी ही चाहिए।"

(संभावना—इमकान। परिवार—खानदान मृत्यु—मौत। भविष्य—मुस्तकबिल। परीक्षा—इम्तहान। निराश—मायूस। सहायता—मदद।)

"स्टेट्समैन से अनुवाद"

—सम्पादक

इधर उधर से !!

१. आदमी के सिर को यदि तीन बार धागे से नापा जाये तो वह नाप उस आदमी के कद के बराबर होगा।

२. संसार में सबसे लम्बा प्लेट फार्म (रेल्वे का) 'बिहार' में है।

३. मक्खी एक सैकन्ड में ३३० बार अपने बाजू को हरकत देती है।

४. शरीफिया परिवार की शहनशाही का अन्तिम बादशाह मौलाई इस्माइल हुआ है। उसकी राजधानी तफलियत थी उसके ५४८ लड़के थे और ३४० लड़कियां थी।

शाहिद अली खाँ अफगानी
जामिआ नगर

लतीफे

एक अमीर ने अपने एक कर्मचारी को कुछ इनाम देने का वचन दिया था। जब वह सामने आया तो अमीर ने अपना मुंह फेर लिया।

एक दिन एक ऊंट को टेढ़ी गरदन किये देखा तो अमीर ने अपने उसी कर्मचारी से कारण पूछा।

कर्मचारी ने कहा—इसने शायद किसी से इनाम देने का वायदा किया होगा।

शाहिद अली खाँ अफगानी
जामिआ नगर

पिता—बेटा! तुम बहुत सुस्त हो। तुम्हारी उम्र में वाशिंगटन (अमरीका का मशहूर सेनापति) अपने दर्जे में हमेशा प्रथम रहता था।

बेटे का उत्तर—जी हां!.......................
और आपकी उम्र में तो वह प्रेसीडेन्ट था!!

मोहम्मद अली खाँ
(उम्र ८ वर्ष)
फरुखाबाद



तुम्हारी—अपनी !!

(देखो ! तुम्हारे नन्हें प्यारे साथियों ने कितनी अच्छी कविताएं लिखी हैं। तुम क्यों नहीं लिखते ?)

कहो मत, करो !

(कृष्णकुमार त्रिवेदी उम्र १२ साल)

चन्दा कहता नहीं किसी से—
मैं प्रकाश फैलाता हूं।
बादल कहता नहीं किसी से—
मैं पानी बरसाता हूं।
आंधी कहती नहीं किसी से—
मैं तूफान उठाती हूं।
कोयल कहती नहीं किसी से—
सुन्दर गाना गाती हूं।
साथी तुम भी इसे समझ लो !
कामों से होती पहचान !
जंगल में भी नाच दिखाकर,
मोर प्राप्त करता है मान !

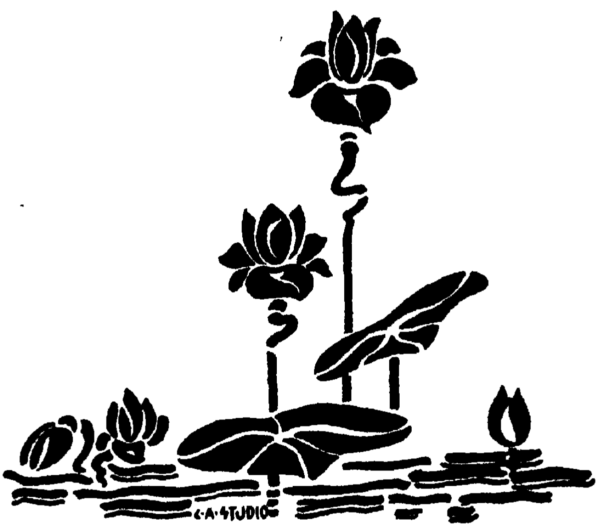
(मनोहर कहानियां से)

जादूगर

(मदनसिंह 'तोमर' उम्र १२ साल)

यह देखो जादूगर आया,
कैसा इसने स्वांग रचाया।
रंग-बिरंगा धारी वाला,
इसका कुर्ता बड़ा निराला।
मुंह पर पोता इसने रंग,
बन्दर जैसे इसके ढंग।
खड़ा-खड़ा यह दांत दिखाता,
मुंह भी अपना यह मटकाता।
चलता लंगड़े जैसी चाल,
करता लेकिन बड़ा कमाल।
कंकड़ लेकर यह दो-चार,
फूंक लगाता बारम्बार।
तब कंकड़ रुपये बन जाते।
धज्जी का यह सांप बनाता,
हम सब को यह खूब हंसाता।

(मनोहर कहानियां से)



हैं ?

मां चुप थीं। रमेश ऊपर को देखता है। मां भी रो रही थीं। रमेश को यह देखकर और भी दुःख हुआ।

रमेश हठ करने लगा।

मां बताओ न।

बेटा रमेश क्या बताऊं दुनियां में हम गरीबों की भी कोई जिंदगी है। आज महेश ने किताब खरीदने के लिये मुझ से आठ आने पैसे मांगे थे। मेरे पास पैसे नहीं थे मैंने इस से कहा अगले महीने नौकरी के पैसे मिलेंगे तो मैं तुम्हें किताब मंगवा दूंगी महेश ने कहा नहीं मुझे अभी मंगादो मास्टर साहब ने किताब आज ही सब लड़कों से लाने को कहा है। मैं भी आज ही ले जाऊंगा नहीं तो मास्टर-साहब बहुत मारेंगे। मेरे पास पैसे नहीं थे। वह ऐसे ही स्कूल चला गया। कहता है मास्टर साहब के डर से मैंने किसी लड़के की किताब चुराई थी। तब खूब पीटे गये। देख लो अब तुम ही इन की दुर्दशा।

रमेश महेश के पास जा उसे अपनी बगल में लेकर बोला:—

महेश भैया तुमने बहुत बुरा किया। चोरी करने की क्या जरूरत थी। जरा तुम मुझे भी तो कहते। अच्छा अब रोओ मत।

रमेश अपने हाथों से महेश के आंसू पोछने लगा।

जब महेश चुप हो गया तो रमेश जल्दी से घर जा अपने जमा किये हुए पैसों में से तीन रुपये की महेश के लिए सब किताबें और कापियां ले आया।

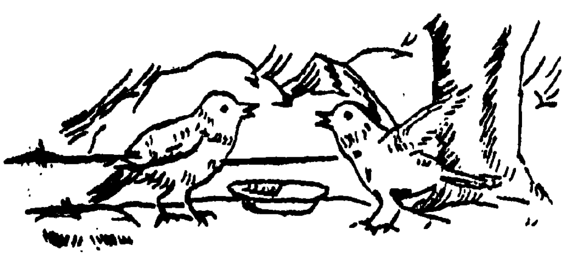
रमेश—महेश भैया लो! अब ऐसा कभी न करना।

महेश की मां—नहीं! नहीं! यह हम नहीं लेंगे! बेटा! यह तुमने क्या किया।

रमेश—मां! तुम मना न करो।

मैं रोज पैसे जमा करता था। बाबा से एक आना रोज लेता था। पाच रुपये जमा हो गये थे। उसमें से कुछ किताबें महेश भैया के लिए ले आया हूँ। इसमें अनाकानी न करो मां। महेश मेरा छोटा भाई है।

रमेश महेश का हाथ पकड़ कर खेलने ले जाता है।



कहानी

रमेश और महेश

स्कूल की आधी छुट्टी हुई। चारों तरफ हा-हा हू-हू की आवाजें आरही थीं। कोई कूद रहा था कोई खेल रहा था। कोई संतरे ले रहा था। कोई केला खा रहा था। बहुत से बच्चे एक साथ मिल कर अपने-अपने घरों से लाई मिठाई बांट-बांट कर खा रहे थे। कुछ इधर-उधर पेड़ की ठंडी छाया के नीचे बैठकर पढ़ रहे थे।

रमेश और महेश छुट्टीके समय एक पेड़ के नीचे रोज आकर बैठते और अपने अपने घर से लाया नाश्ता दोनों मिल-बांट कर खाते। लेकिन आज रमेश तो रोज की तरह अपनी निश्चित जगह पर आगया था। पर महेश का कहीं पता न था। रमेश बिना महेश के कभी अलग बैठ कर कुछ न खाता था। आज महेश के न आने से वह बड़ा परेशान दिखाई पड़ रहा था। बड़ी बेचैनी से इधर-उधर देख रहा था। पर उसकी आंखें आज कहीं भी महेश को न ढूंढ़ सकीं।

घंटी होने में थोड़ी ही देर बाकी थी। लेकिन रमेश अब भी न आया था। रमेश बिना कुछ खाये उठ गया और महेश को इधर-उधर देखने लगा। वह रास्ते में मिलने वाले सब लड़कों से महेश के बारे में पूछता पर महेश का कोई पता न लगता। आज रमेश को महेश के न मिलने से बड़ा दुःख हो रहा था। वह कुछ सोचता हुआ अपनी कक्षा की ओर आ रहा था कि अचानक पीछे से रमेश बाबू—रमेश बाबू! कर के किसी ने आवाज दीं। देखा तो महमूद तेजी से दौड़ता आ रहा है।

रमेश भैया तुमने सुना?

रमेश क्या?

महमूद—आज महेश को हैडमास्टर साहब ने बहुत पीटा है।

रमेश—क्यों?

महमूद—उसने अपनी कक्षा के किसी लड़के की कोई किताब चुराई थी।

रमेश—फिर।

महमूद—वह जब किताब चुरा रहा था तो उधर से कहीं उनके मास्टर साहब आ निकले। उन्होंने महेश को किताब चुराते पकड़ लिया।

रमेश—तब?

महमूद—तब वह शायद उसे हैडमास्टर साहब के पास पकड़ कर लेगये और हैडमास्टर साहब ने उसे बैंतों से खूब मारा है।

रमेश—लेकिन अब महेश कहां है?

महमूद—शायद घर चला गया है। मैं भी उसे ही ढूंढ़ रहा हूं।

रमेश— तुम्हें यह सब कैसे मालूम हुआ?

महमूद—प्रकाश से।

रमेश—कहां है प्रकाश?

महमूद—वह देखो आरहा है।

रमेश—भाई प्रकाश महेश कहां है?

प्रकाश—घर चला गया है।

रमेश—किस लिए?

प्रकाश ने रमेश को महेश के बारे में सब कुछ बता डाला।

रमेश—क्या अब वह स्कूल नहीं आयेगा?

प्रकाश—नहीं।

रमेश यह न सुन सका। वह दौड़कर अपनी क्लास में गया। घंटी बज चुकी थी। रमेश के मास्टर साहब क्लास में आचुके थे। रमेश जल्दी से आधी छुट्टी ले महेश के घर चला गया। महेश रो रहा था। रमेश आकर महेश की मां के पास दूसरी तरफ बैठ गया।

मां महेश भैया को क्या हुआ है? क्यों रो रहे

प्यामे तालीम

(हिंदी-विभाग)

अप्रैल १९५०
जामिआ नगर

क्यों ?

आज से कोई ढाई साल पहिले हमारा देश, भारतवर्ष एक अंग्रेज नामक जाति का गुलाम था। हमारी गुलामी का वक्त कोई १५० वर्ष के आस-पास रहा। इतने बड़े गुलामी-काल का हमारे जीवन पर बिल्कुल सीधा असर पड़ता ही है। और अगर हम उससे किसी तरह बचना भी चाहते हैं तो भी नहीं बच सकते। हमारे आस-पास की हर चीज गुलामी का पूरा-पूरा रंग ले लेती है। हमारी तालीमो तर्बियत पर भी उसका असर पड़े बिना नहीं रहता इतना ही नहीं बल्कि गुलाम बनाने वाली जाति सब से पहिले उस देश की शिक्षा व्यवस्था को ही सम्भालती है। ठीक उसी तरह हमारा मुल्क भी अंग्रेजी शिक्षा के लेन-देन में पलता रहा। लेकिन अब हम आजाद हो गये हैं। और इसलिए हमें हमारी पुरानी शिक्षा को बदल कर उसे एक आजाद देश के सांचे में ढालना है। बाल शिक्षा से मुठभेड़ ही सब से पहिली और एक ठोस सीढ़ी है। लेकिन इस सीढ़ी से पहिले एक और छोटी सीढ़ी है और वह है भाषा जिसमें शिक्षा दी जाती है।

यह प्रश्न भी हमारी सरकार ने हल कर लिया है। प्रांतों के लिए प्रांतीय भाषा को ही अपनाया है। और यह बिल्कुल ठीक भी है। लेकिन अपनी-अपनी अलग-अलग भाषाओं से हम एक प्रांत से दूसरे प्रां के रहने वालों से मेल जोल नहीं बना सकते और ही हम आपसी और काम भी कर सकते हैं। स कार के काम भी नहीं चल सकते। इसलिए आपस प्रेम नहीं हो सकता। तो बताओ देश की एकता त कैसे कायम रह सकती है? इस पर हमारी सरका ने हिन्दी भाषा को जो हमारे देश के सब से ज्या लोगों की जबान है देश की जबान मान लि है। और इसलिए अब हम सब देशवासियों के लि हिंदी जानना और पढ़ना जरूरी हो जाता है। इस बात को सामने रखकर हमारी सरकार ने औ हमारे देश के लोगों ने हिंदी पढ़ाने और सिखाने काम शुरू कर दिए हैं। जगह-जगह बहुत से स्कू खोले जा रहे हैं और सरल हिंदी भाषा में अखबार औ रिसाले भी निकल रहे हैं। लेकिन हमारे सामने ऐसे बहु कम अखबार हैं जो उर्दू भाषी और उर्दू के माहो में हमेशा पलने वालों को जल्द से जल्द हिंदी सि सकें।

प्यामे-तालीम हमारे बच्चों का एक बहुत पुरा उर्दू रसाला है। इसी में ही हम कुछ सफे हिंदी भी देने जारहे हैं। एक ही रसाले में उर्दू-हिंदी व इन्तजाम इसलिए किया गया है कि हमारे देश व बहुत बड़ी जन संख्या गरीब है। बहुत कम लोग दो दो अखबार ले सकते हैं। ऐसा करने का दूस कारण उर्दू वालों के लिये सरलता से हिंदी व ज्ञान कराना है।

हमारे इस रसाले की सफलता अब आप के हाथ में है। इसे ज्यादा से ज्यादा लोग खरीदें औ इस का प्रचार करें।

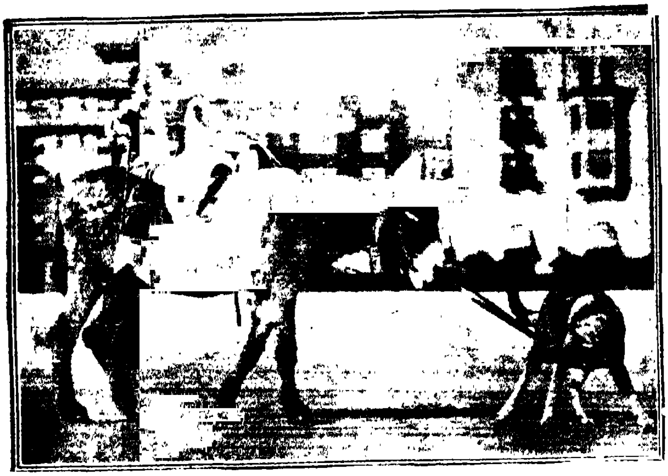
आओ! अब हम सब मिलकर अपने फर्ज को पूरा करें।

प्यामे तालीम
(हिंदी-विभाग)

अप्रैल १९५०

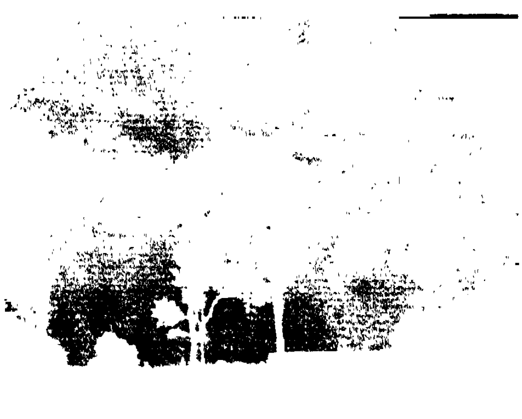
जामिआनगर

विषय-सूची



ٹٹو میں اڑومت ۔ سوار بھی شان دار ہیں سائیس بھی بے ڈھب ہے

(مرسلہ نرنجن سنگھ ہلدوانی)



ایسی جگہ پلنگ کو جایا کریں !

(مرسلہ سید رحم علی بڑودہ)

Regd. No. 441.

[illegible]



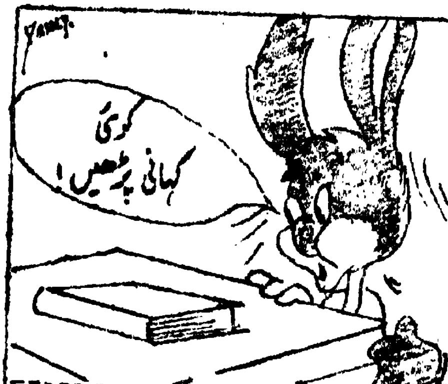
دم بدم کہتی تھی بڑھیا ، سن ،
حرص کا آخر نتیجہ یہ ہوا





سیلون کا ایک گاؤں۔ کیسا صاف ستھرا
اور لوگ کتنے خوش اور مطمئن
(سیلون پر مضمون اندر دیکھئے)







جلد ۲۲ | فہرست مضامین | نمبر ۱۴

قیمت سالانہ للعہ؍ فی پرچہ ۶؍

پیام تعلیم
جامعہ نگر دہلی

ایڈیٹوریل بورڈ

صالحہ عابد حسین — مشتاق احمد اعظمی
سندر لال گاندھی — گلیڈولن میی ارسٹلے
محمد حسین حسان چیف ایڈیٹر

مطبوعہ: جید پریس دہلی
پرنٹر پبلشر: محمد حسین حسّان



بچوں سے باتیں

ہندی پیام تعلیم کا حصہ پیامیوں نے بہت پسند کیا۔ بعض پیامیوں نے ہندی میں مضمون بھی بھیجنا شروع کر دیے ہیں۔ یہ سلسلہ انشاء اللہ مستقل رہے گا۔

بچوں کی برادری دہلی کے سکریٹری صاحب کی اطلاع سے یہ معلوم کر کے ہمیں دلی قلق ہوا کہ ہمارے عزیز پیامی سلطان احمد رضوی (ڈسپورہ گیا) کا انتقال ہو گیا۔ ہمیں اس حادثے میں مرحوم کے والدین اور عزیزوں سے دلی ہمدردی ہے۔

اس پرچے میں ہم نے معمّا چھاپنے کا وعدہ کیا تھا۔ مگر ہمارے جن بھائی نے معمّا بنانے کا وعدہ کیا تھا اپنی مصروفیت کی وجہ سے وعدہ پورا نہ کر سکے۔ اگلے پرچے کے لئے اُنھوں نے حتمی وعدہ کیا ہے۔

پیامی (چھوٹے یا بڑے) ہمیں مضمون بھیجتے وقت چند باتوں کا خیال رکھیں تو ہمیں بہت سہولت ہو (۱) صاف اور خوش خط کاغذ کے ایک ہی طرف لکھا ہوا ہو۔ مضمون کے ساتھ ساتھ اپنی عمر بھی ضرور لکھیں۔ مضمون جتنا مختصر ہوگا، اسی قدر جلد چھپے گا

ہمارے بہت سے پیامیوں کو فوٹو گرافی کا شوق ہے۔ یہ پیامی اپنی تصویریں ہمیں بھیجیں۔ اچھی تصویریں پیام تعلیم میں چھپیں گی۔

اور ہاں بھئی! اپنے ہاتھ کی بنی ہوئی تصویریں بھی بھیجو۔ زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ انچ مربع ہوں۔ یہ بھی ہم چھاپیں گے۔ تصویریں ہر طرح کی، آدمی کی، جانور کی، کارٹون وغیرہ



خالق کی پہچان

حمد اٹاوی

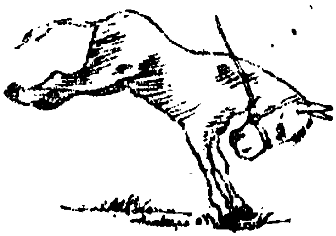
خاموش فضا بھینی بھینی　　یہ قوسِ قزح کی رنگینی
یہ ابر کا ہر سو چھا جانا　　قطروں کے موتی برسانا
یہ روز و شب یہ شام و سحر　　یہ ارض و سما یہ شمس و قمر
یہ ننھے منے سے تارے　　ہوں آگ کے جیسے انگارے

تاروں کا جھرمٹ کاہکشاں
کرتی ہے کس کی شان عیاں؟

خاموش یہ دریا کا پانی　　یہ چشمے کی نغمہ خوانی
یہ ذرے مٹیلے، ریگستاں　　یہ پھول یہ غنچے یہ کلیاں
یہ طائر اور یہ جن و بشر　　یہ برگ چمن یہ شاخ و شجر
سبزے کی لہک بلبل کی چہک　　شبنم کی دمک پھولوں کی مہک
جگنو کا چمکنا چم چم چم　　اک تارا جیسے بے دم خم
غنچے کا چٹکنا کیا معنی؟　　شبنم کا تڑپنا کیا معنی؟
یہ کوہ ہمالہ گنگ و جمن　　یہ شہر یہ بن یہ دشت و دمن
یہ گردش چاند ستاروں کی　　ہر سو بھرمار نظاروں کی
لے کے سہارے قدرت کے　　کرتے ہیں اشارے قدرت کے
یعنی یہ نشاں ہیں خالق کے　　انوار عیاں ہیں خالق کے

اے ننھے منے فرزانو!
تم عقل سے اس کو پہچانو!

دولتّی



سائیس

گھوڑوں کی بہت سی قسمیں ہیں، بہت سی نسلیں ہیں۔ پر عربی گھوڑے کی بات ہی اور ہے۔ اس کے آگے سب مات ہیں۔ کیا خوب صورتی میں کیا سجیلے پن میں کیا دوڑ میں۔ عربی گھوڑے کا ذکر تو قصّے کہانیوں میں آیا ہے۔ شاعروں نے اس کی تعریف میں نظمیں کہی ہیں۔ زمین آسمان کے قلابے ملائے ہیں۔ اور ایک بات معلوم کرکے تو ہمیں تعجب ہوا۔ تمھیں بھی ہوگا۔ یہ نڈر بھی بہت ہوتا ہے۔ وقت پر شیر کا مقابلہ کر جاتا ہے۔ آج تمھیں اسی قسم کی کہانی سنائیں:

یہ اب سے کوئی سوا سو برس پہلے کی بات ہے۔ ایران میں انگریزی فوجیں ڈیرا ڈالے تھیں۔ یہاں ایک دریا ہے۔ دجلہ۔ بس اسی کے ذریعے فوجیں آتی جاتی تھیں۔

ایک دن فوج کے سپہ سالار کو ایک جگہ (محمرہ) سے فوراً ہٹنا پڑا۔ وقت کم تھا اپنے عرب گھوڑے کو نہیں لے جا سکتا تھا۔ اس نے ہدایت کردی کہ اگلے جہاز سے اُسے حفاظت کے ساتھ نئے صدر مقام (بغداد) پہنچا دیا جائے۔

اور بھی دو تین دن بعد، اسیریا نام کا اسٹیمر سپہ سالار کے اس قیمتی خزانے کو دریا کے چڑھاؤ پر البغداد لیے جا رہا تھا۔

یہ سچ مچ بہت خوب صورت جانور تھا چھریرا بدن، چمک دار جلد، شان دار چہرا، بانکا، سجیلا، سر فخر و غرور سے اوپر اُٹھا ہوا جیسے اپنی شرافت اور اصیل ہونے پر اُسے خود بھی ناز ہے۔

اس گھوڑے کی خدمت کو دو سائیس تھے یہ شروع میں تو اس کے پاس ہی رہتے تھے۔ انھیں کچھ پریشانی تھی۔ یہ عربی میاں خشکی پر تو آزادی سے رہتے سہتے تھے۔ یہاں جہاز کی ایک کوٹھری میں بند تھے۔ یہ قید کی سی زندگی نہ جانے انھیں کیسی لگے۔ اِن کی نازک مزاجی سے ڈر رہتا تھا، کہیں بھڑک نہ جائیں۔

مگر گھوڑا بظاہر بہت اطمینان و سکون سے

رہنے لگا۔ اُسے بظاہر کوئی تکلیف نہیں معلوم ہوتی تھی۔ سائیسوں کو بھی اطمینان ہو گیا۔ کسی خاص نگرانی کی ضرورت نہیں۔ وہ اپنا زیادہ وقت جہازیوں میں بیٹھ کر گپ شپ میں کاٹنے لگے۔

بس یہی بات بڑی خطرناک ثابت ہوئی اُنھی کی بدولت ان بے چاروں کے اور تمام جہاز والوں کے چند گھنٹے بڑی پریشانی میں گذرے۔

جھٹپٹا سا ہو رہا تھا۔ شام کا دھندلکا اسٹیمر پر اور دریا پر چھا رہا تھا۔ اتنے میں بڑے زور کی آواز آئی، کوئی بھاری سی چیز دریا میں گری۔ سب کی توجہ ادھر ہو گئی ارے ارے یہ تو گھوڑا ہے۔ پوری طاقت سے تیر رہا ہے۔ کنارے کی طرف جا رہا ہے۔ سر پانی کے اوپر، اس کا کچھ حصہ تو بڑے سے ڈھکا ہوا، گلے میں رسّی کا ٹکڑا۔ یہ رسّی جہاز سے بھاگ نکلنے کی کوشش میں ٹوٹ گئی تھی۔

جہاز کی رفتار دھیمی کر دی گئی، بالکل جوں کی چال۔ دونوں سائیس اور جہازی حیران تھے۔ یہ کیا ہو گیا! کیا تدبیر کی جائے، گھوڑے کو جہاز میں کیسے واپس لائیں۔

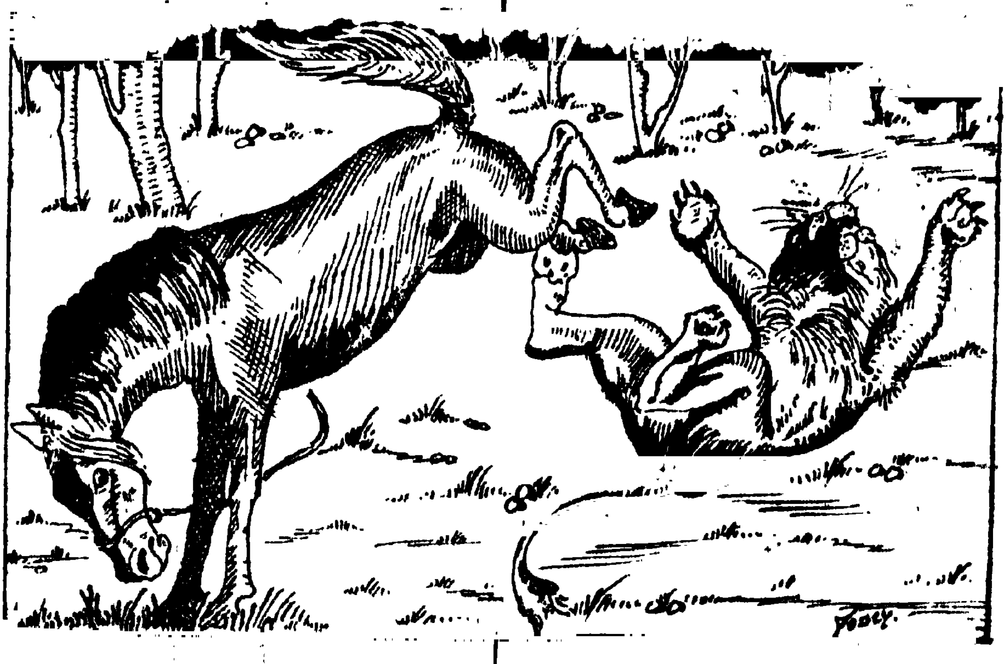
جہاز بہت ہی آہستہ آہستہ بڑھ رہا تھا قریب قریب رُک سا گیا تھا، اور گھوڑا پوری تیزی سے کنارے کی طرف جا رہا تھا۔ اسے پہنچے وہ کنارے پر پہنچ بھی گیا۔ اس نے اپنے سر کو بڑی زور سے جھٹکا دیا تو بڑے سے چھٹکارا پانے کے لئے۔ پر وہ تو گردن میں آ رہا۔ اب وہ گردن نیچی کرکے دریا کے کنارے گھاس پر چرنے لگا بڑے اطمینان بڑے سکون سے۔

پر ایک طرف تو کسی کا دھیان ہی نہیں گیا۔ جہازیوں کا نہ خود گھوڑے کا۔ گھاس کے پتلے سے میدان کے پیچھے گھنا جنگل تھا، بہت گھنا، اندھیرا گھپ۔

گھوڑے سے تھوڑی دیر پیچھے اچانک ایک ڈراؤنی آواز آئی، بہت ڈراؤنی شیر کی دہاڑ۔ جہاز میں سب کے کان کھڑے ہوئے کان کیا رونگٹے کھڑے۔ اوسان خطا ہو گئے۔ سب کے بدن میں خون جیسے جمنے لگا۔

اب چاند نکل آیا تھا۔ اس کی روشنی میں شیر کی ہیبت ناک صورت بھی نظر آنے لگی۔ تھی پر اس کے کان پر جوں تک نہ رینگی وہ تو اپنا مزے سے گردن جھکائے گھاس چرتا رہا اے لیجئے شیر اب دبے پاؤں آہستہ آہستہ اپنے شکار کی طرف آ رہا تھا۔ اس پر حملہ کرنے۔ مگر گھوڑا اپنی جان کی پروا کرتا یا نہ کرتا جہازیوں

پر تو اس وقت بُری بن رہی تھی ۔ وہ اس خطرے کا مقابلہ کرنے کے لئے جھپٹ پڑے ۔ ایک شخص تو شیر کا نشانہ بھی لینے لگا ۔ ٹھیک اسی وقت گھوڑے کو خطرے کا احساس ہوا اور اس نے بھاگنا شروع کیا ۔ گھوڑا آگے آگے شیر پیچھے پیچھے



اپنے شکار سے لمحے لمحے قریب ہو رہا تھا ۔

اب گولی چلانا بے کار تھا ۔ بھاگتے میں دونوں درختوں کی اوٹ اور سائے میں آ آ جاتے تھے ۔ ڈر تھا کہ گولی غلطی سے کہیں گھوڑے کے نہ لگ جائے

شیر گھوڑے کے بالکل قریب آ چکا تھا

کپتان نے جہاز کی رفتار خوب تیز کرنے کا حکم دے دیا ۔ تاکہ شکار اور شکاری دونوں ساتھ ساتھ چلتے رہیں ۔ ممکن ہے اس عرصے میں شیر کسی کی زد میں آ جائے ۔ اور گھوڑے کی جان خطرے میں ڈالے بغیر شیر پر گولی چلائی جا سکے ۔

زمین ہموار اور سخت ہوتی تو شیر گھوڑے کی پرچھائیں بھی نہ پاتا ۔ بھلا دوڑ میں عرب گھوڑے کا کون مقابلہ کر سکتا ہے مگر زمین بہت ناہموار اور اونچی نیچی تھی ۔ گھوڑا پوری تیزی سے دوڑ نہ پاتا تھا اور کاوے دے رہا

تھا۔ کبھی کبھی تو جہاز اور شیر اس قدر قریب آجاتے کہ ذراسی کوشش میں اُسے قابو میں کرلیتے۔

ارے! ارے!! یہ کیا!!! شیر تو بالکل قریب آگیا۔ اب چھلانگ لگائی —— اب لگائی —— ارے لیجئے گھوڑا دوڑتے دوڑتے ایک دم رُکا۔ پیچھے کی دونوں ٹانگیں پیٹ کی طرف لے گیا اور پوری طاقت سے دولتی جھاڑی۔ پوری طاقت سے —— اور —— اور جنگل کے بادشاہ سلامت چاروں خانے چت! اس اچانک حملے نے اُن کے حواس بگاڑ دیئے اور جنگل میں کھسک گئے۔

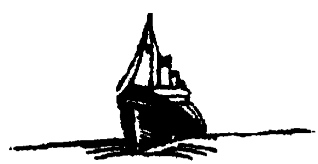
گھوڑا پھر گھاس چرنے لگا۔ دس منٹ تک برابر چرتا رہا۔ جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ نہ ہی شیر کی کوئی آواز بھی نہیں آئی۔ جہازی سمجھے غالباً گھوڑے کی دولتی سے شیر کے کاری ضرب لگ چکی تھی۔

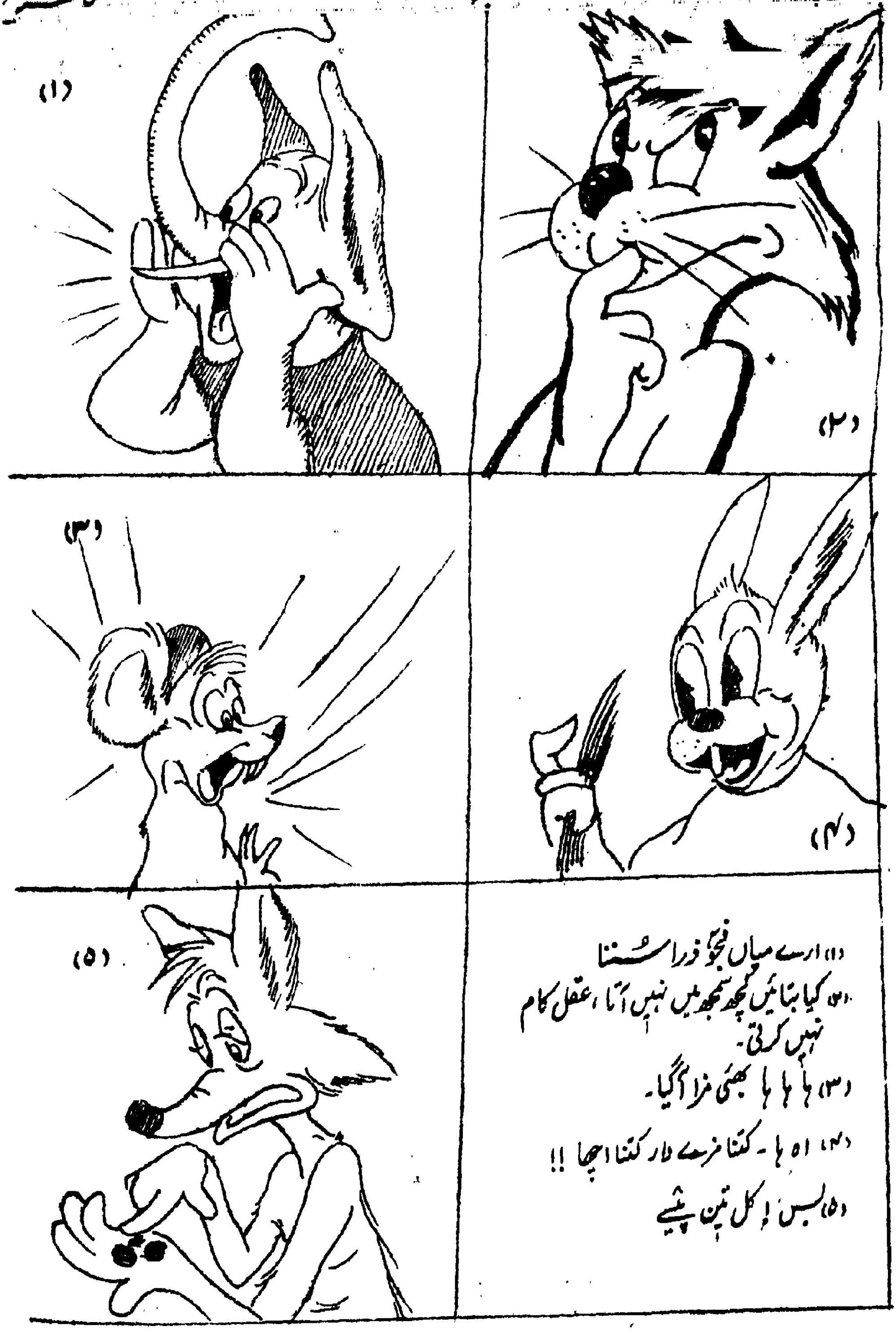
پر یہ بات بھی غلط۔ وہ جہاز پر بیٹھے انتظار کر رہے تھے۔ ارے لیجئے شیر جھاڑیوں میں سے پھر نمودار ہوا، اور سیدھا اپنے شکار کی طرف چلا۔ تیزی سے۔ اب کے وہ شکار کو ختم کرنے کا تہیہ کر چکا تھا۔

پر اب گھوڑا بھی پہلے سے ہوشیار تھا۔ اس مرتبہ وہ دریا کے کنارے کی طرف آرہا تھا اتنے جہاز بھی کنارے پر آگیا۔ ایک تختے کے ذریعے جہاز کو کنارے سے ملا دیا گیا اور گھوڑے میاں بغیر کسی خاص دقت کے اس تختے پر چڑھ کر جہاز میں، اور پھر اپنی کوٹھری میں آگئے، جان بچی اور لاکھوں پائے۔

دونوں سائیسوں کی اور جہازیوں کی جان میں جان آئی۔ جہاز فوراً بیچ دریا میں لایا گیا، اور بغداد کی طرف چل پڑا۔ ہر شخص اطمینان کا سانس لے رہا تھا۔ سب کو ایسا لگ رہا تھا جیسے چند گھنٹوں کے لئے کوئی خطرناک خواب دیکھا ہو۔

(انگریزی سے)




(۱)
(۲)
(۳)
(۴)
(۵)
(۱) ارے میاں فجّو ذرا سُننا
(۲) کیا بتائیں کچھ سمجھ میں نہیں آتا، عقل کام نہیں کرتی۔
(۳) ہا ہا ہا بھئی مزا آگیا۔
(۴) اہا ہا۔ کتنا مزے دار کتنا اچھا!!
(۵) بس! کل تین پیسے

اِنعامی سوال

چھ سے دس سال کی عمر کے بچوں کے لئے

نیچے دو سو باتیں لکھی جا رہی ہیں، اور آپ سے اُن کے جوابات پوچھنا ہیں۔ ممکن ہے آپ ان میں سے بہت سی باتیں پہلے ہی سے جانتے ہوں، اور کر بھی سکتے ہوں۔ لیکن بہت سی باتیں ایسی بھی ہوں گی جن کو آپ ابھی نہیں جانتے ہوں گے۔ مجھے اُمید ہے کہ آپ بہت جلد وہ باتیں بھی جاننے اور کرنے کی کوشش کریں گے۔ یقین جانئے زمانہ اب تیزی کے ساتھ بدل رہا ہے۔ اس زمانے میں آپ کے لئے خالی کتابوں کا پڑھنا کافی نہ ہوگا۔ اس لئے آج ہی سے اُن تمام کاموں کی عادت ڈالنی چاہیے جن کی آئندہ زندگی میں ضرورت ہوگی۔ ایسا کرنے سے آپ آئندہ کے اچھے شہری ثابت ہوں گے، اور آپ میں دلیری، پھرتی، چستی، تیاری اور اپنے پاؤں پر آپ کھڑا ہونے کی ہمت پیدا ہو گی۔

ممکن ہے ایڈیٹر صاحب یہ سارے سوال ایک ہی قسط میں نہ دے سکتے ہوں، لیکن سارے سوال ملنے پر اس عمر کا جو طالب علم مجھے سب سے پہلے یقین دلائے گا کہ وہ یہ تمام باتیں جانتا ہے اور کر سکتا ہے تو میں ایک خاص انعام پیام تعلیم کے ذریعے بھیج دوں گا۔

(آپ کا دوست) رگھوناتھ منٹو

چیف سوپروائزر محکمۂ تعلیمات جموں و کشمیر

۱۔ اگر تمھارے کوٹ یا قمیص کا بٹن ٹوٹ گیا ہو کیا تم اپنے ہاتھ سے بٹن لگا سکتے ہو؟

۲۔ کیا تم پھٹے ہوئے پاجامے یا قمیص کی خود مرمت کر سکتے ہو؟

۳۔ کیا اپنے پاجامے میں کمر بند ڈال سکتے ہو؟

۴۔ اپنے پہننے کے کپڑے خود دھوتے ہو؟

۵۔ رات کو سوتے وقت تم اپنے کپڑے خود اُتارتے ہو اور صبح خود پہنتے ہو، یا کوئی دوسرا شخص پہناتا ہے؟

۶۔ تم اپنے بوٹوں کے تسمے باندھنا جانتے ہو؟

۷۔ اپنے بوٹوں پر پالش کرنا جانتے ہو؟

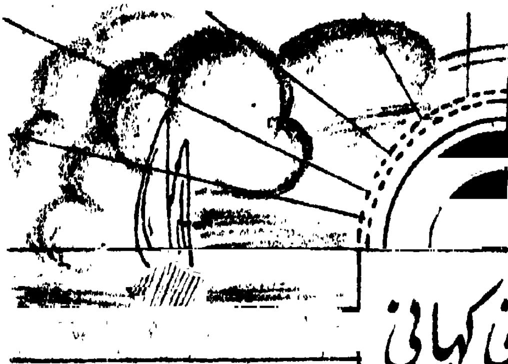
۸۔ کیا تمھارے پاس جیبی رومال ہے؟

۹۔ نہاتے وقت لنگوٹ یا کٹ کا استعمال کرتے ہو؟

۱۰۔ کیا تمھارے پاس اپنا تولیا ہے اور کیا اس کا

استعمال جانتے ہو؟
۱۱۔ کیا تم اپنا بستر آپ بچھاتے ہو اور صبح آپ ہی اُٹھاتے ہو؟
۱۲۔ کیا تم اپنے کپڑوں کی استری کرنا جانتے ہو؟
۱۳۔ کیا تم لالٹین کی چمنی صاف کرسکتے ہو؟
۱۴۔ لالٹین میں تیل ڈالنا جانتے ہو؟
۱۵۔ کیا تم دیوے کی بتی بنا سکتے ہو؟
۱۶۔ موم بتی جلانا جانتے ہو؟
۱۷۔ بجلی کا لیمپ روشن کرسکتے ہو؟
۱۸۔ کیا تم نے اپنے گھر میں پڑھنے کا کمرہ آراستہ کیا ہے؟
۱۹۔ بازار سے سودا سلف خرید کرنا جانتے ہو؟
۲۰۔ آج تک کون کون سی چیزیں خرید کر لائے ہو؟
۲۱۔ تم کس چیز کے بھاؤ سے واقف ہو؟
۲۲۔ تم کتنا وزن اٹھا سکتے ہو؟
۲۳۔ بوجھ اُٹھاتے شرم تو نہیں آتی؟
۲۴۔ کیا اپنی پنسل بنا سکتے ہو؟
۲۵۔ کیا اپنا قلم بنا سکتے ہو؟
۲۶۔ کیا اپنی تاریخ پیدائش جانتے ہو؟
۲۷۔ گھڑی سے وقت دیکھنا جانتے ہو؟
۲۸۔ گھڑی کی چابی لگانا جانتے ہو؟
۲۹۔ کیا تمھارے پاس ایک ڈائری ہے؟
۳۰۔ کیا تم اپنی ڈائری میں روزانہ جمع خرچ کا حساب درج کرتے ہو؟
۳۱۔ کیا تم اپنی ڈائری میں آس پاس کے واقعات یا حادثات درج کرتے ہو؟
۳۲۔ کیا فرصت کے وقت مطالعہ کرتے ہو؟
۳۳۔ اپنی درسی کتابوں کے علاوہ تم نے آج تک کن کن کتابوں کا مطالعہ کیا ہے؟
۳۴۔ کس کس اخبار کا نام جانتے ہو؟
۳۵۔ کون کون سے اخبار یا رسالے پڑھتے ہو!
۳۶۔ مہینے میں کتنے خط، کتنے پوسٹ کارڈ یا سادی چٹھیاں لکھتے ہو؟
۳۷۔ کیا تم سادہ لفافہ تیار کرسکتے ہو؟
۳۸۔ کیا تمھارے گھر میں کوئی کتب خانہ ہے؟
۳۹۔ کیا تم نے تصویروں یا پھولوں کا کوئی البم تیار کیا ہے؟
۴۰۔ تم کتنی کہانیاں جانتے ہو؟
۴۱۔ کیا شعر کہہ لیتے ہو؟
۴۲۔ تم نے آج تک کتنی نظمیں یاد کرلی ہیں؟
۴۳۔ کیا تم نے کبھی کسی ڈرامے میں حصّہ لیا ہے؟
۴۴۔ کیا آج تک کسی اخبار یا رسالے میں کوئی مضمون لکھا ہے؟

(باقی آئندہ)



بڑے آدمیوں کا دیس

ایک چینی کہانی

بہت دِنوں کی بات ہے۔ بہت پُرانے زمانے کی، چین کے کچھ اچھے اور نیک لوگ اپنے دیس کے لوگوں سے بیزار سے ہو گئے تھے۔ کچھ اُکتا سے گئے تھے اُن کے کرتوتوں سے۔

اُنھوں نے سوچا ہمیں سفر کرنا چاہیئے۔ کوئی ایسی جگہ کھوجنا چاہیئے جہاں لوگ اتنے مورکھ نہ ہوں۔ جہاں لوگ ایک دوسرے سے لڑتے جھگڑتے نہ ہوں۔ آپس میں ہلنساہت سے رہتے سہتے ہوں۔ ہر ایک کے دل میں دوسرے کی مدد کرنے کی اُمنگ ہو۔

اُنھوں نے نہ جانے کس سے ایک دیس کا نام سُن رکھا تھا "بڑے آدمیوں کا دیس" اُن کے دِل میں طرح طرح کے خیال پیدا ہو رہے تھے۔ بھلا کیسا دیس ہوگا وہ اور وہاں کس طرح کے لوگ رہتے بستے ہوں گے۔ آخر اِن لوگوں کا شوق بڑھا۔ اُنھوں نے طے کیا کہ چلو ہم خود اس ملک کو جا کر دیکھیں۔ ایک کشتی کرایے پر لی گئی اور سب اُس پر بیٹھ کر ایک طرف کو چل پڑے۔ کشتی بل کھاتے دریا میں آہستہ آہستہ بڑھتی رہی دن پر دن آگے کی طرف۔ آخر وہ جگہ آ گئی جہاں اُنھیں اُترنے کی ہدایت کی گئی تھی۔

اس قافلے کے سردار ٹنگ نے کہا بڑے آدمیوں کا شہر یہاں سے بس چند میل ہے۔ ان پہاڑیوں کے دوسری طرف سب ساتھی پیدل ہی شہر کی طرف چل پڑے۔ پہ ایک مشکل کا سامنا ہوا۔ ذرا آگے بڑھ کر اُن کی سڑک سے اور سڑکیں آکر ملتی تھیں اب کس طرف کو مڑیں۔ شہر کو کون سی سڑک جاتی ہے! خوش قسمتی سے اُنھیں ایک چھوٹا سا گھر نظر آیا۔ بانس کے درختوں کے جھنڈ میں ٹنگ نے آگے بڑھ کر دروازہ کھٹکھٹایا ایک بوڑھا آدمی باہر نکلا۔ ارے! ارے!!

یہ کیا؟ سب مسافر ہوچکا سے رہ گئے۔ بوڑھا بادلوں پر کھڑا تھا۔ کوئی فٹ بھر اونچے بادلوں پر۔ بڑے خوب صورت رنگ برنگے بادل، دھنک کے رنگوں کے۔

اتنے مہمانوں کو دیکھ کر وہ ٹھٹکا۔ ذرا کے ذرا گھر میں پلٹا اور فوراً ہی دروازے پر آگیا اپنی بیوی کے ساتھ۔ دونوں دروازے پر کھڑے ہوگئے۔ دھنک کے رنگوں کے بادلوں پر۔ دونوں اپنے مہمانوں کو دیکھ کر مسکرائے اور تعظیم کے لئے سر جھکایا۔ بڑے میاں نے بڑے میٹھے بولوں میں کہا "آئیے اندر تشریف لائیے۔ غریب خانے میں آرام فرمائیے۔"

چینی سیاحوں نے جواب میں سر جھکایا بڑے میاں کی مہربانی کا شکریہ ادا کیا، پر اندر نہ گئے۔

بڑے میاں نے مسافروں کا وطن پوچھا انھیں بتایا گیا کہ چین سے آئے ہیں اور سارا راستہ کشتی سے طے کیا ہے۔ پھر تو وہ پیچھے پڑ گئے۔ کہنے لگے "آپ سب لوگ اندر آجائیں، آرام کریں اور ہمارے ساتھ کھانا کھائیں۔"

ٹنگ نے بڑے میاں اور اُن کی بیوی کی آؤ بھگت کا شکریہ ادا کیا اور کہا "وہ سیدھے 'بڑے آدمیوں کا شہر' جانا چاہتے ہیں اجازت دی جائے۔ پر ہاں جانے سے پہلے ایک بات پوچھنا چاہتے ہیں۔

بڑے میاں:- ہاں ہاں پوچھو، ضرور پوچھو۔

ٹنگ:- آپ اور آپ کی بیوی بادلوں پر کھڑے ہیں۔ یہ بات سمجھ میں نہ آئی۔ کیا یہ بادل جنم سے آپ کے ساتھ ہیں۔

—— "ہاں ہمیشہ سے۔"

—— "کیا سارے بادل ایسے ہی خوب صورت ہوتے ہیں۔"

—— "بادل کے رنگوں پر ہمیں کوئی اختیار نہیں۔ دھنک کے رنگوں کے بادل ہر ایک کو پسند ہیں۔ پیلے یا زرد رنگ کا نمبر دوسرا ہے۔ پھر سرخ، نیلے اور ہرے بادلوں کا۔ بھورے اور کالے بادل سب سے خراب ہیں کوئی انھیں پسند نہیں کرتا۔"

—— "تو پھر بادلوں کے رنگوں کا فیصلہ کون کرتا ہے۔" ٹنگ کے سوالوں کا سلسلہ بڑھتا ہی جاتا تھا۔

بڑے میاں نے جواب دیا:- "بادل کا رنگ بدلتا رہتا ہے۔ اس کا دار و مدار ہر ایک کے دل کی حالت اور کیفیت پر ہے۔ مثلاً جب تم خوش ہوتے ہو اور تمھارے دل میں دوسروں کی مدد کی اُمنگ پیدا ہوتی ہے تو تمھارا بادل

دھنک کے رنگ کا ہو جائے گا، تم اداس ہو غمگین ہو، تمھارے دل میں کوئی بُرا جذبہ پیدا ہو، لڑائی جھگڑائی کا خیال آئے تو بادلوں کا رنگ بھورا یا کالا ہو جائے گا۔ غرض بادلوں کا رنگ دل کے اندر کی حالت کو ظاہر کرتا ہے۔"

ایک نوجوان چینی :۔ بھلا بادلوں کو دل کا حال کیسے معلوم ہو جاتا ہے۔

یہی بات تو عجیب ہے میرے عزیز تمھیں یہ بتانے کی ضرورت ہی نہیں کہ اس وقت تمھارے دل میں کیا ہے یا دل کو آپ ہی آپ معلوم ہو جاتا ہے، اور وہ تمھارے دل کے اچھے یا بُرے جذبے کے مطابق اپنا رنگ بدل لیتا ہے، کچھ کہنے سُننے کی ضرورت ہی نہیں ہوتی، تم اس معاملے میں کچھ کر ہی نہیں سکتے

چینی مسافر تعجب سے ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ بڑے میاں نے اپنی بات جاری رکھی۔

بس یہی چیز ہمارے ملک کی سب سے اہم ہے۔ تم اپنے دل کی بات چھپا نہیں سکتے دوسروں کو بے وقوف نہیں بنا سکتے، نہ یہ ممکن ہے کہ تمھارے دل میں کچھ ہو اور ظاہر تم کچھ اور کرو، تمھارا بادل اپنے رنگوں کے ذریعے جس سے بھی تم ملوگے، تمھارے دل کی بات بتا دے گا۔ تم اسے بتانا چاہو یا نہ چاہو۔"

چینی نوجوان بولا :۔ "نا بھائی۔ ایسے دیس میں رہتے ہوئے تو مجھے ڈر لگتا ہے۔ مجھے تو یہ بات بڑی انوکھی اور عجیب سی معلوم ہوتی ہے کہ لوگ جو کچھ دل میں سوچیں، وہ سب پر ظاہر ہو جائے۔"

نوجوان چینی نے ہیٹھ مونڈی جیسے اپنے دل کو ٹٹولنا چاہتا ہو۔

اس پر ایک اور چینی مسافر بولا :۔ "پر بھئی دیکھو تو، نہ دھوکا نہ فریب نہ دکھاوا۔ ہر وقت سچ ہی سچ۔ بھلا یہ بات اچنبھے کی نہیں

ایک اور چینی مسافر :۔ "ہاں اور کیا اور بھئی اپنے جی کی تو میں کہوں۔ میرا دل تو ہمیشہ یہی چاہے گا کہ میرا بادل ہمیشہ دھنک کے رنگوں کا ہو۔"

ایک نوجوان چینی نے بڑے اشتیاق سے پوچھا :۔ "تو بڑے میاں بہت سے لوگوں کے بادل کالے بھی ہوں گے۔"

بھئی اچھا تو یہ ہے کہ تم خود اس کی چھان بین کرو۔

(باقی آیندہ)

سیلون

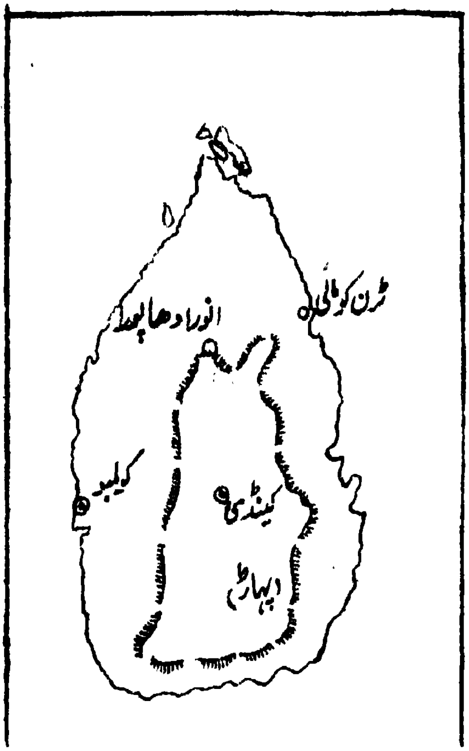
ساتھی

سیلون ہمارا قریبی پڑوسی ہے، یوں سمجھو کہ دیوار سے دیوار لگی ہے۔ پچھلی ۴ فروری کو اُس نے بھی اپنی آزادی کی دوسری سالگرہ منائی تھی۔

سیلون ایک جزیرہ ہے ہمارے دیس کے جنوب میں، کوئی ایسا بڑا نہیں۔ ۲۷۱ میل اُتر دکھن، پچھم سے پورب کل ۱۴۰ میل، مگر اسے اہمیت بہت حاصل ہے۔ اپنے پڑوسی ملکوں کے لئے اُسے ایک قلعہ سمجھو۔

پچھلی بڑی لڑائی میں سنگاپور تو انگریزوں کے ہاتھ سے نکل گیا تھا اور اسی کو لڑائی کی سرگرمیوں کا اڈا یا مرکز بنایا گیا تھا۔

سیلون کی تاریخ بہت پرانی ہے۔ حضرت مسیح سے کوئی ۵۰۰ برس پہلے یہاں آریائی نسل کے لوگ آباد ہوئے تھے۔ یہاں یہ سنہالی کہلائے۔ جزیرے پر انھی کی حکومت تھی، پرتگالیوں کے آنے



(سولھویں صدی عیسوی) تک یہی یہاں کے حاکم تھے۔ پرتگالی ساحلی علاقوں کے حاکم سمجھے جاتے تھے پر ۱۶۵۸ء میں ڈچوں نے انھیں یہاں سے نکال باہر کیا۔ انیسویں صدی

کے شروع میں انگریزوں نے اُبھرنا شروع کیا۔ ۱۸۱۵ء میں جزیرے کے حاکم بن گئے آخر سینکڑوں برس کی غلامی کے بعد دو برس ہوئے اُس نے بھی غلامی کا جُوا اُتار پھینکا، اور وہ بھی ہماری طرح آزاد فضا میں سانس لے رہا ہے۔

سیلون کی آب و ہوا مختلف ہے۔ سمندر کے کنارے گرم اور مرطوب۔ اندر پہاڑی علاقے کی آب و ہوا بہت خوش گوار نازک سے نازک مزاج سیاح بھی اسے پسند کرتے اور اپنی تندرستی کے لئے مفید پاتے ہیں۔

سیلون کا سب سے بڑا شہر کولمبو ہے آبادی کل ساڑھے تین لاکھ۔ بہت خوب صورت شہر ہے۔ ہر سال ہزاروں سیاح یہاں سیر کو آتے ہیں۔ اسے بہت ہی قرینے سے بسایا گیا ہے۔ چوڑی چوڑی سڑکیں دونوں طرف پیدل چلنے کی پٹریاں۔ ہرے بھرے گھاس کے میدان۔ بازار شہر کے بیچ میں۔

محلّوں کی طرف جائیے تو نئے نئے نمونوں کی خوب صورت کوٹھیاں ہر کوٹھی کے ساتھ ایک باغ یا چھوٹے چھوٹے بنگلے اور اُن میں خوب صورت پھولوں کی کیاریاں۔ سب مِل کر بڑا سُہانا منظر پیش کرتے ہیں اور سیاح کے دِل پر ایک نقش چھوڑ جاتے ہیں کانڈی پہاڑی مقام ہے جیسے ہمارے ہاں شملہ، نینی تال وغیرہ۔ بے انتہا خوب صورت۔ ہر سال ہزاروں سیاح اسے دیکھنے آتے ہیں۔

پلونا روا اور انورا دھا پورا پُرانے شہر ہیں۔ یہ سنہالی راجاؤں کے دار السلطنت تھے۔ ان کے کھنڈر اور یادگاریں پُرانی تاریخ بتاتی ہیں۔

پورے جزیرے میں سڑکوں کا جال بچھا ہے، صاف ستھری، تارکول کی سڑکیں چاروں طرف سبزہ لوٹ لگا رہا ہے سورج کی کرنیں جیسے اس کا مُنہ چوم رہی ہیں۔

جزیرے کی تہائی آبادی سنہالی ہے یہ آرین نسل سے ہیں۔ اُن کے رسم و رواج رہن سہن میں ہندو اثر کی نشانیاں اب بھی پائی جاتی ہیں۔

سنہالی بُدھ مذہب کو مانتے ہیں۔ بہت روا دار اور فراخ دل ہیں۔ دوسرے مذہبوں کے لوگوں کے ساتھ مِل جل کر رہتے ہیں۔

۱۹۴۶ء کی مردم شماری سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے زیادہ آبادی بُدھ مذہب ماننے والوں کی ہے یعنی ۴۲۸۸۰۰۰

پھر ہندوؤں کا نمبر آتا ہے ۱۳۲۶۰۰۰ ان کے بعد عیسائی ہیں ۶۰۶۰۰۰ پھر مسلمان ۴۰۰۰۰ اور دوسرے مذہب ماننے والے کل ۵۰۰۰۔

ربڑ، چار اور ناریل یہاں کی خاص پیداوار ہے۔ آزادی کے بعد حکومت نے پیداوار بڑھانے کی خاص کوشش کی ہے۔ جگہ جگہ بنجر زمین کو کھیتی باڑی کے قابل بنایا جا رہا ہے۔ پن بجلی کی بھی بہت بڑی اسکیم ہے، یہ اسکیم کامیاب ہو گئی تو بجلی بہت سستی ہو جائے گی۔

لوگوں کی گذر بسر کھیتی باڑی اور جزیرے کی پیداوار پر ہے۔ تجارت زیادہ تر باہر کے لوگوں کے قبضے میں ہے۔ پر اب آزادی ملنے کے بعد دیس کے اصل باشندے بھی آگے بڑھ رہے ہیں۔

بچّوں کی برادری

میرے پیامی ساتھیو! جے ہند

۱۲ر جنوری ۱۹۵۶ء کو بچوں کی برادری کے کچھ نمائندے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو سے ملنے گئے تھے۔ پنڈت جی نے برادری کو ۱۰۰ ہزار روپے اور بچوں کے نام ایک پیام عنایت فرمایا تھا اور ہم بچوں نے اس موقع پر پنڈت جی سے وعدہ کیا تھا کہ ہم ہندوستان کے بچوں کی ایک اچھی برادری بنا لیں گے۔ پیامی بھائیوں سے مجھے اُمید ہے کہ وہ میری اس سلسلے میں مدد کریں گے اور زیادہ سے زیادہ برادری کے ممبر بنائیں گے تاکہ ہم سب مل کر ایک اچھی برادری بنا سکیں۔

اس ماہ باہر کے مندرجہ ذیل ممبران نے برادری کا فارم پُر کیا

۵۔ نہال قادری ہسپورہ گیا
۶ سلطان احمد 〃
۷ بدر منیر بدر 〃
۸ عبدالمغنی حلیمی 〃
۹ محمد ہاشم 〃
۱۰ عبدالوہاب انصاری 〃
۱۱۔ عبدالاحد انصاری ہسپورہ گیا
۱۲۔ ابرار قادری 〃
۱۳۔ محمد شعبان 〃
۱۴۔ نعمان قادری 〃
۱۵۔ عبدالمتین جوہر 〃

افتخار احمد۔ صدر بچوں کی برادری



یہ چوہے

ہاں بھئی چوہے گھروں میں ہماری تمھاری نظروں کے سامنے اِدھر سے اُدھر دوڑتے چکّر لگانے والے دنیا کے لئے ایک مستقل عذاب ایک ایسی مصیبت جس سے چھٹکارا پانے کی کوئی سبیل نظر نہیں آتی۔

تم نے دیکھا ہوگا اُن کے بدن پر روئیں روئیں سے ہوتے ہیں تم انھیں بال کہہ لو۔ اِن بالوں میں بیماری کے نہ جانے کتنے جراثیم (خوردبینی کیڑے) ہوتے ہیں۔ طاعون اور اس کے علاوہ ٹائی فس، زرد بخار ہیو مانک پلیگ، اکوئین انفلوئنزا پیر اور منہ کی بیماری اور ٹائی کی نوسس غرض ان سب بیماریوں کے جراثیم یہ اپنی پیٹھ پر لئے گھومتے پھرتے ہیں اسی لئے مرے ہوئے چوہے کو چھونا بہت ہی خطرناک ہے۔

چوہوں کی کئی قسمیں ہیں، اور وطن ان سب کا ایشیا۔ یہاں سے یہ پانی کے جہازوں کے ذریعے دور دور ملکوں میں پہنچے، یورپ تک پہنچ گئے۔

انگلستان میں سب سے پہلے پیلا، سیاہ، لمبی دم والا چوہا پہنچا۔ یہ اب سے کوئی سات آٹھ سو سال پہلے مشرق یا ایشیا سے آنے والے جہاز میں آیا تھا۔

اپنے نئے وطن میں اس نے خوب خوب بیماریاں پھیلائیں۔ اب سے کوئی تین سو برس (۱۶۶۵ء) پہلے یورپ میں طاعون کی وبا بُری طرح پھیلی تھی انھی حضرت کی بدولت۔ ہزاروں لاکھوں انسان اس کی نذر ہوگئے تھے۔

۱۷۳۰ء میں ایک اَور نسل یورپ پہنچی، یہ بھی ایشیا سے آئی تھی۔ خاکی رنگ کی۔ اس نے کالے چوہوں کو مار بھگایا۔ یہ بس اب جہازوں اَور بندرگاہوں میں پائے جاتے ہیں۔

خاکی چوہے اب ہر جگہ ملیں گے۔ گھر، دفتر، کارخانے، گودام غرض کوئی جگہ اُن سے خالی نہیں ان کے ہاں پیدائش بھی بہت تیزی سے ہوتی ہے۔ ایک چوہیا سال بھر میں ساٹھ ہزار بچے پیدا کرتی ہے[1]

یہ چوہے بیماری پھیلا نے پر بس نہیں کرتے۔ غلّے اَور دُوسری کام کی چیزوں کو بھی اتنا ویسا نقصان نہیں پہنچاتے۔ خالی اناج سال بھر میں بیس لاکھ ٹن چٹ کر جاتے ہیں۔ ۱۹۴۷ء میں تو اُنھوں نے ۴۳ لاکھ ٹن اناج صاف کر دیا تھا۔ غلّے کی یہ مِقدار انگلستان کی پُوری آبادی کے لئے چار سال کو کافی ہوسکتی ہے۔

چوہوں کو ختم کرنے کی کوشِش سینکڑوں برس سے جاری ہے۔ ہزاروں لاکھوں روپے خرچ ہورہے ہیں۔ صرف انگلستان نے اَب کے اُن کے لئے پانچ ہزار پونڈ کی رقم اَور منظور کی ہے مگر چوہے مارنے والے ماہروں کا خیال ہے کہ یہ مہم بھی کامیاب نہ ہوگی جب تک دنیا میں ایک ایک چوہا ختم نہ کر دیا جائے۔ یہ لاکھوں کروڑوں کا خرچ بےکار ہے۔ یہ جبھی ہوسکتا ہے جب ساری دُنیا کے لوگ ایک ساتھ مِل کر چوہوں کے خلاف لڑائی چھیڑ دیں۔ سائی نائیڈ کے دھوئیں سے اِنھیں ہلاک کرسکتے ہیں۔

---

[1] بھلا ساٹھ ہزار! یہ تعداد تو بہت ہوئی۔ تُم چاہو تو اِس کے بارے میں حبیب اللہ صاحب سے پُوچھ سکتے ہو۔

لیکن اناج کے گوداموں میں یہ ممکن نہیں۔ ہاں زہریلا سفوف کارآمد ہے۔ زہریلے بسکٹ کا سفوف بھی سوراخوں میں ڈال سکتے ہیں۔ ہندوستان میں ان کے لئے چوہے دان بنائے گئے ہیں مگر چوہا بہت ذہین اور چالاک جانور ہے بڑی مشکل سے ان جالوں میں پھنستا ہے اسی لئے یہ لڑائی بھی دوسری لڑائیوں سے کچھ اہم نہیں اور اس میں بھی بہت زیادہ عقل سے کام لینا پڑے گا ایک تجربہ تو خود بھی کرکے دیکھو چوہوں کے چھپنے کے بِل گھر میں ہوں ان سب پر ریت، یہی دریائی ریت ڈال دو۔ چوہے کم سے کم تمہارے ہاں سے تو بھاگ جائیں گے ۔

(ماخوذ)

اِک ذرا سُنئے گا!

آپ امتحان تو دے چکے، اور بھئی خدا کے فضل سے کامیاب بھی ہو گئے۔ اب تو کچھ دنوں کے لئے مزے ہی مزے ہیں پر بھائی اِس زمانے میں آپ ہمارا کام نہ کر دیں گے ہمارا کیوں آپ ہی کا تو آپ کے پیامِ تعلیم کے لئے خریدار بنانا ہیں! اگر آپ نے پانچ خریدار بنا دیئے تو ایک سال تک رسالہ آپ کو مُفت پہنچتا رہے گا۔

بس کر جائیے ہمت

بڑے لڑکوں کے مضمون

سائنس داں

(ساتویں براعظم میں)

مزمل کریم



جعلے لنگ مہم کا ایک ساتھی

ساتویں براعظم کے بارے میں امین اعظمی صاحب کا مضمون دیکھ کر مجھے تعجب ہوا تھا، لیکن اسٹیشن میں تصویریں دیکھ کر یقین آگیا۔ سائنس دانوں کی ایک مہم انٹارکٹا گئی ہے۔ ان یاتریوں کا من بھاتا کھاجا سیل ہے، جس کا دلچسپ حال قیصر حسین صاحب زیدی لکھ رہے ہیں۔

۲۹ مارچ کا اخبار ابّا نے پڑھ کر سنایا۔ انٹارکٹا کی مہم کے پاس تار پہنچا کہ ۱۸ مارچ کو سورج گرہن ہوگا۔ پر وہ لوگ جنتری تو دیکھتے نہ تھے نہ دن کا انھیں خیال تھا۔ سمجھتے ہو انھیں تاریخ اور دن کا خیال کیوں نہ تھا۔ قیصر حسین صاحب زیدی کا شکریہ ادا کرو۔ انٹارکٹا میں مارچ میں دن ہی دن ہوتا ہے۔ سورج گرہن ۲ گھنٹے ۲۷ منٹ ۱۳ سیکنڈ رہا۔ آسمان بالکل صاف تھا، لیکن اُن کے پاس آلے نہ تھے جو سورج گرہن دیکھنے میں کام آتے (دیکھو سلامت اللہ صاحب کا مضمون جنوری ۸۵ء) انھوں نے کیسا اچھا موقع کھو دیا!

ذرا قیصر زیدی صاحب یا امین صاحب یہ تو بتائیں کہ یہ کیسے معلوم ہوا کہ ۱۸ مارچ کب تھا اور یہ کیسے معلوم ہوا کہ سورج گرہن اتنے بج کر اتنے منٹ پر شروع ہوا۔

بندروں کا انتقام

ازحسان غنی دیوروی، گیاوی

بکسر (آرہ) میں بندروں کی تعداد بہت ہے۔ ایک مرتبہ وہاں چند لنگور پہنچ گئے۔ لنگور تو

بندروں کے جانی دشمن ہوتے ہی ہیں، اس لئے لنگوروں نے موقع پاکر چند بندروں کو مار ڈالا بس پھر کیا تھا بندروں پر انتقام کا بھوت سوار ہوگیا۔

دوسرے دن عدالت کے سامنے میدان میں ہزاروں بندر جمع ہوگئے۔ ان میں لال منہ کا بندر جو سب سے بڑا معلوم ہوتا تھا سب بندروں سے آگے تھا اور شاید وہی سب بندروں کا سردار تھا سب بندر ول کے ہاتھ میں ایک ڈنڈا تھا اور بندروں کا سردار سب بندروں کو ترتیب دے رہا تھا۔

یہ تماشا دیکھ کر عدالت کے سبھی ملازمین بندروں کے پیچھے ہولئے۔ بندر سب چلے جا رہے تھے چلتے چلتے ایک میدان میں سب بندر پہنچے جہاں چند لنگور کچھ کھا رہے تھے۔

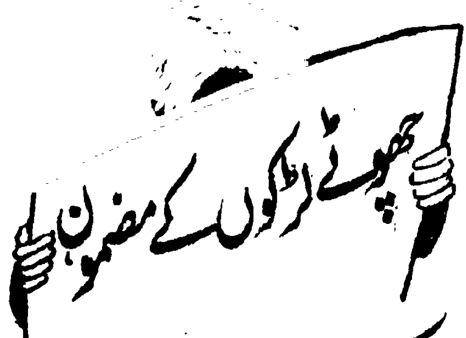
بندروں کو دیکھتے ہی ایک لنگور بندروں کے سردار پر جھپٹا مگر بندروں کے سردار نے لنگور کے سر پر ایک ڈنڈا جما دیا اور کچھ بولا۔ بس پھر کیا تھا سب بندر لنگوروں پر ٹوٹ پڑے اور لڑائی شروع ہوگئی۔ بندروں نے لنگوروں کو اتنا مارا کہ وہ سب بھاگ کھڑے ہوئے اور اسی دن بکسر سے چلے گئے

اتفاق

شکیل احمد بھٹکل

اتفاق کے معنی آپس میں مل جل کر رہنے اور ضرورت کے وقت ایک دوسرے کے کام آنے کے ہیں۔ اتفاق سے رہنا ہمارا فرض ہے اور ہمارے پیارے پیغمبر حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ صلعم نے فرمایا ہے اور ہمارے دین (اسلام) میں جتنی عبادتیں ہوتی ہیں یہ سب مل جل کر ہوتی ہیں۔ سب سے بڑی عبادت نماز ہے۔ اللہ تعالےٰ قرآن میں فرماتا ہے کہ نماز دین کا ستون ہے، جب مؤذن اذان کہتا ہے تو سب نمازی مسجد میں جمع ہو کر سب ایک ساتھ نماز پڑھتے ہیں، اور اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ دین کی رسّی کو مضبوط پکڑو یعنی اتفاق سے رہو۔ آپس میں پھوٹ اور دشمنی پیدا نہ کرو اور ہم ایک عمارت کی اینٹیں ہیں جو ایک دوسرے کو سہارا دیتی ہیں۔ اگر ہم کسی دھاگے کو لیں اور ہم اسے توڑنا چاہیں تو آسانی سے ٹوٹ جائے گا اگر ہم بہت سے دھاگے ملالیں تو ہم مشکل سے توڑ سکیں گے۔ اتفاق ایک قوت ہے۔ پیارو آج سے عہد کرلو کہ آپس میں اتفاق سے رہیں گے اور اللہ تعالےٰ ہمیں اتفاق کی ڈوری مضبوط پکڑنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

آمین ثم آمین



ہوائی جہازوں کی ریس

خورشید جمال قدوائی، دہلی

ہوائی جہازوں کی ایک دوڑ ۱۹۳۱ء میں ہوئی تھی۔ دوسری دوڑ ۱۹۳۶ء میں ہوئی اور تیسری اب فروری ۱۹۵۵ء میں ہوئی۔ جہاز دہلی سے کلکتے گئے تھے۔ ٹھہرنے کی راستے میں پانچ جگہیں تھیں۔ آگرہ، لکھنؤ، الہ آباد، پٹنہ اور آسنسول۔ ۱۴ آدمیوں کے نام آئے تھے، ان میں سے ۹ آدمیوں نے حصہ لیا۔ اس کا افتتاح نائب وزیر رسل و رسائل شری خورشید لال نے کیا۔ اور وزیر رسل و رسائل شری رفیع احمد قدوائی اور وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو نے پیغامات بھیجے۔ دو جہازوں کو انجن خراب ہونے کی وجہ سے راستے میں رکنا پڑا۔ سات جہاز منزل مقصود پر پہنچ گئے۔ انعامات ایر کمانڈر بہار نے تقسیم کئے، ان میں کیپٹن جوشی مسٹر ایڈمنٹن اور فلائٹ لفٹننٹ کنٹریکٹر کو کپ ملا۔ سب سے زیادہ رفتار ۲۵۰ میل فی گھنٹہ تھی اور ایک چھوٹی دوڑ ۱۴۳ میل فی گھنٹہ تھی۔ جسے مسٹر پریم ماتھر نے جیتا۔ کہا جاتا ہے کہ اگلی دوڑ لکھنؤ میں ہوگی۔

لطیفے

استاد۔ احمد خدا نے ہمیں پیدا کیا ہے، ہمیشہ اس کا کہنا ماننا چاہیے

احمد۔ (ذرا بگڑتے ہوئے انداز میں) آخر کس کس کا کہنا مانیں۔ آپ کہتے ہیں خدا نے پیدا کیا ہے۔ ابا، امی کہتے ہیں ہم نے پیدا کیا ہے

بانو۔ اے جعفر، پونا

تین آدمی ہانپتے ہانپتے اسٹیشن پہنچے۔ جلدی سے ٹکٹ لیا۔ ریل نے سیٹی دے دی تھی اور آہستہ آہستہ جا رہی تھی۔ ٹکٹ بابو اور قلی نے دو آدمیوں کو تو گارڈ کے ڈبے میں ڈھکیل دیا، تیسرے کی باری آئی تو گاڑی بہت تیز ہو گئی تھی۔ قلی بولا "بابوجی بڑا افسوس ہے آپ رہ گئے" مسافر نے کہا: مجھے زیادہ افسوس ہے کہ یہ دونوں تو مجھ کو پہنچانے آئے تھے"

مستحسن حامد - ابتدائی ششم (جامعہ نگر)

خریدار:- نسخے میں شربت شہتوت لکھا تھا اور تم نے شربت انناس دے دیا، اتنی بڑی غلطی!

دکاندار:- سچ مچ! اچھا تو ایک چونی اور داخل کیجئے۔

ریاض:- ملیریا کی تو اس سے اچھی کوئی دوا نہیں۔

رام دیال:- کبھی تم نے اسے آزمایا بھی ہے۔

ریاض۔ مجھے بیس برس سے یہی بیماری ہے، اور میں نے اس کے سوا کوئی دوا استعمال نہیں کی۔

راشد:- ڈاکٹر صاحب مجھے کئی برس سے کوئی بیماری نہیں ہوئی۔

ڈاکٹر:- پھر؟

راشد:- بس یہ فکر ہے کہ میرے جسم میں کوئی گڑبڑ تو نہیں۔

مریض:- ڈاکٹر صاحب میرے بچنے کی کتنی امید ہے۔

ڈاکٹر:- سو فی صدی

مریض:- سچ مچ!!

ڈاکٹر:- اس ملک کے اعداد و شمار کے مطابق ہر ۱۰ میں سے ۹ آدمی مرجاتے ہیں۔ میں نے جن لوگوں کا علاج کیا، سب مر گئے، تم دسویں ہو۔

نیاز احمد ہنجم (الف) مدرسہ ابتدائی جامعہ نگر، دہلی

اِدھر اُدھر سے

شاہد علی خاں

۱۔ امریکہ کی نئی مردم شماری کے بعد یہ اندازہ کیا گیا ہے کہ مردوں سے عورتوں کی تعداد تقریباً دس لاکھ زیادہ ہوگی۔

۲۔ آسٹریلیا کے اوّل درجے کے تیراک جان مارشل نے ۲۰۰ گز کا فاصلہ صرف ۲ منٹ اور ۶ سکنڈ میں طے کیا۔

۳۔ برطانیہ کے ایک نئے ہوائی جہاز کی رفتار ۲۸۰ میل فی گھنٹہ ہے۔

۴۔ جبل پور سے کوئی ۵ میل دور مدن محل کے قریب ایک بڑا تالاب برآمد ہوا ہے۔ اس کے کھنڈر بتاتے ہیں کہ اُسے عہدِ مغلیہ میں تعمیر کیا گیا تھا۔ اس کا پانی صاف اور شفاف ہے۔ تالاب کے بیچ میں ایک پھاٹک بھی ہے۔

۵۔ راجستان کے آنے والے انتخابات کے ووٹروں کی فہرست میں ایک پان فروش کا نام ہے جس کی عمر ۱۰۶ سال کی ہے۔ وہ اب بھی پوری طرح تندرست ہے۔

۶۔ لندن میں ایک ۱۴ سالہ انگریز لڑکی (جس کی بائیں آنکھ بالکل خراب ہے) اپنے اسکول کی دہلیز پر گر پڑی اور جب وہ اُٹھی تو اُسے محسوس ہوا کہ اب وہ اپنے بائیں آنکھ سے اچھی طرح دیکھ سکتی ہے ڈاکٹر اس کی آنکھ کا معائنہ کر رہے ہیں۔

۷۔ موگہ میں ایک چمڑے کے بیوپاری کے لڑکے کا دل بجائے بائیں جانب کے دائیں جانب ہے اس کی عمر ۸ سال ہے۔ ڈاکٹروں نے اُس کے باپ سے کہہ دیا ہے کہ اس لڑکے کا علاج سوائے روس اور امریکہ کے کہیں نہیں ہو سکتا۔ لڑکے کی زبان کا رنگ نیلا ہے۔ سانس دمہ کے مریض کی طرح لیتا ہے۔

۸۔ پیرس کے ہسپتال میں ایک ایسا مریض آیا جس نے اتفاق سے کھجور کی ایک گٹھلی نگل لی تھی وہ معدے میں کسی جگہ اٹک گئی کچھ عرصے کے بعد اس کا پیٹ بڑھ گیا تھا اور بہت سخت درد اُٹھا۔ ڈاکٹروں نے معائنے کے بعد آپریشن کیا تو پیٹ سے چھ انچ لمبا

۴ کھجور کا ایک پودا برآمد ہوا۔

६. संसार में सबसे बड़ी सेना रूस की लाल सेना है।

पिछले अंक की बातों का उत्तर

१. हमारे देश का सबसे बड़ा त्यौहार "स्वाधीनता दिवस" है। यह प्रति वर्ष १५ अगस्त को, १५ अगस्त सन् १९४७ के उस महान् दिन को याद में मनाया जाता है जिस दिन हमारे प्यारे देश को आजादी मिली थी।

२. आर्यावर्त्त, हिन्दुस्तान, इण्डिया, भारत-वर्ष।

३. महात्मा गांधी हमारे सबसे बड़े नेता थे, वह पोरबन्दर (गुजरात) में रहते थे।

४. पंडित जवाहरलाल नेहरू हमारे देश के प्रधान मन्त्री हैं।

५. हमारे देश के राष्ट्रपति का नाम डा० राजेन्द्रप्रसाद है।

६. २६ जनवरी को हमने "जनतन्त्र-दिवस" मनाया था उस दिन हमारा देश जनतन्त्र बना था। 'जन-तन्त्र' का अर्थ होता है 'जनता का राज्य'।

७. अपने पिता से पूछो।

८. साल में बारह महीने होते हैं और ३६५ दिन।

९. देहली, बम्बई, कलकता और मद्रास।

१०. हमारे देश की जन संख्या मार्च १९५० ई० में ३४७०००००० थी।

——

देश हमारा

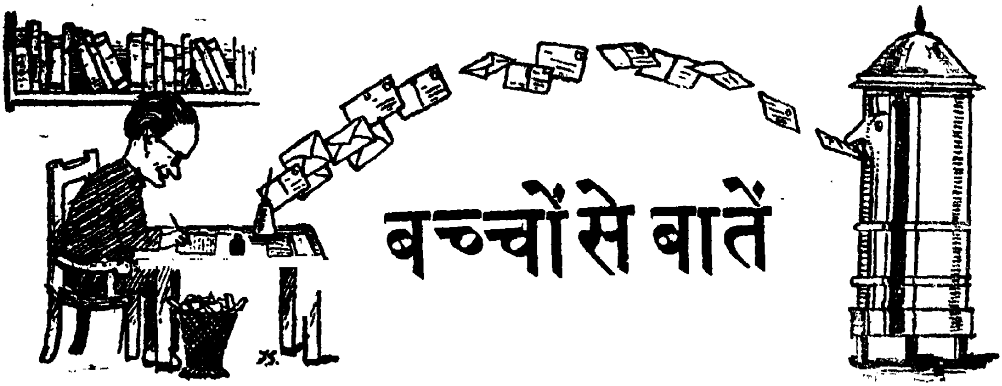
सबसे अच्छा देश हमारा!
देश हमारा भारत प्यारा,
सबसे अच्छा, सबसे न्यारा,
तीन ओर सागर लहराता,
जिससे जग से जुड़ता नाता,
सबसे अच्छा देश हमारा,
देश हमारा, भारत प्यारा!

एक ओर हैं पर्वत ऊँचा,
नाम हिमालय जग से ऊंचा,
निश दिन रक्षा करे हमारी,
ऐसी मातृभूमि है प्यारी!
सबसे अच्छा देश हमारा,
देश हमारा भारत प्यारा!

सभी अन्न फल उपजाता है,
खनिज वस्तुओं का दाता है,
कपड़ों के है ढेर लगाता,
नमक तेल लकड़ी पहुंचाता,
सबसे अच्छा देश हमारा,
देश हमारा भारत प्यारा!

हम भी अच्छे काम करेंगे,
नहीं किसी से कभी डरेंगे,
सदा करें इसका अभिमान,
इस पर होंगे हम बलिदान,
सबसे अच्छा देश हमारा,
देश हमारा भारत प्यारा!

—मदन मोहन लाल दीक्षित लखनऊ



बच्चों से बातें

क्या तुम जानते हो ?

१. वर्ष भर में तुम्हारी उंगलियों के नाखून कितने बढ़ते हैं ? उत्तर—ढाई इंच।

२. वर्ष भर में मनुष्य के बाल कितने बढ़ते हैं ? उत्तर—१६ इंच।

३. शिकारी कुत्ता एक घंटे में कितनी दूर दौड़ सकता है ? उत्तर—३६ मील।

४. समाचार ले जाने वाला कबूतर एक घंटे में कितनी दूर चला जाता है ?

उत्तर—४० मील।

५. पृथ्वी पर दौड़ने वाले पशुओं में सबसे तेज कौन दौड़ता है ? उत्तर—शुतुरमुर्ग। उसके दौड़ने की चाल है ६० मील प्रति घंटा। यदि मोटर कार और वह साथ साथ दौड़ें तो शुतुरमुर्ग ही आगे निकल जावेगा।

बताओ तो जानें

एक बाग में ६ दरवाजे हैं। हर एक दरवाजे पर एक एक चौकीदार बैठा है। एक लड़का बाग में से फल तोड़ने के लिए चौकीदारों से इजाजत मांगता है। पहला चौकीदार उससे कहता है कि वह जितने फल तोड़ेगा उसमें से आधे उसे चौकीदार को देने होंगे। लड़का कहता है कि मैं आधे फल देकर उनमें से एक वापिस ले लूंगा। यही बात बाकी पांच चौकीदारों के साथ होती है। लड़का फल तोड़ता है और अपनी शर्त के अनुसार प्रत्येक को आधे फल देकर एक वापिस ले लेता है। बाग से बाहर आने पर उसके पास उतने ही फल थे जितने उसने तोड़े थे। बताओ उसने कितने फल तोड़े थे ? (उत्तर और ठीक बताने वालों के नाम अगले अंक में छापे जावेंगे)

सबसे लम्बे

१. संसार की सबसे बड़ी घाटी मैक्सिको (अमेरिका) की घाटी है, उसकी लम्बाई ४२४० मील है।

२. सबसे लम्बा पुल भारत में सोन ब्रिज है, जिसकी लम्बाई १००५० फुट है।

३. साल मेंसबसे लम्बा दिन २२ जून को होता है।

४. संसार में सबसे बड़ी लायब्रेरी पेरिस में है। यहां ७९०००० किताबें हैं।

५. संसार का सबसे गर्म स्थान भारत में जैकोबाबाद है। यहां का तापमान १२८ डिग्री होता है।

तब हम दोनों उस दरवाजे में घुसे। वह दरवेश मुझे उस कमरे में लेगया जहां चारों ओर धन ही धन था। मैंने तब से पहले इतना धन कभी नहीं देखा था। मैं जल्दी जल्दी उस धन को अपने ऊंटों पर लादने लगा। दरवेश एक ओर जा बैठा। ऊंट लद जाने के बाद उस दरवेश ने मुझे बुलाया और एक छोटी सी डिबिया दिखा कर कहा—यह एक बड़ी अजीबो ग़रीब चीज़ है।"

ऊंट लेकर हम दोनों घाटी से बाहर आये दरवेश ने मुझ से अपने हिस्से के ऊंट मांगे। अधिक धन देखकर मेरे दिल में बेइमानी आगई। मैंने उसका गला घोंट कर उसे मार डाला और उसकी जेब से वह डिबिया निकाल ली।

कुछ दूर चलने पर मेरे मन में उस अजीबो ग़रीब चीज़ की करामात देखने की इच्छा हुई। मैंने एक स्थान पर रुक कर उस डिबिया को खोला। उस डिबिया में पीले रंग का मलहम था। और साथ ही एक पर्चा भी रक्खा था। उसमें लिखा था इस मल्हम को दांई आंख में लगाने से पृथ्वी के नीचे गड़ा खज़ाना दिखाई देने लगता है और बांई आंख में लगाने से मनुष्य अंधा हो जाता है।

यह पढ़ कर मैंने जल्दी से वह मल्हम अपनी दाईं आंख में लगा लिया। "ओह! इतना धन।" मैं प्रसन्नता से चीख पड़ा। धरती के नीचे चारों ओर धन ही धन दिखाई देता था। अवश्य इस मल्हम को बांई आंख में लगाने से और भी अधिक धन दिखाई देगा, यह सोचकर मैंने दूसरी उंगली से अपनी बांई आंख में भी वह मल्हम लगा लिया।

'किन्तु यह क्या? चारों ओर अंधकार कैसा?' मैंने अपने हृदय में कहा। तब मुझे ध्यान आया कि मैंने यह क्या कर लिया था। अब मैं अन्धा हो चुका था। अन्त में मैं रोता चीखता यहां तक पहुंचा, और अब मैंने यह निश्चय कर लिया है कि हर दान देने वाले से कहा करूं कि वह पहले मेरे थप्पड़ मारे फिर दान दे। इस तरह मुझको हमेशा अपना पाप याद रहेगा और तब मैं इसके लिये परमात्मा से माफी मांग लिया करूंगा।"

यह हाल सुनकर खलीफ़ा को उस फकीर की दशा पर बहुत दुःख हुआ और उन्होंने अपने नौकर को बुलाकर कहा कि इस फकीर को रोज दो रोटी खिला दिया करो।

, मोहसिन हामिद, जामिआनगर

(पृष्ठ ४ से आगे)

आयु बढ़ाए। तुमने इतना कह कर मेरी हिम्मत बढ़ा दी। 'यह कर विलियम टेल ने अपनी कमान खेंची और होशियारी से तीर छोड़ दिया। तीर पेड़ के तने में घुस गया। सेब दो टुकड़े हो कर जमीन पर गिर गया। यह देख कर गिलसर की आंखें खुली की खुली रह गयीं और उसके मुंह से निकला: 'शाबास जाओ और मेरा धन्यवाद करो। अब तुम स्वतन्त्र हो।' विलियम टेल ने उत्तर दिया: 'मैं तुम्हारा नहीं केवल प्रभु का धन्यवाद करूंगा, जिसने तीर को निशाने पर पहुंचाया और तुमको भी प्रभु का धन्यवाद करना चाहिये क्योंकि उसने तुम्हारी भी जान बचाई। अगर पहला तीर मेरे पुत्र के लगता तो दूसरा तुम्हारे सीने के पार होता।"

—शाहिद अली खां अफ़गानी, जामिआनगर

खलीफा और फकीर

हारूं रशीद बगदाद के एक खलीफा थे। वह हर रोज सूर्यास्त होने पर भेष बदल कर अपनी जनता की दशा देखने के लिये शहर में निकल जाते थे। एक शाम को वह रोज की भांति महल से निकले। अभी वह कुछ ही दूर गये होंगे कि उनकी दृष्टि एक फकीर पर पड़ी। फकीर एक दीवार के सहारे हाथ फैलाये बैठा था। खलीफा ने उसकी यह दशा देखी तो उनको उस पर बड़ी दया आई और उन्होंने धीरे से उसके हाथ पर एक अशरफी रख दी। अंधे फकीर ने अशरफी तो ले ली परन्तु खलीफा का हाथ थामते हुए उसने कहा—"आपने मुझे एक अशरफी देकर बड़ी दया की है। परन्तु मैं इसको उस समय तक न लूंगा जब तक आप मेरे सिर पर एक तमाचा न लगावें।

फकीर की यह बात सुनकर खलीफा को बहुत अचम्भा हुआ। उन्होंने नम्रता से कहा—'मैं ऐसा नहीं कर सकता।'

यह सुनकर अंधा खलीफा को अशरफी लौटाने लगा। अशरफी लौटाते हुए फकीर ने कहा—'मैं बिना तमाचा खाए इस दान को नहीं ले सकता।

लाचार होकर खलीफा ने तमाचा मार दिया। परन्तु वह इसका कारण जानने के लिए बेचैन हो उठे। उन्होंने दूसरे ही दिन नौकर को भेज कर उस अंधे फकीर को अपने महल में बुलवाया और पिछले दिन के तमाचे का कारण पूछा।

कारण पूछा जाने पर फकीर रोने लगा। उसने रोते रोते अपनी कहानी इस प्रकार सुनाई—

हुजूर, मेरा नाम मलिक है और मैं बगदाद के एक बहुत बड़े व्यापारी का पुत्र हूँ। एक बार मैं व्यापार के लिये विदेश गया। अभी मैं कुछ दूर ही गया था कि मुझे एक दरवेश मिला। उसने मुझ से कुछ खाने को मांगा। मेरे पास थोड़ा सा भोजन था, वह हम दोनों ने एक पेड़ के नीचे बैठकर खाया। इधर उधर की बातें करने के बाद दरवेश ने मुझे बतलाया कि कुछ ही दूर पर इतना धन गड़ा है कि यदि उसमें से कोई सौ ऊंट भी लादकर ले जाए तब भी उसमें किसी प्रकार की कमी नहीं पड़ेगी। यह सुन कर मेरे मुंह में पानी भर आया और मैंने दरवेश से कहा—भाई, मेरे पास चालीस ऊंट हैं। यदि तुम मुझे उस धन तक पहुंचा दो तो मैं अपने आधे ऊंट लदवा कर तुम्हारे साथ कर दूंगा। यह सुनकर वह उठा और मुझे एक घाटी में ले गया।

अचानक वह एक स्थान पर रुक गया और कुछ मन्त्र आदि पढ़ कर उसने एक ओर फूंक लगाई। तुरन्त ही घाटी में दरवाजा दिखाई देने लगा।

विलियम टेल

बहुत दिन की बात है। स्विटज़र लैंड में एक बहादुर आदमी रहता था। वह तीर चलाना बहुत अच्छा जानता था। उसका नाम विलियम टेल था।

विलियम टेल का एक पुत्र था। जिससे वह बहुत प्रेम करता था। विलियम टेल के लड़के की आयु अभी पूरी दस वर्ष की भी नहीं हुई थी कि उसकी माता की मृत्यु हो गयी। अब विलियम जहां भी जाता था, अपने पुत्र को अपने साथ ज़रूर ले जाता था।

स्विटज़र लैंड में एक छोटी सी बस्ती है जिसका नाम अलटोरफ़ है। उस समय अलटोरफ़ में गिलसर नामक एक हाकिम था जो बहुत ही दुराचारी और अन्यायी था।

एक दिन की बात है कि विलियम टेल अलटोरफ़ कुछ सौदा खरीदने गया। उसके साथ उसका पुत्र भी था। जिस समय वह अलटोरफ़ के बाजार में से जा रहा था तो उसकी नज़र एक गड़े हुए बांस पर पड़ी। बांस पर एक टोपी पड़ी थी और गिलसर, जिसकी वह टोपी थी, उसके समीप ही घोड़े पर सवार था। कुछ सिपाही भी उसके आसपास खड़े थे।

गिलसर ने विलियम टेल को देखते ही कहा: "झुक जाओ, इस टोपी के सामने वरना मौत के घाट उतार दिये जाओगे।" विलियम टेल ने गिलसर की ओर देखा और प्रणाम करके आगे चलने लगा। गिलसर यह देख कर ज़ोर से बोल उठा: 'इस कुत्ते को पकड़ लो, इसको मेरी टोपी के आगे झुकना पड़ेगा या मरना होगा।"

विलियम टेल ने जवाब दिया: "मैं केवल प्रभु के सामने झुक सकता हूँ मगर किसी आदमी की टोपी के सामने नहीं। तुम मेरी जान खुशी से ले सकते हो।"

गिलसर का चेहरा क्रोध के कारण लाल हो गया। उसने शीघ्र ही सिपाहियों को आज्ञा दी: "इसे कत्ल कर दो" फिर कुछ सोच कर अपने सिपाहियों से कहने लगा: 'इस आदमी के लड़के को उस वृक्ष के नीचे ले जाओ और उसके सर पर एक सेब रख दो। फिर विलियम टेल की ओर देख कर बोला: 'तुम चालीस या पचास क़दम की दूरी पर खड़े होकर उस सेब को उड़ा दो। अगर तुम नाकामयाब हुए तो दोनों मार दिये जाओगे वरना आज़ाद कर दिए जाओगे।'

विलियम टेल पहले तो बहुत घबराया लेकिन फौरन ही उसके कानों में उसके लड़के की आवाज़ आई जो कह रहा था: 'पिताजी, प्रभु पर भरोसा रखिए और निशाना लगा कर हम दोनों को बचा लीजिए।'

विलियम टेल ने कहा: 'पुत्र, प्रभु तुम्हारी

(शेष पृष्ठ ६ पर)

बीमार आदमी को एक अलग कमरा दे दिया जाता है। इस कमरे में केवल रोगी के निकट सम्बन्धी ही जा सकते हैं। जो लोग स्वस्थ होने की दशा में उसकी ओर से लापरवाह रहा करते थे, वे ही बीमार हो जाने पर उसका आदर करते हैं, उसकी प्रत्येक आज्ञा का पालन करने लगते हैं। सब लोग उस कमरे में आते समय बहुत ही धीरे धीरे और सम्हल कर चलते हैं ताकि रोगी के आराम में कोई विघ्न न पड़े। सब रोगी की मूर्खता भरी बातें भी मानने को तैयार हो जाते हैं। बीमार का कमरा तो मानो उसकी अदालत का कमरा है, जहां केवल वे लोग ही आ सकते हैं, जिन्हें आने के लिये वह आज्ञा दे देता है, दूसरों को अन्दर नहीं आने दिया जाता। सच तो यह है कि बीमार पड़ने पर कुछ समय के लिये तो राज ही मिल जाता है। कहा जाता है कि सफाई परमात्मा से भी आगे की वस्तु है, मेरे विचार में तो बीमारी ही परमात्मा से भी आगे की वस्तु है क्यों कि रोगी की सेवा और पूजा परमात्मा की तरह ही की जाती है।

इसके अतिरिक्त, खाने पीने के मामले में भी रोगी की पसन्द और ना पसन्द का बहुत ध्यान रक्खा जाता है। मेरी तो बीमार पड़ने की बहुत इच्छा होती है। रोगी को प्रसन्न करने के लिये मंहगे से मंहगे पदार्थ मंगाये जाते हैं ताकि उसका खाने का मन करे और वह जल्दी ही ठीक हो जावे। जब रोगी की दशा कुछ अधिक बुरी हो जाती है तो सब लोग परमात्मा से उसके लिये प्रार्थनायें करने लगते हैं। वास्तव में बीमार आदमी तो बादशाह के समान होता है क्योंकि जो लोग उसके स्वास्थ्य के बारे में चिन्ता करते हैं वे उसकी प्रजा के समान होते हैं और किसी भी प्रकार की बहस किये बिना उनकी आज्ञाओं का पालन कर देते हैं।

धीरे धीरे रोगी अच्छा होने लगत है। अब भी लोगों को यह डर रहता है कि रोग रोगी को फिर न आ दबाए। अब भी गिने चुने लोग ही उससे मिलते हैं। जिस कुर्सी पर रोगी बैठता है, वही उसका राज सिंहासन होता है। उसी राज सिंहासनसे वह, चाहे जितनी हल्की आवाज में, अपने निकट बैठ लोगों को आज्ञायें देता रहता है। जैसे जैसे रोगी अच्छा होता जाता है, वैसे ही वैसे उसका राज्य उससे छिनता जाता है।

जल्दी ही वे लोग उसे छोड़ देते हैं, जो बीमारी की दशा में उसकी आवाज पर ध्यान लगाए उसके पीछे ही खड़े रहते थे। अब उसका कमरा दिन भर खुला रहता है और सब लोग उसमें आ जा सकते हैं। उसके प्रजा जन, जो रात दिन उसके लिये प्रार्थना किया करते थे, अब उसे अपने में से ही एक मानने लगते हैं। अब उसके सम्बन्धी उसके कमरे में धीरे धीरे न आ कर लापरवाही से घुस आते हैं। उसकी कुर्सी, उसका वह राज्य सिंहासन कोहरे की भाँति विलीन हो जाता है। वह कमरा जहाँ वह बीमारी की दशा में शान से रहा करता था, अब उसे अच्छा नहीं लगता। उसे ऐसा लगता है जैसे वह कोई राजा हो जिसे उसकी गद्दी से जबरदस्ती उतार दिया गया हो। ओह कितना पतन है! —विलास

"क्या ठाठ रहता है" बीमार पड़ने पर............

("क्या ठाठ रहता है !" इस सिरीज़ का पहला लेख यहां दियाजा रहा है। इसी प्रकार और भी बहुत से लेख लिखे जा सकते हैं जैसे 'क्या ठाठ रहता है, अफसर बन जाने पर' "क्या ठाठ रहता है, स्कूल न जाने पर" आदि। तुम भी एक इसी प्रकार का लेख लिख कर भेजो। —सम्पादक)

बीमार पड़ने पर....

पाठकों को यह देख कर अचम्भा होगा कि मैंने अपने लेख के लिये यह विषय क्यों चुना ! अगर ऐसा है तो पाठकों को कोई मानसिक रोग अवश्य है। सच तो यह है कि बीमारी मेरे पास बहुत ही कम आती है। मुझे बीमारी का भाग्य-वान मुंह देखे ही साढ़े तीन साल हो गये हैं। बीमारी भी कितनी मधुर वस्तु थी ! एक बार बीमार पड़ने के बाद कोई उसे जीवन भर नहीं भूल सकता।

बीमारी भी एक बहुत बड़ी बरकत है ! मुझे तो यह सदा ही बहुत भली लगती है।

मुझे अपने अनुभव से पता लगा है कि लोग सदा बीमारी को बुरा भला कहते रहते हैं। थोड़ा सा सिर में दर्द हो जाय या और कोई मामूली सी गड़बड़ हो जावे तो वह चिल्लाने लगते हैं, 'क्या आफत है ! मैं यह नहीं कर सकता, मैं वह नहीं कर सकता !' मेरी समझ में तो यह ही नहीं आ पाता कि लोग बीमारी से इतना डरते क्यों हैं ? मुझे भी बीमार होने का अवसर मिला है, हालांकि मेरी बहुत इच्छा होने पर भी बीमारी अधिक बार मेरे पास नहीं आती, लेकिन मुझे तो वह बिल्कुल भी बुरी नहीं लगती।

यह सच है कि स्वास्थ्य बहुत बड़ा धन है, लेकिन हमें यह न भुला देना चाहिये कि जीवन में परिवर्तन भी उतना ही आवश्यक है। इस लिये यदि कभी कभी बीमारी का स्वाद चखने को न मिले तो हम स्वास्थ से भी ऊब जावें। जब तक हमें स्वास्थ्य की कीमत ही पता न हो तब तक हम स्वस्थ रहने का प्रयत्न ही क्यों करेंगे ?

अब प्रश्न यह होता है कि हम बीमारी को पसन्द क्यों करें ? इसका उत्तर अनेक प्रकार से दिया जा सकता है। इस लेख में मैंने अपने ढंग पर इसका उत्तर देने का प्रयत्न किया है।

बीमार पड़ने पर हमें कुछ विशेष अधिकार और सहूलियतें मिल जाती हैं। यह बिल्कुल ठीक है कि बीमारी से दूसरों को बहुत दुःख होता है, बहुत परेशानी उठानी पड़ती है, किन्तु, दूसरी ओर, बीमार को ऐसे बहुत से लाभ हैं जो उसे स्वस्थ होने की दशा में नहीं मिल सकते।

प्याम तालीम

(हिंदी-विभाग)

मई १९५०

जामिआनगर

सम्पादक-मण्डल

❀ मोहम्मद हसीन हस्सान
❀ श्रीमती सालिहा आबिद हुसैन
❀ मुश्ताक़ अहमद
❀ सुन्दरलाल गांधी
❀ ग्लैडविन मैसी

विषय-सूची

सम्पादकीय

'प्याम तालीम' के पाठकों ने इसके हिन्दी-विभाग का जिस प्रकार स्वागत किया है, उसे देखकर प्रसन्नता होती है। हम अपने सब शुभ चिन्तकों को धन्यवाद देते हैं और चाहते हैं कि 'प्याम तालीम' उन्हें और भी अधिक प्यारा हो सके।

❀ ❀ ❀ ❀

प्याम तालीम के एक सदस्य लिखते हैं : "मेरे माता पिता को तो हिन्दी नहीं आती, लेकिन मैं 'प्याम तालीम' (हिन्दी) की मदद से हिन्दी सीखता जा रहा हूँ'। यह सचमुच बहुत खुशी की बात है। 'प्याम तालीम' (हिन्दी) तो निकाला ही इसलिये गया है जिससे उर्दू जानने वालों को आसानी से हिन्दी आ सके।

❀ ❀ ❀ ❀

'प्याम तालीम' [हिन्दी] पढ़ने वालों को यह जान कर खुशी होगी कि इस बार हमने 'प्याम तालीम' के लिए भेजी जाने वाली हिन्दी कहानियों में से सबसे अच्छी पर ५) रुपया इनाम देने का फैसला किया है। इसके लिये कहानियां १५ मई तक सम्पादक, हिन्दी विभाग के पास भेज दी जानी चाहिए। नई कहानी न लिख सकने वाले हमारी उर्दू रीडरों में से कोई अच्छी कहानी लेकर उसका आसान हिन्दी में अनुवाद करके भी भेज सकते हैं।

❀ ❀ ❀ ❀



काहे का पेड़ ? शायद कटहल का है। लंका में लोग इसे खाते हैं परन्तु अधिकतर पशुओं को खिलाते हैं।

काँडी (लंका) मन्दिर का हाथी। देखो महावत को किस प्रकार उठाए हुए है।



रजिस्टर्ड नं० डी० ४५१

पयाम तालीम

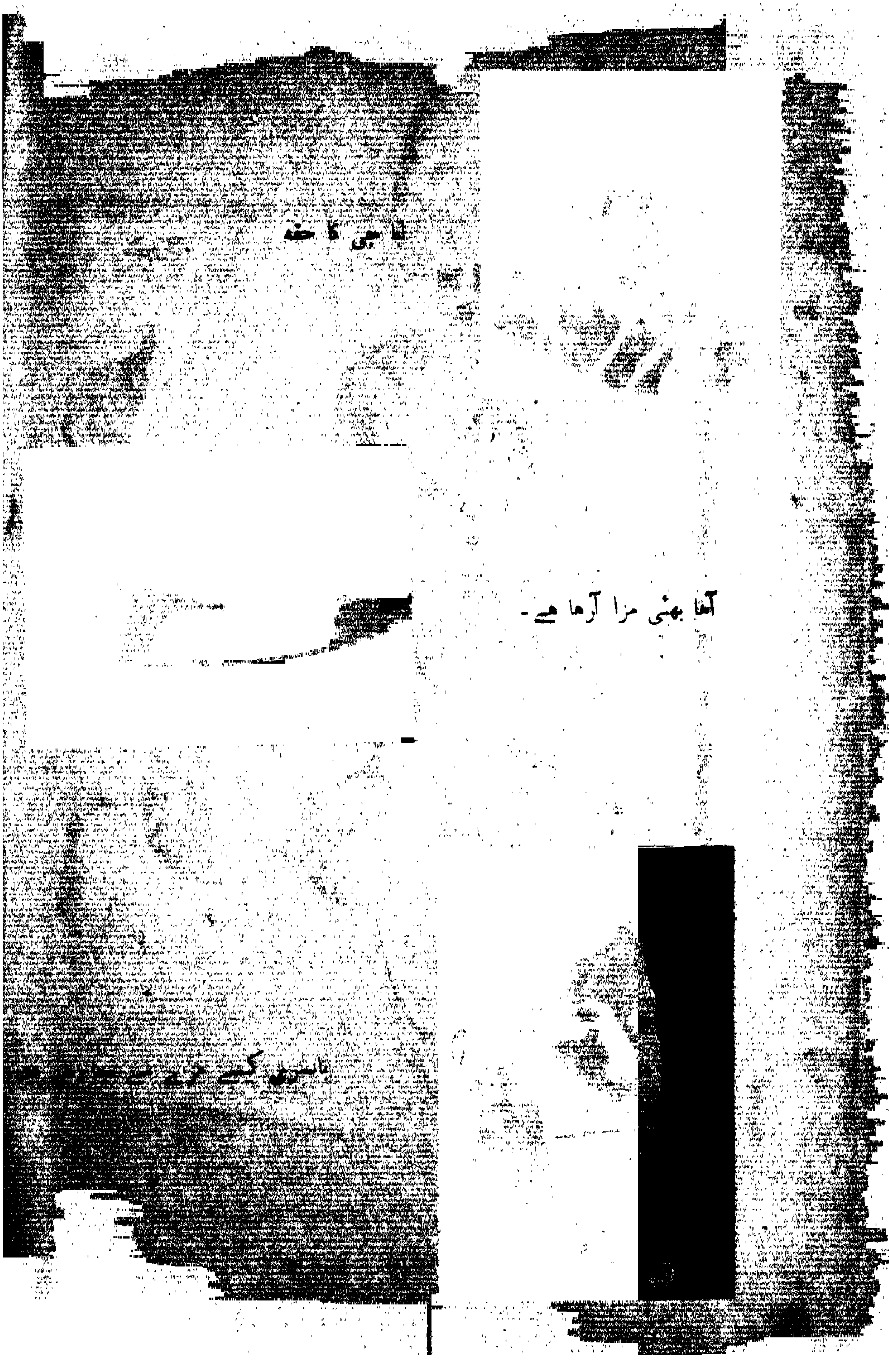


मूल्य ६ आना

मकतबा जामिया लिमिटेड
डाकखाना जामियानगर
देहली



جون ۵



تاجی کا خط
آہا بھئی مزا آرہا ہے۔



پیام تعلیم

ایڈیٹوریل

صالحہ عابد حسین
مشتاق احمد اعظمی
سندر لال گاندھی
عیسیٰ آرٹسٹ
محمد حسین حسان (چیف ایڈیٹر)

جلد ۲۳ — فہرست مضامین — نمبر ۳

بچوں سے باتیں

اس مہینے سے پیامِ تعلیم میں اُردو کا حصہ کل ۱۶ صفحے کر دیا گیا ہے۔ اسی وجہ سے بعض اچھے اچھے مضمون رسالے میں شائع نہ ہو سکے۔ عزیزی ... الرب کے مضمون (باغبانی) کا ہمیں خاص طور سے افسوس ہے۔ یہ بالکل وقت کی چیز تھی۔ مضمون لمبا تھا اس لئے شائع نہ ہو سکا۔

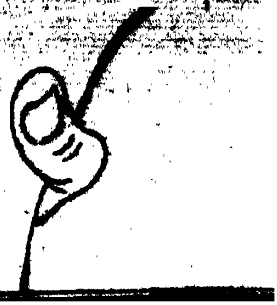
دیس کے اور باہر کے اکثر بڑے بڑے رہنما اور لیڈر ہماری جامعہ میں تشریف لاتے رہتے ہیں۔ اس مرتبہ اُن کی چند تصویریں پیامِ تعلیم میں شائع کی جا رہی ہیں۔

پیامیوں کو یہ سُن کر خوشی ہوگی کہ بچوں کی برادری کے سرگرم رُکن عزیزی شباب متعلم جامعہ کی پڑھائی کا سارا خرچ دیس کے وزیرِ اعظم پنڈت جواہر لال نہرو نے اپنے ذمّے لے لیا ہے۔ ہم برادری اور عزیزی شباب دونوں کو مبارک باد دیتے ہیں۔

بیری والا باغ میں بچوں کی لائبریری، مدرسہ کی تقسیم، بچوں کے کھیل، ریڈنگ روم، غرض سارا کام خوب چل رہا ہے۔ فرسٹ ایڈ کی تعلیم بھی شروع ہو گئی ہے۔

بچوں کا کلب پوسارو ڈ، اور بچوں کا کلب جنتا کالج قرول باغ بھی بچوں کی برادری بیری والا باغ سے ملحق ہو گئے ہیں۔ باہر کے ممبروں کی تعداد چالیس تک پہنچی ہے۔ گنج ڈنڈوارہ میں کلب قائم ہو گیا ہے۔ دوسری جگہوں سے خط کتابت ہو رہی ہے۔

ننھے اور بڑے پیامی اور مضمون نگار حضرات، کہانیاں مضمون وغیرہ جتنا بھی ممکن ہو مختصر لکھ کر بھیجیں۔ بڑے بڑے مضمون جب تک رسالے کے صفحے بڑھ نہ جائیں نہیں چھپ سکتے۔



بڑے آدمیوں کا دیس

چینی کہانی (۱)

بات چیت میں کافی دیر لگ گئی۔ آخر تانگ نے
ہت ادب سے "بڑے آدمیوں کے شہر" کا
ٹھیک ٹھیک راستہ پوچھا بڑے میاں نے سب کچھ
مجھا دیا۔ تانگ نے سر جھکایا۔ بڑے میاں کی مہربانی
ور شفقت کا شکریہ ادا کیا اور ساتھیوں کو لے شہر
ی طرف چل پڑا۔

پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ کر انھیں نیچے شہر نظر آنے
گا۔ جوں جوں قریب پہنچتے تھے انھیں ایسا لگتا
ھا جیسے اپنے ہی دیس کے کسی شہر میں جا رہے
وں، گھر بھی کچھ اسی طرح کے۔ لوگوں کا پہناوا
ھی ویسا ہی۔ شکل صورت میں بھی کوئی خاص
رق نہیں۔ بڑی بڑی سڑکوں پر بھی بھیڑ بھاڑ
ھی اپنے ہی شہروں جیسی۔

بس ایک فرق تھا، بہت بڑا، ہر ایک بادل
ہ ایک چھوٹے سے ٹکڑے پر چل پھر رہا تھا۔ یہ
ادل زمین سے ہوں گے کوئی ایک فٹ اونچے

چینی مسافر رنگ برنگے بادل دیکھ کر خود
ہو گئے۔ جیسے کسی نے جادو کر دیا۔ پیلے، قرمزی
سرخ، ہرے، آہا کتنے بادلوں پہ
تو دھنک کے سارے رنگ، کالا بادل تو
مشکل ہی سے کوئی نظر آیا ہو گا۔ ہے نا حیرت
کی بات !!

یہ اس تماشے میں محو تھے کہ ایک بوڑھا آدمی
سامنے سے گزرا۔ بہت کم زور سا، کپڑے پھٹے
ہوئے، ہاتھ میں پیالا، بھیک مانگ رہا تھا
پر تھا بہت ہشاش بشاش، بہت خوش خوش
دھنک کے خوب صورت بادلوں پر جا رہا تھا

اس وقت سارے چینی مسافروں کے منہ
سے ایک ہی بات نکلی۔

"ارے ارے یہ کیا بات

اتفاق سے اس شہر کا ایک آدمی ان کے
پاس سے گزر رہا تھا۔ اس نے ان کی بات سن

کی ان کا مطلب سمجھ گیا۔ بولا: "بادلوں کو دیکھ کر ہم یہ معلوم کر سکتے ہیں کہ کون امیر ہے، کون غریب، کون پڑھا لکھا ہے، کون جاہل، کون کمہار ہے، کون جولاہا، کون خوب صورت ہے، کون بدصورت، کون بڑے بڑے شاندار محلوں میں رہتا ہے، کون جھونپڑوں میں، بادل کے رنگ کا دارومدار تو انسان کے دل کی حالت پر ہے۔ اگر کوئی خوش رہتا ہے اپنے دل میں دوسروں کے لئے مہربانی اور ہمدردی کا جذبہ رکھتا ہے تو اس کا بادل دھنک کے رنگوں کا ہوگا۔ کسی کے دل میں کوئی بُری بات ہوگی، خواہ مخواہ کی شیخی، فخر و غرور ہوگا، رنج و غم کا یا لڑنے بھڑنے کا جذبہ ہوگا تو اس کے بادل کالے ہو جائیں گے۔"

ایک چینی: "پر بھئی ہمیں تو کالے بادل ابھی تک ہمیں کہیں نظر نہیں آئے!"

"ہم سب کالے بادلوں سے سخت نفرت کرتے ہیں۔ اگر آپ کے بادل کالے ہوں گے تو نہ کوئی آپ سے بات کرے گا، نہ آپ کی مدد کرے گا۔ جب ہم میں ہر ایک ایک دوسرے پر مہربان ہوگا، تو ہم سب ایک دوسرے کے دوست ہوں گے، اور سب کے بادل اچھے رنگوں کے ہوں گے۔"

باتیں ہو رہی تھیں کہ بازار کے لوگ دونوں طرف سڑک کے کنارے رک گئے، بیچ سڑک خالی ہو گئی۔ تھوڑی دیر میں گھنٹیوں کی آوازیں آنے لگیں۔ اسے لیے گھنٹیاں بجانے والے بھی آ گئے۔ دھنک یا قوسِ قزح کے بادلوں پر سوار۔

ان کے بعد دو پیادے، اونچے اونچے لمبے لمبے ڈنڈے لئے ہوئے۔ ڈنڈوں پر سرکاری نشان، ان سب کے پیچھے ایک شاندار آدمی خوب بھڑکیلے کپڑے پہنے۔ ایک بڑے سے چھتر کے نیچے۔ چھتر والا پیچھے پیچھے، اور بہت سے آدمی پیچھے پیچھے۔ جیسے جلوس نکل رہا ہو، ہر ایک بادل پر سوار۔ کیسا انوکھا منظر تھا۔

پر ایک بات عجیب تھی۔ بڑے آدمی کے بادل پر سرخ کپڑا لپٹا ہوا تھا!

ٹانگ نے اپنے نئے دوست سے پوچھا "بھئی یہ کیا بات ہے؟"

"یہ آدمی ہمارے ہاں کا افسر ہے، بہت بڑا افسر۔ پر اس کا بادل بھورا ہے۔ سبھی کو اس کی خبر ہے۔ پر یہ منہ دکھا رہے چھپا نا چاہتا ہے۔"

ایک چینی مسافر زور سے بولا: "مگر یہ بات

"تو کچھ اچھی بات نہیں ہے"

ٹانگ نے ذرا تعجب سے پوچھا :- "یعنی؟ کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"یعنی یہ کوئی اچھی بات نہیں کہ ہم اپنے ملک میں بادلوں پہ نہیں چلتے۔ آخر خدا نے ان لوگوں کو بادل دئے ہیں، اور ہمیں یوں ہی بغیر بادلوں کے چھوڑ دیا! یہ بادل تو بہت کام کی چیز ہیں ہر ایک کے پاس بادل ہوں گے تو بُرے بھلے کی تمیز کتنی آسان ہو گی۔"

دوسرے چینی نے لقمہ دیا "ہاں، ہاں یہ بالکل ٹھیک کہا تم نے۔ پر بھلے اور بُرے میں پہچان تو ہمارے دیس میں بھی ہو سکتی ہے۔"

پہلا چینی :- ہاں ہاں یہ تو ٹھیک ہے۔ پر کبھی کبھی لوگ دھوکا بھی تو دے سکتے ہیں۔ دکھاوے اور بناوٹ سے بھی تو کام لے سکتے ہیں۔ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ چہرے پر مسکراہٹ ہو اور دل میں کوئی بات اچھی نہ ہو، کوئی بُری بات!

ٹانگ :- ہم اور تم ہمیشہ اچھے اور بُرے آدمی کی تمیز نہ کر سکیں۔ پر ایک ذات ہے جسے کوئی بے وقوف نہیں بنا سکتا، کوئی دھوکا نہیں دے سکتا، اور یہ ایک ذات ہمارے دل کی ہر بات سے ہر وقت باخبر رہتی ہے۔"

آخر یہ چینی سیاح خوب گھوم پھر کر اپنے دیس میں واپس آ گئے، وہ اس "بڑے آدمیوں کے دیس" کی تعریف کرتے نہ تھکتے۔ ہر ایک سوچتا رہتا کہ اس کے پاس بادل ہوتا تو کس رنگ کا ہوتا۔

کبھی تو وہ آپس میں کچھ ایسی باتیں کرتے جیسے سچ مچ اُن کے پیروں تلے بادل ہیں اور اس وقت قدرتی طور پر ہر ایک کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوتی کہ کاش اس کا بادل بھی خوب چمک دار ہوتا دھنک کے رنگوں کا۔

(انگریزی سے اپنایا)



اِنعامی سوال

از جناب رگھوناتھ مٹو صاحب چیف سپروائزر
حکومت جموں و کشمیر

پچھلے پرچے میں جگہ کی کمی کے سبب کل ۴۴ سوال چھپ سکے تھے اس پرچے میں بھی ہیں اس کا افسوس ہے۔ پر کیا کیا جائے۔ اُردو کا حصہ کل ۱۶ صفحے کا ہو گیا ہے۔ اگلے پرچے میں انشاء اللہ یہ سلسلہ مکمل ہو جائے گا پیامی جب تک ان سوالوں کے جواب لکھ لیں۔

(ایڈیٹر)

۴۵۔ تم کون سا کھیل جانتے ہو۔

۴۶۔ آج تک تم نے ان میں سے کون سے جانور پالے ہیں:۔
کتا، بلی، گائے، بیل، گھوڑا، گھوڑی
بکرا، بکری، بھیڑ۔

۴۷۔ تم کتنے میل پیدل چل سکتے ہو۔

۴۸۔ کیا دن میں کسی وقت اندازاً وقت بتا سکتے ہو۔

۴۹۔ کیا اندازاً کسی چیز کا وزن بتا سکتے ہو۔

۵۰۔ کیا اندازاً کمرے کی لمبائی، چوڑائی بتا سکتے ہو۔

۵۱۔ کیا اندازاً کوئی فاصلہ بتا سکتے ہو۔

۵۲۔ کیا تولے سے لے کر ایک من تک کے تمام باٹ تم نے دیکھے ہیں۔

۵۳۔ کیا ترازو کا استعمال جانتے ہو۔

۵۴۔ کیا قفل بند کر سکتے ہو اور کھول سکتے ہو۔

۵۵۔ کیا منی آرڈر فارم بھر سکتے ہو۔

۵۶۔ کیا لیٹر بکس میں خط ڈال سکتے ہو۔

۵۷۔ گانا جانتے ہو۔

۵۸۔ کیا کبھی اسکول میں کسی عنوان پر تقریر کی ہے۔

۵۹۔ کیا فٹ بال یا بائیسکل کا پنکچر جوڑ سکتے ہو۔

۶۰۔ کیا کبھی کسی میچ میں حصہ لیا ہے۔

۶۱۔ کیا کبھی اسپتال میں [illegible] ہے۔
۶۲۔ کیا تم ماسٹر سے [illegible] جانتے ہو۔
۶۳۔ کیا ٹیلی فون پر بات چیت کر سکتے ہو۔
۶۴۔ کیا تم ہر روز دیسی اور انگریزی تاریخیں بتا سکتے ہو۔
۶۵۔ کیا تمھیں عیسوی، بکرمی اور ہجری سن معلوم ہیں۔
۶۶۔ تم کس کس بیماری کا نام جانتے ہو۔
۶۷۔ کبھی بیمار ہوئے ہو؟ کئی مرتبہ بیمار ہوئے ہو۔ اور کس کس بیماری میں مبتلا ہوتے ہو۔
۶۸۔ کس کس ڈاکٹری دوائی کا نام جانتے ہو۔
۶۹۔ کس کس ڈاکٹری دوائی کا استعمال جانتے ہو۔
۷۰۔ کس کس دیسی دوائی کا نام جانتے ہو۔
۷۱۔ کس کس دیسی دوائی کے استعمال سے واقف ہو۔
۷۲۔ کس کس جڑی بوٹی کی پہچان ہے۔
۷۳۔ کیا گندہ پانی پینے کی خرابیوں سے واقف ہو۔
۷۴۔ کیا میلا پانی صاف کر سکتے ہو۔
۷۵۔ کیا اپنے سر میں ہر روز تیل ڈالتے ہو۔
۷۶۔ کیا کنگھی کا استعمال روز کرتے ہو۔
۷۷۔ کیا روزانہ داتن کرتے ہو۔
۷۸۔ مہینے میں کتنے بار سر کے بال کٹواتے ہو۔

۷۹۔ ہفتے میں کے بار ناخن کٹواتے ہو۔
۸۰۔ ہفتے میں کے بار نہاتے ہو۔
۸۱۔ ہر روز کتنے گھنٹے سوتے ہو۔
۸۲۔ اپنی گلی یا گاؤں کی کتنی دکانیں دیکھی ہیں۔
۸۳۔ کیا تم اپنے شہر یا قصبے کے مکانوں کے سب سائن بورڈ پڑھ سکتے ہو۔
۸۴۔ کیا عجائب گھر دیکھا ہے۔
۸۵۔ کیا کوئی تعلیمی سیر کی ہے۔
۸۶۔ کیا سنیما دیکھا ہے۔ آج تک کتنے فلم دیکھ لیے ہیں۔
۸۷۔ کیا کسی جنگل کا مشاہدہ کیا ہے۔
۸۸۔ کیا کوئی کارخانہ دیکھا ہے۔
۸۹۔ کون کون سی مشینیں دیکھی ہیں۔
۹۰۔ کیا تم نے کسی وزیر کو دیکھا ہے۔
۹۱۔ اپنے صوبے یا ملک کے کس کس وزیر کا نام جانتے ہو۔
۹۲۔ کیا کوئی گاؤں دیکھا ہے۔
۹۳۔ تم کس کس زیارت گاہ یا سیر تفریح پر گئے ہو۔
۹۴۔ اپنے صوبے کا کون کون سا شہر دیکھا ہے اور کس کس شہر کا نام جانتے ہو۔
۹۵۔ اپنے مقام سے کس کس شہر تک کا فاصلہ جانتے ہو۔
۹۶۔ تم نے کون کون سی سیرگاہ دیکھی ہے۔

بچوں کی دنیا

ہمارا مدرسہ

فاروق احمد عارف نیپالی

بڑی شان والا ہمارا مدرسہ — جہاں سے نرالا ہمارا مدرسہ
مدرسہ نہیں کوئی دنیا میں ایسا — ہے سب سے انوکھا ہمارا مدرسہ
یہاں لکھتے پڑھتے ہیں انسان بنتے — ہو انساں بناتا ہمارا مدرسہ
ہمیں لکھنے پڑھنے سے عزت ملی — ہے عزت بڑھاتا ہمارا مدرسہ
مدرسے میں پڑھتے ہیں جو نیک بچے — انہی سے سنوارا ہمارا مدرسہ
مدرسے کی الفت سمائی ہے دل میں — مدرسے کے ہم ہیں ہمارا مدرسہ
خدا ان پہ رحمت کی بارش کرے — جنہوں نے بنایا ہمارا مدرسہ
مدرسے کی یارب ترقی ہو ہردم — ترقی کا زینہ ہمارا مدرسہ

اچھوں کی پیروی

رفعت جبیں نگینہ

ہیں جتنے اپنے ملک میں اس وقت خوش خیال
ہر وقت ان کے چال چلن پر رکھو خیال
اُن کے قدم پہ رکھو قدم پیروی کرو
جو اُن میں ہے کمال وہ تم میں بھی ہو کمال
جو خوبیاں ہیں اُن میں وہ تم میں بھی ہوں ضرور
تم بھی زمانے بھر میں ہو اُن جیسے خوش خصال
جو عادتیں ہیں اُن میں تم حاصل کرو انہیں
جو اچھی اچھی باتیں ہوں اُن کا کرو خیال
آجائیں گی جو تم میں بھی یہ نیک خصلتیں
تم اپنے ملک و قوم میں بن جاؤ گے مثال

حضرتِ خارش

جتندر کمار مدن نالوی جالب

آج کل کے لوگ بھی شاعر کی دُم بنتے ہیں بس
شعر کہہ سکتے نہیں مصرعوں میں گم ہوتے ہیں بس
حضرتِ خارش بھی اک شاعر ہیں ایسی چال کے
ذہن کی بھٹی سے لاتے ہیں وہ مصرعے ڈھال کے
چار مصرعوں پہ یہ سمجھے ہم تو شاعر بن گئے
داب کر دیوان بغل میں خوب اکڑے تن گئے
شاعری کی ہے مگر خارش نے سر کھجلا دیا
ہائے تیری شاعری نے ہم کو بس مروا دیا
تو نے چند ہی شعر کہے اس پہ اتنا فخر و ناز
ہے تو ان کی دیکھئے جن کا ہے کچھ سوز و ساز



ذرا پنسل دینا

سفیر احمد دھوی

میں چھاپہ خانہ میں بیٹھا ایک کتاب کے پروف پڑھ رہا تھا، اچانک ایک بھدی سی آواز کانوں سے ٹکرائی۔ میں نے نظر اُٹھا کر دیکھا ایک صاحب کوٹ پتلون پہنے سامنے بیٹھے تھے صورت سے اچھے خاصے، پڑھے لکھے اور مہذب معلوم ہوتے تھے مجھے اپنی طرف متوجہ دیکھ کر پھر اُسی انداز سے بولے: "ذرا پنسل دینا"

میں نے پھر اُنھیں سر سے پیر تک غور سے دیکھا، اور بہت ادب سے پنسل ان کی خدمت میں پیش کر دی۔

ان صاحب نے اپنا کام کر کے پنسل مجھے لوٹا دی شکریہ بھی ادا نہیں کیا۔ مگر میں نے پنسل ہاتھ میں لیتے ہی بہت شائستگی سے اُن کا شکریہ ادا کیا۔ وہ میری نرم باتوں اور انداز کو دیکھ کر مجھ سے کہنے لگے: "صاحب شکریہ تو مجھے ادا کرنا چاہیے تھا۔"

میں نے کہا: "خیر کوئی بات نہیں مجھے آپ نے خدمت کا ذرا سا موقع دے دیا۔"

پھر وہ اُٹھ کر جانے لگے اور ہاتھ ملانے کے لئے بایاں ہاتھ بڑھایا۔ میں نے جلدی سے سیدھا ہاتھ اُن کی طرف کر دیا۔ اب تو اُنھوں نے بھی جلدی سے بایاں ہاتھ کھینچ لیا، اور سیدھا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے دیا۔ ہم دونوں تھوڑی دیر تک ہنستے رہے۔ یہ صاحب میرے اچھے خاصے دوست بن گئے۔

ایک بار میں بس میں بیٹھا تھا، دوسری سیٹ پر ایک صاحب نے اخبار خریدا ابھی کھول کے پڑھا بھی نہ تھا۔ پاس ہی ایک پڑھے لکھے مسافر بولے: "بھئی ذرا اخبار دینا" ان صاحب نے بہت ترش روئی سے جواب دیا۔ "جی اخبار میں نے آپ کے لئے نہیں خریدا ہے۔" وہ بے چارے چھت کی طرف دیکھنے لگے

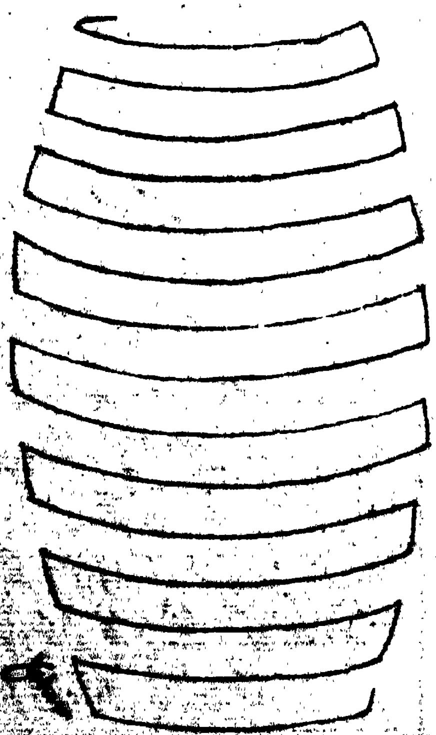
...پر سر خم کی جھلک تھی۔ دیر تک یہی کیفیت رہی۔

اپنے بچپن کی ایک بات یاد آگئی۔ اپنے ایک ساتھی سے میں نے ایک کتاب پڑھنے کو مانگی اور بہت احتیاط سے میز پر رکھ دی۔ ہونے والی بات۔ میز پر کسی طرح دوات اُلٹ گئی۔ میز پوش کا ستیاناس ہو گیا۔ کتابیں الگ خراب ہو گئیں۔ یہ کتاب خاص طور سے!

اب کیا کریں! بازار میں ڈھونڈی ملی نہیں ناچار یہی کتاب واپس کرنا پڑی۔ بس کچھ نہ پوچھو۔ سر جھکا ہوا، آنکھیں نیچی۔ پر اس میرے اچھے ساتھی نے کچھ ایسا انداز اختیار کیا جیسے کوئی بات ہی نہ ہوئی۔ میرے دماغ کا بوجھ ہلکا ہو گیا اور اس ساتھی کی عزت میرے دل میں دس گنا بڑھ گئی۔

اچھا بتائیے آپ کو ان تینوں میں سے کون سی بات زیادہ پسند ہے۔

نظر کا دھوکا



ذرا غور کیجئے

دیکھئے

ایک ہی

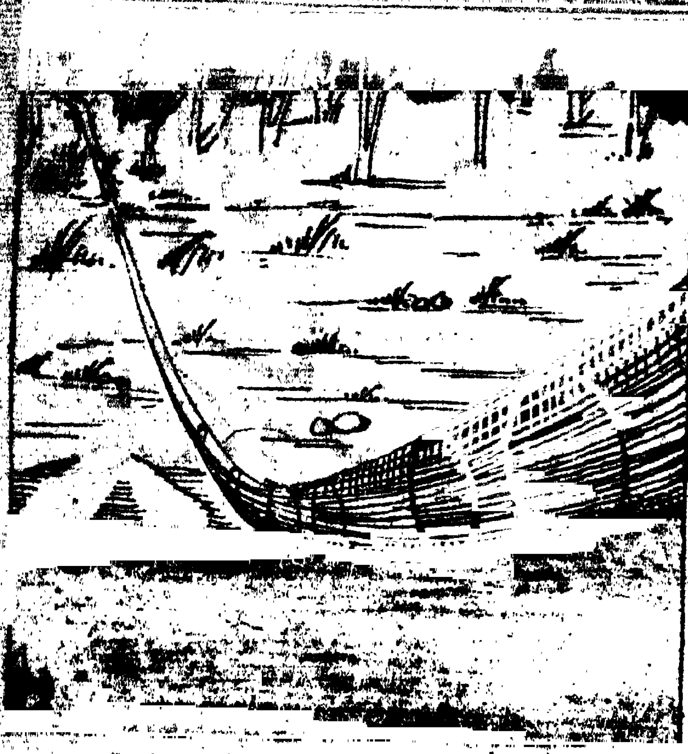
لائن

چلی گئی ہے

یا

سب الگ الگ ہیں۔

محسن حامد



کیا چیز؟

ذرا غور سے دیکھنا یہ کیا چیز ہے؟ نہیں چلا کچھ پتہ؟ اجی جناب یہ پُل ہے پُل۔ دُنیا کی عجیب و غریب چیز۔ انجینیری کا بے مثال نمونہ، اور پھر اپنے ہی دیس میں۔

آسام کی سرحد پر شمال مشرق میں ایک دریا ہے دیہانگ (DihANG) خوب چوڑا، بہت تیز بہنے والا۔ دونوں طرف سے دریا کو پار کرنے کی کوئی صورت ہی نہ تھی۔ آس پاس کے دیہاتیوں کے لئے یہ بڑی پریشانی کی بات تھی۔

وہ جو کہتے ہیں ضرورت ایجاد کی ماں ہے تو یہی سوچتے سوچتے آخر ایک بات انھیں سوجھ گئی کیوں نہ ایک پُل بنا دیا جائے۔ بیت کا پُل جو دریا کے پار تک کا۔ بس پُل بن کے تیار ہو گیا۔ کُل ۷۰ گز یا ۲۱۰ فٹ۔

بیت کے لمبے لمبے ٹکڑے جگہ جگہ بیت ہی کے گول گول حلقوں سے جوڑ دئے گئے ہیں اللہ بھئی کتنا لمبا بنا ڈالا ہے اجمالی جو سوفٹ تو دریا کی چوڑائی ہے۔ پھر دیکھو جنگل میں کتنی دور تک چلا گیا ہے۔ اسے دونوں طرف رسیوں کے ذریعے پیڑوں میں باندھ دیا گیا ہے۔

دیکھنے میں یہ بہت نازک اور کمزور معلوم ہوتا ہے مگر بہت مضبوط ہے۔ چاروں طرف سے کھلا ہوا ہواؤں کے تند و تیز جھکڑ بھی اسے نقصان نہیں پہنچا سکتے۔

کبھی آسام جاؤ تو اس پُل پر ضرور چلنا جھولے کا

پانی اور تیل کا میل



محمد حسیب خان

کسی برتن میں تھوڑا سا پانی لے لو۔ تھوڑا سا تیل، دونوں کو خوب ہلاؤ، ایک جان ہو جائیں۔ تھوڑی دیر رکھا رہنے دو ——— ارے! تیل تو پھر اوپر آگیا۔ دونوں ایک دوسرے سے ملنا نہیں چاہتے۔

یہی حال بعض جانوروں کا ہے۔ ان میں بھی میل ملاپ ذرا مشکل سا نظر آتا ہے بھلا بھیڑ اور شیر ایک دوسرے کے ساتھی بن سکتے ہیں۔ اور تو اور بی میاؤں اور میاں شیرو ایک ہی گھر میں پلے بڑھے۔ وقت بے وقت ایک دوسرے پر غرانے اور پنجے تیز کرنے لگتے ہیں۔ پھر بھلا بی میاؤں اور اڑنے والے پنچھیوں کی دوستی کا کیا ذکر، ان کا میل تو ایسا ہے جیسے پانی اور تیل کا میل۔

پھر بھی جانوروں کی دنیا میں ایسی عجیب و غریب اور انوکھی مثالیں کبھی کبھی مل جاتی ہیں اسی طرح کی ایک بہت ہی انوکھی کہانی تم بھی سنو۔

بہت دنوں کی بات ہے۔ ایک بڑی بی نے اپنے دل بہلاؤ کے لئے ایک پرندہ پالا پیلے پیلے رنگ کا بڑا خوب صورت۔ بڑی بی اُسے دل سے چاہتیں۔ اس کی رسیلی آواز انھیں بہت بھاتی تھی تم اُسے زرد بلبل (CANAR) کہہ لو۔

زرد بلبل اور پالتو پرندوں کی طرح پنجرے میں رہتا۔ کبھی کبھی پنجرے کا دروازہ کھول بھی دیا جاتا پر دروازے اور کھڑکیاں اچھی طرح بند کرتے۔

[illegible] دنوں بعد [illegible] کے گھر میں ایک
اضافہ ہوا، ایک منو بلی کا، ننھی منی بہت
خوب صورت، خوب چونچال۔
[illegible] لیجیے منو بلی اور میاں بلبل میں
خوب دوستی ہو گئی۔ بلی بڑی ہوتی تو یہ بات
مشکل تھی۔ وہ تو ہر وقت اسے ہڑپ کرنے
کی فکر میں رہتی۔

تو صاحب ان دونوں میں خوب گاڑھی
چھننے لگی۔ منو بلی نے کبھی ایسی بات نہیں
کی جس سے بڑی بی یا بلبل کے دل میں گھبراہٹ
یا پریشانی پیدا ہو۔ بلبل کو اپنی ننھی سی سہیلی
پر پورا بھروسا تھا۔

پنجرے کا دروازہ کھول دیا جاتا تو وہ
اڑ کر فرش پر آ جاتا، اور منو بلی کے ساتھ
کھیل میں شریک ہو جاتا، بڑا مزا آتا۔ بلبل ذرا
نہ جھجکتا، ذرا نہ ڈرتا۔

ہوتے ہوتے منو بلی خیر سے جوان
ہو گئیں۔ پوری بلی بن گئیں، خوب بھاری بھرکم
پر کیا مجال جو دوستی میں ذرا فرق آیا ہو۔
بلی اسے دیکھتے ہی خرخرانے لگتی۔ میاں بلبل
اس کے ساتھ خوب کھیلتے، اس کے پنجوں پر
چڑھ جاتے اور کسی کو وہم و گمان بھی نہ ہوتا کہ
یہ اسے مار ڈالے گی، یا زخمی کر دے گی۔

دن یوں ہی گزرتے رہے، پھر ایک دن
عجیب بات ہوئی، گرمیوں کا موسم تھا، دن
ڈھل چکا تھا۔ بڑی بی کمرے میں بیٹھی کچھ سی رہی
تھیں۔ ہر طرف سناٹا چھایا ہوا تھا بس گھڑی
کی ٹک ٹک کی آواز آ رہی تھی۔ اچانک کمرے میں
کچھ کھڑبڑ ہوئی۔ بڑی بی نے فوراً مڑ کر دیکھا
ہے ہے غضب! بلی نے بے چارے پرندے
کو منہ میں دبوچ لیا۔ اتنے دنوں کی دوستی
کا یہ انجام!

بڑی بی حالت میں رہی تھیں اپنی لاپروائی
اور بے احتیاطی پر اپنے کو برا بھلا کہہ رہی تھیں
پنجرہ کھول دیا کرتی تو آج کیوں یہ نوبت آتی۔
پر اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت

(باقی پھر)

ان باتوں کا خیال رکھو۔

جب کوئی خط لکھو تو خریداری نمبر ضرور لکھو۔ [illegible] خط لکھو تو [illegible]
ضرور لکھو۔ کوئی بات پوچھنی ہو تو جوابی لفافہ ساتھ بھیجو۔



بچوں کی کوششیں

بتائیے

ان جملوں میں چند پرندوں کے نام چھپے ہیں
ذرا تلاش کیجیے۔

۱۔ ظفر تم کو والد صاحب بلا رہے ہیں۔
۲۔ امی نانی جان آپ کو بلا رہی ہیں۔
۳۔ کوئلہ بہت کام کی چیز ہے۔
۴۔ میں نے کراچی، لاہور اور دہلی کی سیر کی۔
۵۔ پانی میں بلبلے اٹھ رہے ہیں
۶۔ کل ان کے ابا بیل خریدنے گئے تھے۔

[illegible]

محمد عبدالقادر، حیدرآباد دکن

بدحواسیاں

۱۔ ایک دن میں اپنے کمرے میں بیٹھا کتاب پڑھ رہا تھا۔ یکایک میری بہن بھاگتی ہوئی کمرے میں آئی اور کہنے لگی "بھیا بھیا ابھی خالد میاں چھت پر سے بچتے بچتے گرے" گھبرا کر میں نے پوچھا "کہیں بہت چوٹ آئی؟"
میں ایک دم ہنس پڑا۔ اس نے ذرا کے ذرا سوچا، پھر شرما کر بھاگ گئی۔
۲۔ ایک بار والدہ صاحبہ نے کہا "یہ لو، پان لیتے آنا، یہ خط ہے اسے لیٹر بکس میں ڈال دینا۔"
پان والے کی دکان پر پہنچا تو ہاتھ میں خط تھا اکنی لیٹر بکس میں ڈال آیا تھا، بغیر کچھ پان والے کی دکان سے لوٹ آیا۔

محمد علی خاں۔ فرخ آباد۔ عمر ۹ سال

لطیفے

لڑکا۔ پہاڑے کی کتاب چاہیے
دکان دار۔ ہے نہیں
لڑکا۔ کہاں ہے؟

...- ...پور
بدرالدین - الہ آباد

...- آج دن بھر کہاں غائب رہے بیٹے؟
(لڑکا خاموش رہتا ہے)
...- ارے ہٹے ہٹ گھبرا بن تو دیکھو۔
...کا - آپ ہی نے تو کہا تھا، بڑوں کی بات کا جواب نہیں دیا کرتے

عبدالباقی، بھوپال

لڑکا - بھئی آج تو میں خوب بچا۔
...سرا - کیوں کیا ہوا۔
...ہلا - ریل گاڑی میرے اوپر سے گذر گئی۔
...سرا - سچ سچ! پھر تم کیسے بچ گئے۔
...ہلا - میں پل کے نیچے تھا۔

...پ - کیوں بیٹا میں نے جمعہ کی نماز کس دن ادا کی تھی۔
...یا - اچھی طرح یاد نہیں آتا، غالباً پیر کا دن ہوگا
...پ - ٹھیک کہتے ہو، غالباً یہی دن تھا۔

عبدالمتین

...بابوجی - جاؤ فدا میرے پیسے کا ... لاؤ۔
نوکر - بہت اچھا سرکار۔

(تھوڑی دیر بعد لوٹ آتا ہے)
نوکر - یہ لیجئے سرکار۔
بابوجی - ایں! میں نے تو روپے کے پیسے لانے کو کہا تھا، اور یہ روپیہ کالا کیسے ہو گیا؟
نوکر - سرکار آپ نے بھنانے کو کہا تھا میں بھنا لایا۔

حامد آم کھا کھا کر گٹھلیاں چپکے سے نسیم کے سامنے رکھ دیتا، جب سب کھا چکے تو حامد بولے آم کس نے زیادہ کھائے۔ بھئی ہمارے خیال میں تو اس نے زیادہ کھائے جس کے آگے گٹھلیاں زیادہ ہیں۔
احمد - جی نہیں، اس نے زیادہ کھائے جو آم کے ساتھ ساتھ اس کی گٹھلی بھی ہڑپ کر گیا۔

فاروق علی خان، دریاپور

ایک بدمعاش نے حلوائی کی دکان پر تھال میں سے لڈو اٹھا لیا۔ حلوائی نے اس کی ہاتھ پکڑ لی۔ بدمعاش نے جھٹ لڈو منہ میں رکھ لیا اور بولا:- لو بس نہ تمہارے ہاتھ آیا اور نہ میرے ہاتھ آیا۔

سید ایچ ایم زیڈ نجمی - جہانگھاٹ، بلاسپور

کہانی لکھو



मुस्कान

१

माता—अरे मोहन, यह क्या करते हो, मिठाई का बड़ा टुकड़ा उठाते हो, शान्ति तो सदा छोटा ही उठाती है।

मोहन—फिर मैंने उसके लिए छोटा ही तो छोड़ा है।

२

माँ—तेरी बान बहुत खराब होगई, इसे पलटा

बेटी—मेरी बान क्यों खराब होगई, खाट की होगई है, उसे पलटो।

—आशा रानी

पिछले अंक के प्रश्नका उत्तर

लड़के ने दो फल तोड़े थे।

ठीक उत्तर बताने वालों के नाम:

१. मोहम्मद इस्साइलसिद्दीकी
२. मोहम्मद शमीम अन्सारी, रान्ची
३. अब्दुल मुजीब, बाराबंकी
४. मोहम्मद फारुकी हम्दम, जोनपुर
५. नासरा खातुन, जमालपुर
६. एम॰ जोहेर, पटना

पृष्ठ १४ से आगे

अपने बूट से टल्ला देकर चेताया। पर मैं क्यों चेतने लगा? मेरे दिमाग में यह बात न आई कि मास्टर साहब मुझे आगे के लड़के की स्लेट देखकर सही लिखने का इशारा कर रहे हैं। मैं यह मान रहा था कि मास्टर साहब यह देख रहे हैं कि हम दूसरे से नकल तो नहीं कर रहे हैं। सब लड़कों के पाँचों शब्द सही निकले, एक मैं ही बुद्धू साबित हुआ। मास्टर साहब ने बाद में मेरी यह मूर्खता मुझे समझाई परन्तु उसका मेरे दिल पर कुछ असर न हुआ। दूसरों की नकल करना मुझे कभी न आया।

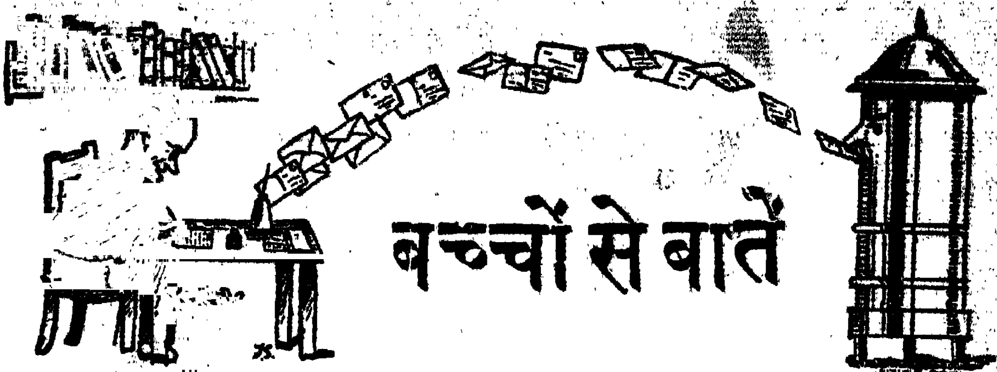
"ऐसे होते हुए भी मास्टर साहब का अदब रखने में मैंने कभी गलती न की। बड़े बूढ़ों के ऐब न देखने का गुण मेरे स्वभाव में ही था। बाद को तो इन मास्टर साहब के ऐब भी मेरी नज़र में आये। फिर भी उनके प्रति मेरा आदर भाव कायम ही रहा। मैं इतना जान गया था कि हमें बड़े बूढ़ों की आज्ञा माननी चाहिये, जैसा वे कहें करना चाहिये, पर वे जो कुछ करें उसके काजी हम न बनें।"

इन बातों को पढ़ कर यह देखने की कोशिश करो कि तुम्हारा बचपन पूज्य बापू के बचपन से किसी बात में भी मिलता है या नहीं।

पृष्ठ ९ से आगे

वास्तव में ईमानदारी एक ऐसा सदगुण है जो मनुष्य को संसार में ऊंचा उठने में सहायता करता है। बच्चो यदि तुम भी अच्छे बालक बनना चाहते हो तो इस सद्गुण को हाथ से न जाने दो। तुम सब देश के भावी स्तम्भ हो। आज हमारे देश को ऐसे बालकों की बहुत आवश्यकता है जिनके रोम-रोम में ईमानदारी भरी हो।

—सुशील कुमार "पथिक"



हमारा देश

हमारा देश संसार का सबसे बड़ा प्रायद्वीप है।

भारतीय द्वीपों में मेडगास्कर का क्षेत्रफल २२४७२१ वर्ग मील, सुमात्रा का १६३,५३४ वर्ग मील और जावा का ४८,४०० वर्गमील है। संसार के द्वीपों में मडगास्कर का पांचवां स्थान है।

घनी आबादी की दृष्टि से जावा का स्थान संसार में प्रथम है। यहाँ एक वर्गमील में ८१७ प्राणी रहते हैं।

गन्ना और पशुओं की उपज की दृष्टि से संसार में भारत का स्थान पहला, चावल की की उपज की दृष्टि से दूसरा, और कपास की उपज की दृष्टि से तीसरा है।

संसार प्रसिद्ध गरसोपा का जल प्रपात (झरना) मैसूर (भारत) में है। यहां पानी ८३० फुट की ऊंचाई से गिरता है।

संसार की सबसे ऊंची पहाड़ की चोटी एवरेस्ट हमारे देश में है। इसकी ऊंचाई २९००२ फुट है।

संसार का सबसे बड़ा रेल्वे स्टेशन प्लेट फार्म सोनपुर (भारत) में ओ० टी० रेलवे का प्लेट फार्म है। इसकी लम्बाई २४१५ फुट है।

संसार के बड़े पार्कों में कलकत्ते के मैदान का पांचवां स्थान है। इसका क्षेत्रफल १००० एकड़ है।

भारत का राष्ट्रीय पुष्प (फूल) कमल है।

बताओ तो जानें

एक तालाब में हर रोज इतने कमल खिलते हैं कि उनकी संख्या पिछले दिन से दुगनी हो जाती है। जैसे पहले दिन यदि एक कमल होता है तो दूसरे दिन दो, तीसरे दिन चार, चौथे दिन आठ आदि। वह तालाब ३० दिन में पूरा कमलों से भर जाता है, बताओ आधा तालाब कमलों से कितने दिन में भरा जावेगा?

उत्तर और ठीक बताने वालों के नाम अगले अंक में छापे जावेंगे।

बड़ों का बचपन

कहावत है कि पूत के पैर पालने में पहचाने जाते हैं। बच्चों के खेल कूद, बच्चों की मीठी मीठी बातों, उनकी इच्छाओं और कामों से उनके आगे आने वाले जीवन के बारे में बहुत कुछ पता लग सकता है। इसीलिये बड़ों के बचपन की बातें सुनने में बहुत दिलचस्प होने के साथ ही साथ हमें बहुत सी अच्छी बातें भी सिखाती हैं। यहां हम महात्मा गांधी के बचपन की बातें उनके ही शब्दों में सुना रहे हैं।

महात्मा गांधी ने अपने बचपन के बारे में लिखते हुए कहा है :

"मेरा बचपन पोरबंदर में ही बीता। ऐसा याद पड़ता है कि किसी पाठशाला में मैं पढ़ने बैठाया गया था। मुश्किल से कुछ पहाड़े पढ़ा होऊंगा। उस समय मैंने और लड़कों के साथ मास्टर साहब को सिर्फ गाली देना सीखा था, इतना याद पड़ता है और कोई बात याद नहीं आती। इससे यह अनुमान करता हूँ कि मेरी बुद्धि मंद रही होगी।"

'पोरबंद से पिताजी 'राजस्थानिक कोर्ट' के सभ्य हो कर जब राजकोट गये तब मेरी उम्र कोई सात साल की होगी। राजकोट की देहाती पाठशाला में मैं भरती कराया गया। इस पाठशाला के दिन मुझे अच्छी तरह याद हैं। मास्टरों के नाम ठाम भी याद हैं। पोरबंदर की तरह वहाँ की पढ़ाई के सम्बन्ध में भी कोई खास बात जानने लायक नहीं। मामूली विद्यार्थी भी मुश्किल से माना जाता होऊंगा। पाठशाला से फिर ऊपर के स्कूल में और वहाँ से हाईस्कूल में गया। यहाँ तक पहुँचते हुए मेरा बारहवाँ साल पूरा हो गया। मुझे न तो यही याद है कि अबतक मैंने किसी भी शिक्षक से झूठ बोला हो, न यही कि किसी से मित्रता जोड़ी हो। बात यह थी कि मैं बहुत झेंपू लड़का था, मदरसे में अपने काम से काम रखता। घंटी लगते समय पहुँच जाता, और स्कूल बंद होते ही घर भाग आता। 'भाग आता' शब्द का प्रयोग मैंने जान बूझ कर किया है, क्योंकि मुझे किसी से बातें करना न सुहाता था। मुझे यह डर भी बना रहता कि कहीं कोई मेरी दिल्लगी न उड़ाए।

"हाईस्कूल के पहले ही साल की परीक्षा के समय की एक घटना लिखने योग्य है। शिक्षा विभाग के इंस्पेक्टर, जाइल्स साहब, निरीक्षण करने आये। उन्होंने पहली कक्षा के विद्यार्थियों को पाँच शब्द लिखवाये। एक शब्द था 'केटल'। उसे मैंने गलत लिखा। मास्टर साहब ने मुझे

इससे आगे पृष्ठ १६ पर

बदला

पहले समय में नौकरों को तरह तरह की सजायें दीजाती थीं ? इसलिए एक बार "रूम" से जो आजकल "इटली" की राजधानी है एक नौकर भाग गया। रास्ते में उसे पहाड़ और बन मिले। वह थक जाने पर सुस्ताने के लिये एक खोह में गया। जैसे ही वह खोह के अन्दर गया कि उसे शेर की आवाज़ सुनाई दी। वह भागना चाहता था कि शेर एक पैर उठाता हुआ बाहर निकला। पैर में कांटा चुभने के कारण वह शेर अपना पैर धरती पर नहीं रख सकता था। शेर लंगड़ाता हुआ नौकरके पास आया और उसने अपने पैर को नौकर के सामने रख दिया। उस नौकर ने शेर की बात समझ कर धीरे से कांटा निकाल दिया। शेर खुश होकर अपना पंजा उस नौकर के शरीर पर रगड़ने लगा। उस रोज़ से वह शेर एक कुत्ते की तरह उस नौकर के साथ रहने लगा और उसके खाने के लिये हरिण और दूसरे दूसरे जानवरों का मांस लाने लगा।

इस प्रकार शेर के साथ रहते रहते उस नौकर को बहुत समय बीत गया। एक रोज़ अचानक उसके मालिक के लोग उसको पकड़ कर ले गये।

जिस रोज़ से वह नौकर भागा था उसी रोज़ से यह लोग उसकी खोज में इधर उधर घूमा करते थे। मालिक ने भागने की सजा में उसे जंगली जानवरों से फड़वा देने की आज्ञा दी मगर कई दिन तक कोई जंगली जानवर न मिला आखिर में वही शेर जिसके पैर में से नौकर ने काँटा निकाला था जाल में फंसा कर लाया गया। शेर कई रोज़ तक भूखा रखा गया था जिससे कि वह नौकर को तुरन्त फाड़ कर खा जावे। जिस पिंजड़े में शेर था मालिक ने नौकर को उसी में फेंक दिया।

पहले तो शेर गरज कर उस पर टूट पड़ा और सभी ने यह समझ लिया कि शेर उसे ज़रूर खाजावेगा परन्तु वह नौकर को पहचान गया और उसके पांव पर कुत्ते की तरह लौटने लगा। यह देख कर सब लोग अचम्भे में पड़ गये ?

मालिक ने नौकर को आज़ाद कर दिया और शेर भी उसी को देदिया।

इस कहानी को पढ़ने से मालूम होता है कि जानवर भी भलाई का बदला भलाई से देते हैं।

—इस्सान-गनी देवरची

आंख मिचोली

रियासत गँगापुर के एक गांव में एक आदमी ने हाथियों का ठेका ले रक्खा था। रोज़ इसके यहां से सौ पचास हाथी दूसरी जगह भेजे जाते थे।

ठेकेदार के हाथी खाने में जहाँ हर तरह के छोटे बड़े हाथी थे वहाँ १०, १५ छोटे बच्चे भी थे। यह देखने में बहुत सुंदर मालूम पड़ते थे। हाथियों के बच्चे हाथी खाने में दिन रात धमा चौकड़ी मचाए रखते। गाँव के छोटे छोटे ना समझ बालक अक्सर हाथी खाने के पास जमा हो जाते और हाथियों के बच्चों की उचक फांद देख देख कर बहुत प्रसन्न होते और अपने हमजोलियों के साथ आँख मिचोली खेलते।

एक रोज गांव के बच्चे आंख मिचौली खेलने के लिये हाथी खाने के मैदान में घेरा बनाए खड़े थे और उनमें से एक बच्चे को चोर बनाकर उस की आंखों पर पट्टी बांध रहे थे। इतने में हाथी खाने से हाथियों के १०-१५ बच्चे गांव के बच्चों के पीछे आकर चुपके से खड़े हो गए। इन बच्चों को जरा भी पता न चला। यह तो बस अपनी धुन में पट्टी बांधे जाने वाले बच्चे को देख रहे थे कि पट्टी बंध जाये और ताली बजे तो हम लोग भागें। इतने में ताली बजी और बच्चे अंधा-धुन्ध भागने लगे। अब जिन बालकों के पीछे हाथियों के बच्चे खड़े थे वह उन से टकरा टकरा कर इधर उधर लुढ़क पुढ़क गये। हमजोलियों की नजर ज्योंही हाथियों पर पड़ी घबराहट में हाथी आया भागो, कहकर बेतहाशा अपने अपने घरों की तरफ़ भागे। हाथियों के बच्चे भी गांव के बच्चों के पीछे दौड़े और थोड़ी दूर आगे इन बच्चों को जा लिया और अपनी अपनी सूंडों में लपेट कर हाथी खाने के मैदान में जहां बच्चे आंख मिचौली खेल रहे थे ले आये और इन बच्चों को अपने घेरे में ले कर एक ने अपनी सूंड आंखों पर रख बच्चों को इशारे से बताया कि हम भी आंख मिचौली खेलेंगे।

गांव के बच्चे पहले तो अपने को हाथियों के महासरे में देख कर भय से चीखते चिल्लाते रहे परन्तु बाद में आंख मिचौली का इशारा समझ कर रोना धोना सब भूल गये और हाथियों के बच्चों के साथ मिल कर आंख-मिचोली खेलने लगे। हाथियों के बच्चों के साथ खेलते खेलते गांव के बच्चे अभय हो गये।

अक्सर कोई बच्चा कभी चोर होता तो आंखों पर पट्टी बांधी होती और वह हाथियों के झुंड में बिना भय के घुस जाता और हाथों से टटोल टटोल कर हाथियों के बच्चों को पकड़ कर चिल्लाता 'चोर चोर' आवाज़ सुनकर तमाम बच्चे हाथी खाने में घुस कर हाथी के बच्चे को खींच तान कर बाहर मैदान में ले आते।

शेष पृष्ठ १२ पर

ईमानदारी

बच्चो ! प्रायः कई बार तुमने अपने अध्यापकों या अन्य लोगों को यह कहते सुना होगा कि "अमुक बालक तो बहुत अच्छा है।" परन्तु शायद तुमने कभी यह जानने का प्रयत्न नहीं किया कि वह क्यों अच्छा है ? उसमें ऐसी कौन सी बात है जिसके कारण लोग उसकी प्रशंसा करते हैं।

जरूरी बात है कि उसमें कोई न कोई ऐसा विशेष गुण है जिसके कारण अध्यापक गण व अन्य लोग उससे प्रसन्न हैं। ईमानदारी ही उसकी एक मात्र पूंजी है, यही उसमें विशेष गुण है और इसीलिए वह सब की आंखों में चढ़ा हुआ है। घर में, स्कूल में सभी उसे प्रेम और आदर की दृष्टि से देखते हैं। सब उस पर विश्वास करते हैं। खेल की घंटी में उसके सहपाठी बिना किसी भय के अपनी पुस्तकें आदि उसके पास छोड़ कर अपने आप खेलने चले जाते हैं। जब कभी उसे किसी वस्तु की आवश्यकता होती है, तुरन्त ही बिना किसी सङ्कोच के मिल जाती है। उसकी आत्मा पवित्र है, इसीलिए उसे किसी का भय नहीं।

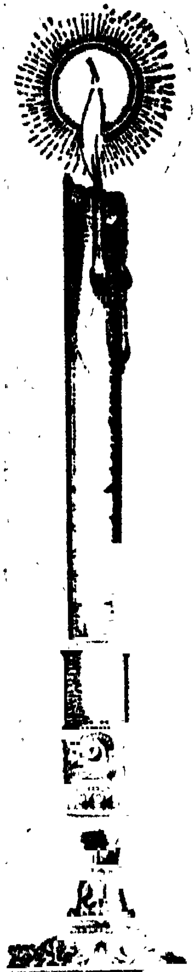
इसके विपरीत कुछ ऐसे बालक भी होते हैं जो अपनी ठग विद्या और असत्य के कारण अपने अध्यापकों, माता पिता व अन्य सब की दृष्टि में गिर जाते हैं। सभी उनको घृणा की दृष्टि से देखते हैं। न उन पर कोई विश्वास करता है और इसीलिए लोग अपनी वस्तु उनके पास रखते हुए घबराते हैं।

बच्चो ! दंड के भय से ईमानदार रहना तो ईमानदारी नहीं कहलाता। यह तो वही बात हुई जैसे किसी हड़काय कुत्ते को जंजीर से बांध दिया जाय। वास्तव में तो वही बालक ईमानदार है जो दिल से ईमानदार हो, जो अपने लाभ और हानि का विचार न करते हुए ईमानदार रहे। जो वज्र के समान दृढ़ हो, कड़े से कड़े समय में भी अपने स्थान से न डिगे और सत्य व ईमानदारी को अपने हाथ से न जाने दे।

जीवन-संग्राम में सफलता पाने के लिए ईमानदार होना अत्यंत आवश्यक है। अंत में सफलता ईमानदारी की ही होती है। हो सकता है कि कोई बालक झूठ और चालाकी के बल बूते पर कुछ समय के लिए किसी कार्य में सफल हो जाय। परन्तु ऐसे बालक अपने जीवन में कभी सफल नहीं हो सकते। अंत में कभी न कभी उनकी बेईमानी का भांडा फूट ही जाता है और उसके लिए उन्हें दंड भोगना पड़ता है। प्रायः देखने में आता है ऐसे बालक सदा दूसरों से डरते रहते हैं और आँख बचा कर चलते हैं।

शेष पृष्ठ १६ पर

भारत-माँ से......



माँ, मुझको वरदान न दोगी ?

सब शिशुओं ने माँ—मन्दिर में
अपना अपना दीपक बाला,
मेरे नन्हें से दीपक से—
मन्दिर क्या होगा उजियाला ?

स्नेह, कृपा का दान न दोगी ?
माँ, मुझ को वरदान न दोगी ?

मेरे तुच्छ पुजापे में मा,
मेरा छोटा सा जीवन है;
उसमें मेरी ममता है माँ,
इसमें मेरा अपनापन है;

इसको अपना मान न लोगी ?
माँ, मुझको वरदान न दोगी ?

—नगीन चन्द्र "प्रदीप", एम० ए०

आखिर सोचते सोचते एक उपाय सोच ही लिया। उस रात उन्होंने रस्सी काएक सिरा बाहर लटका दिया। दूसरा सिरा अपने पांव के बजाय अपनी घड़ी में बांध दिया और सोते समय उसे अपने सिरहाने रख लिया। सुबह हुई तो रस्सी को झटका मिला। घड़ी हिली एक और झटका मिला तो वह जमीन पर जा गिरी अलारम भी बजने लगा। कमरे में पड़ी हुई चीजें उथल पुथल होने लगीं और चचा जाग उठे। उछल कर खिड़की के समीप आये। नीचे झांक कर देखा तो क्या देखा कि एक गधे ने रस्सी को मुंह में डाल रखा है। रस्सी के सिरे पर बंधी हुई गाजर तो खा चुका है अब रस्सी से जोर आजमा रहा है। चोर पकड़ लिया। चचा चिल्लाये। इतने में चुन्नू भी आगये। सारा माजरा सुना तो चचा से कहा : 'और हमारा केक?' 'जरूर जरूर' चचा ने कहा। इस रात चचा ने सोचा वह गाजर के बजाय और कुछ बांधेगा। अगर गाजर ही बांधता गया तो गधा तो इनको साफ ही कर देगा, सुबह, तो सुबह, दिन रात उसके पीछे पड़ा रहेगा। और चाची को पता चला तो......? उन्होंने एक सिरा घड़ी में और दूसरे सिरे में मैले कपड़ों का एक गेंद बांध दिया और सोचा गधा अब बड़ा पछतायेगा। सुबह फिर वही झटका, घड़ी नीचे गिरी, फिर अलारम। फिर चीजें उथल पुथल हुई और चचा जाग उठे। बाहर झांक कर देखा तो गधा मैले कपड़ों को देखकर थूथनी लटकाये जा रहा था। चचा से न रहा गया कि गधा बिचारा इस तरह मायूस जाये और वह भी तो उसे जगा ही देता है। वह भागे भागे रसोई में गये एक गाजर ली, नीचे आये और गधे के मुंह में गाजर डाल दी। गधे ने खुशी से दुम हिलाई इतने में चुन्नूमियां भी आ धमके और कहा 'हमारा केक'! 'जरूर, जरूर' चचा चक्कन ने कहा। बस हफ्ते भर यही होता रहा। गधा रस्सी को झटका देता, घड़ी अलारम बजाती, चीजें टूटती फूटतीं और चचा जागते। एक गाजर रस्सी के सीरे पर बांधी जाती जो गधा खाता। एक केक चुन्नूमियां को मिल जाता, जो यह देखने आता कि चचा जागते तो हैं। इसी तरह घर में पड़े हुए केक भी खतम और गाजरें भी खतम। उन्होंने खुद नहीं खाईं, खाते भी क्यों? शायद यह भी सोचा हो बेगम पूछेगी तो कहदेंगे 'तुमने कहा था, न खाना, मैंने खाये तो नहीं?'

मिर्जा शाहिद हुसैन (मुहीउद्दीन पुरी)



बजे मुझे जगा देना। बाहर से आवाज देना। उत्तर न दूं तो समझना सोया हूँ फिर जोर से आवाज देना। फिर भी उत्तर न दूं तो मेरे कमरे में एक कंकर फेंकना, जागूंगा तो उसके बदले एक केक बाहर फेकूंगा। क्यों काम करोगे न अब? चुन्नूमियां मान गये। प्रातः काल उन्होंने आवाज दी। फिर भी आवाज न आई तो चिल्लाकर बोले। फिर भी आवाज न आई तो चुन्नूमियां ने एक पत्थर उठाया और चचा के रोशनदान पर दे मारा। शीशा चूर चूर हो गया लेकिन चुन्नूमियां ने क्रोध की कोई परवाह न की और चलता बना। चचा चक्कन शीशे टूटने की आवाज सुनकर जागे। कमरे में शीशे के टुकड़े देखकर हैरान रह गये। लेकिन फिर ख्याल आया कि चुन्नूमियां ने जगाने के लिये कंकर मारा होगा। उसी समय केक का ख्याल आया। लेकिन उसी समय क्रोध में बोले "केक कैसा"? मैंने कंकर मारने को कहा था। शीशा तोड़ने को न कहा था'! उस दिन वह सोचते रहे कि कौन सा उपाय हो कि शीशा तोड़े बगैर ही चुन्नूमियां मुझे जगाया करे। बहुत सोचने के बाद उन्हें एक उपाय सूझ ही गया। बाजार से एक रेशम की रस्सी खरीदी और वहां से चुन्नूमियां के यहां पहुँचे 'मियां देखो मैंने शीशा तोड़ने को न कहा था। नया शीशा लगवाने में २) रुपये लग गये। मैं रस्सी लाया हूँ। इस रस्सी का एक सिरा अपने पैर में बांध दूंगा दूसरा बाजार में लटका दूंगा। सुबह तुम उसे खींचना और मैं जाग जाऊंगा'। चुन्नूमियां मान गये। चचा चक्कन ने ऐसा ही किया। एक सिरा अपने पांव में बांध दिया दूसरा बाजार में लटका दिया और जमीन से इतना ऊंचा रखा जितने चुन्नूमियां ऊंचे थे। क्योंकि वायु चल रही थी और रेशमी रस्सी हल्की थी वह उड़ने लगी। चचा ने रस्सी के उस सिरे पर रसोई से एक गाजर लाकर बांध दी। सुबह हुई तो रस्सी को एक झटका लगा इस जोर का झटका था कि चचा चक्कन उठ खड़े हुए। फिर झटका लगा फिर झटका लगा। चचा चिल्ला कर बोले 'चुन्नूमियां जाग तो रहा हूँ'—लेकिन फिर एक झटका लगा, इतने जोर का कि चचा चक्कन की एक टांग ऊपर जा रही थी और चचा एक टांग पर खड़े लड़खड़ा रहे थे और चिल्ला रहे थे 'ओ चुन्नू क्यों खींचता है रस्सी?' लेकिन उत्तर कोई न आया। वह तो खैर हुई कि और झटके से रस्सी टूट गई। चचा ने उचककर खिड़की से बाहर झांका। बाहर कोई न था। न रस्सी न गाजर। चचा ने अन्दर घड़ी पर एक नजर डाली—पूरे साढ़े छः इतने में चुन्नू सीटियां बजाता आया। चुन्नूमियां ने चचा को देखा और अचरज से बोला 'कैसे जागे चचा?' 'कोई मुझ से चालाकी कर रहा है' चचा ने कहा, 'क्या तुम ने किसी को रस्सी खींचते देखा?' 'नहीं तो' चुन्नू ने कहा' और मेरा केक चचा?' 'ले सकते हो' चचा ने कहा। लेकिन मैं उस शैतान को भी पकड़ना चाहता हूँ।

कहानी

चचा चक्कन प्रातःकाल जागे

एक दिन चाची को सहेली का पत्र मिला, कि वह बीमार है जल्द चली आओ। पत्र पढ़ते ही चाची की आंखों में आंसू आ गये। चचा आगे बढ़े, आँसू पोंछे और कहा बेगम घबराने की क्या बात है? चाची ने रोनी सूरत बनाके कहाः 'उसका इतना ख्याल नहीं। वह तो खैर ठीक हो ही जायेगी। मुझे तो तुम्हारा ख़्याल आ रहा है। तुम्हें सुबह सुबह कौन जगाया करेगा और अगर किसी ने न जगाया तो सारे दिन खर्राटे भरते रहोगे। न काम, न काज, मेरे आते सब घर उजाड़ बैठोगे और फिर तुम्हारा खाना पीना......?' चचा चक्कन इतना खाते थे कि राम ही जाने। संध्या का खाना क्या खाया मानो अफीम खाली। रसोई से सीधे बिस्तर की तरफ लपकते हैं और आंख झपकते में सो जाते हैं और सुबह खट खटाने से जागते हैं और चाची ने इस रोज़ रोज़ के काम से बचने के लिये एक अलारम की घड़ी भी मंगा दी थी; लेकिन बेकार। चचा बोले फिकर मत करो मैंने जागने का उपाय सोच लिया है। और खाने पीने का क्या? सुबह उठते ही चाय, केक, पेस्ट्री, बादाम आदि इसके पश्चात् खीर हलुआ और खाने के समय दोपहर को केला सेब इत्यादि फल दिन ढलते दूध या चाय या शरबत और शाम को......। चाची ने बात काटते हुए कहा : बस, बस फिर दूसरे दिन हकीम के। इसीलिये तो मैं जाना नहीं चाहती सो खाने की फेहरिस्त बनाए देती हूँ उस पर चलना'। फिर चाची ने सामान बांधना आरम्भ किया। चचा ने शोर मचाना शुरु किया। उधर चचा चक्कन शोर मचा रहे थे इधर चाची उन्हें समझा रही थीं। देखो सुबह साढ़े छः बजे उठा करो। जगाने को किसी से कह आओ—सुबह खाली चाय, दोपहर को खाना, शाम को दूध और हां केक न खाना; आऊंगी तो खुद खिलाऊंगी। कुछ देर यह धमा चौकड़ी रही। घर की हर चीज़ उथल पुथल हो रही थी। कहीं बरतन गिर रहे थे, कहीं ट्रंकों के खुलने और बन्द होने की आवाजें आ रही थीं आखिर राम राम करके चाची चचा स्टेशन की तरफ चले।

गाड़ी चली तो चाची ने एक बार फिर कहा—देखना केक बिल्कुल न खाना और रोज़ प्रातः काल जागना। चचा वापस चले तो सोचा चुन्नू मियां के होता जाऊं। सुबह साढ़े छः बजे बाजार से गुजरता है मुझे भी जगा जाया करेगा। चुन्नूमियां के पहुँचे तो बोले मियां एक तक़लीफ़ दे रहा हूँ। सुबह साढ़े छः

चुनना। सब नागरिक अपनी ओर से थोड़े से योग्य आदमियों को अपना राजकाज चलाने के लिये चुनते हैं और उनके हाथ में ५ वर्ष के लिये काम सौंप देते हैं। इसे 'मत देना' या 'वोट देना' भी कहते हैं। जिस आदमी को आप चुनना चाहें उसके नाम से आप एक पर्ची चुनाव के दफ्तर में जाकर डाल देते हैं, उस परची को 'मत' या 'वोट' कहते हैं। जिसके लिये ज्यादा 'मत' आते हैं वह प्रतिनिधि चुन लिया जाता है। अभी तुम बच्चे हो, पर जब तुम २१ वर्ष के हो जाओगे, तब तुम्हें भी 'मत' देने का अधिकार होगा। प्रत्येक नागरिक को, जो २१ वर्ष का हो, 'मत' देने का अधिकार है, चाहे वह स्त्री हो या पुरुष और चाहे वह किसी धर्म या मजहब का मानने वाला हो।

इसका ज्यादा हाल तुम अगले अंक में पढ़ोगे।

—श्री मदनमोहन गुप्त
बी० ए०, एल-एल० बी०



हमारा राज

प्यारे बच्चों, हमारे देश का नाम भारत है। इसे हिन्द, हिन्दुस्तान या इंडिया भी कहते हैं। यह तो तुम जानते ही हो कि हमारा देश अभी कुछ वर्ष हुए, स्वतन्त्र हुआ है। पहले यहाँ अंग्रेजी जाति का राज्य था। उनका राजा ही हमारा सम्राट था। सम्राट की ओर से भारत में एक प्रतिनिधि अर्थात् नुमाइंदा आता था जो यहाँ का राजकाज चलाता था। भारत की जनता का उसमें कोई हाथ न था। इसीलिये जनता ने उसका विरोध किया और गांधी जी के बताए हुए मार्ग पर चल कर हम स्वतन्त्र हो गये। स्वतन्त्रता का मतलब है कि हम अपना राज्य आप ही चलाते हैं। पर यह कैसे होता है? इस छोटे से लेख में तुम्हें यही बताया जायेगा।

अंग्रेजों के जाने के बाद हमारे नेताओं ने, जिन्हें जनता ने चुना था, एक सभा बनाई, जिसे "संविधान सभा" कहते थे। उसने राज-काज चलाने का पूरा तरीका एक पुस्तक में लिख दिया, जिसे 'संविधान' कहते हैं। संविधान के शुरू में लिखा है कि भारत एक 'गणराज्य' होगा। गणराज्य उस देश को कहते हैं जहाँ जनता का राज्य हो और कोई राजा नहीं हो। फिर संविधान में लिखा है कि हमारे गणराज्य में सब लोगों के साथ न्याय होगा, चाहे वे किसी धर्म या मजहब को मानते हों, वे सब स्वतन्त्र होंगे, सबको समान समझा जायेगा और सब में भाईचारा बढ़ाया जायेगा।

इसका मतलब यह हुआ था कि हमारे संविधान के उसूल ये हैं:—

१. जनता का राज्य
२. न्याय
३. स्वतन्त्रता
४. समता, और
५. भाईचारा।

तुम्हें पता होगा कि भारत में छूताछूत का बहुत प्रचलन था। हरिजनों से लोग घृणा करते थे और उन्हें समान अधिकार नहीं देते थे। संविधान में लिखा है कि छूताछूत का अंत किया जाता है। इससे भारत का एक बड़ा कलंक मिट गया।

यह तो हुई सिद्धान्त या उसूल की बातें, अब हम तुम्हें यह बतायेंगे कि राजकाज चलाने के लिये संविधान में क्या तरीका लिखा है। हमने तुम्हें बताया कि भारत में जनता का राज्य है पर तुम जानते हो भारत एक बहुत बड़ा देश है जहाँ ३५ करोड़ लोग रहते हैं जिन्हें 'नागरिक' कहते हैं। वे ३५ करोड़ नागरिक मिल कर कैसे राज्य कर सकते हैं? इसलिये चुनाव का उपाय अपनाया गया है। चुनाव का मतलब है

भाई इफ्तखार !

आज हमारी आँखें भीगी हैं। मक्तबा जामिआ लिमिटेड से सम्बन्धित प्रत्येक व्यक्ति का हृदय आज भारी है। दुर्भाग्य ने मक्तबा जामिआ के एक योग्य, परीश्रमी तथा सर्वप्रिय कार्यकर्त्ता, भाई इफ्तखार अली खां को हमसे सदा के लिए छीन लिया है। हम अपने में इस चोट को सह सकने की शक्ति नहीं पाते......

सदा की भांति आज भी हम बार बार प्रधान कार्यालय में सेफ़ के पास बिछी हुई कुर्सी की ओर देखते हैं। पहले जब हम उस ओर देखा करते थे तो उत्तर में एक हंसमुख चेहरा और उसके साथ प्यार और सहानुभूति से भरे दो नेत्र ऊपर उठा करते थे। आज हमारी निगाहें उन निगाहों को खोज रही हैं, उस हंसमुख चेहरे की तलाश में हैं, परन्तु आज वहाँ केवल एक प्राणहीन कुर्सी ही अपने सूनेपन से हमारे दिलों का सूनापन बढ़ाने के लिए पड़ी है......

भाई इफ्तखार का छोटा सा जीवन अपने में एक लम्बी कहानी छिपाये है, एक ऐसे व्यक्ति की कहानी जो अपने लाभ से दूसरे के लाभ को अधिक महत्व देता है, जो काम में ही आराम खोजता है, दूसरों की प्रसन्नता ही जिसका मनोरंजन होत है, दूसरों का आराम ही जिसका विश्राम होता है......

युवक इफ्तखार की आकस्मिक मृत्यु की भी एक करुण कहानी है। कई रात जाग कर और दिन रात कार्य करने के बाद २२ मई को, अपने कर्त्तव्यों से निबट कर उनके हृदय ने कुछ आराम और मन बहलाव की आवश्यकता का अनुभव किया। इसके लिए सरल हृदय इफ्तखार किसी खेल तमाशे की ओर न दौड़े। वह तो मार्ग में अपने किसी अन्तरंग को चाय का और किसी को साथ बैठ कर हंसने-खाने का निमन्त्रण देते हुए यमुना तट पर स्नान के लिए गए। उत्साही नवयुवक की बलवान और सुन्दर भुजायें यमुना की लहरों से खिलवाड़ करने लगीं। यमुना को इस निर्भय युवक के स्वाभाविक सौन्दर्य पर ईर्ष्या हुई। वह न सह सकी कि एक युबक की भुजायें इस प्रकार उसकी लहरों का घमंड चूर चूर करें......और उसने भाई इफ्तखार को अपनी लहरों में समेट लिया, सदा के लिए। तभी सूर्य ने छुप कर आकाश के मुख पर कालिख पोत दी......

अब से पहले हमने अनेक बार यमुना की लहरों को देखा है। हमें उनमें एक मस्ती दिखाई दी है, हमने उनमें एक संगीत गूंजता सुना है। अब हम जब भी उन हृदय हीन लहरों की ओर देखेंगे तो हमें मस्ती और संगीत के स्थान पर क्रूरता और अट्टहास ही प्राप्त होंगे। न जाने कब तक आहत परिवार के प्रत्येक सदस्य और मक्तबा के प्रत्येक कार्यकर्त्ता को उन लहरों से ऊपर उठता हुआ एक हाथ एक मौन संकेत करता सा दिखाई देगा। हमारे नेत्र उस दृश्य को देख कर भर भर आते रहेंगे और हमारा हृदय पुकार उठेगा : 'भाई इफ्तखार तुम कहाँ छिपे हो ?'......

—नवीन चन्द

प्याम तालीम

(हिंदी-विभाग)

जून १९५०

जामिआ नगर

विषय-सूची

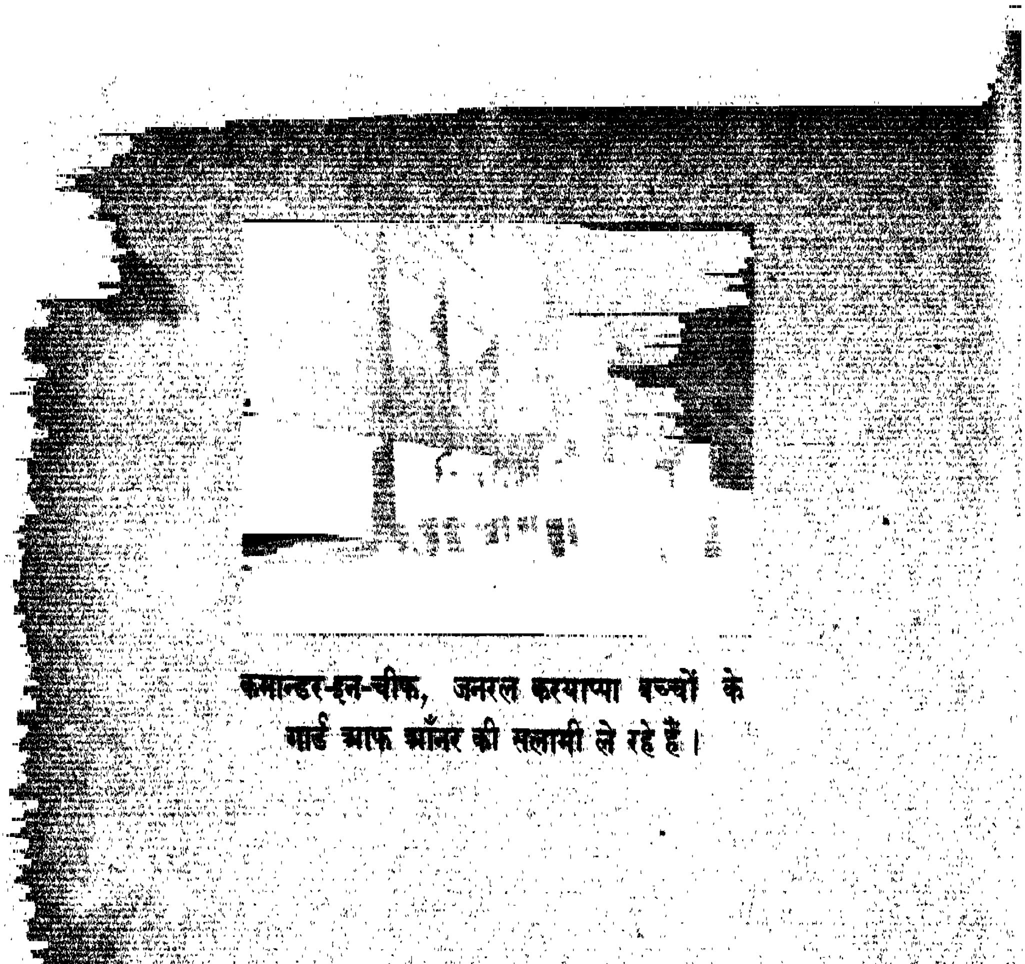
सम्पादकीय

'प्याम तालीम' के एक सदस्य, मोहम्मद इस्माइल सिद्दीकी लिखते हैं : 'प्याम तालीम का हिन्दी-विभाग मुझे बहुत पसन्द आया। मैं खुदा से प्रार्थना करता हूँ कि आपको इस मक़सद में कामयाबी हासिल हो और मुबारिकबाद पेश करता हूँ।'

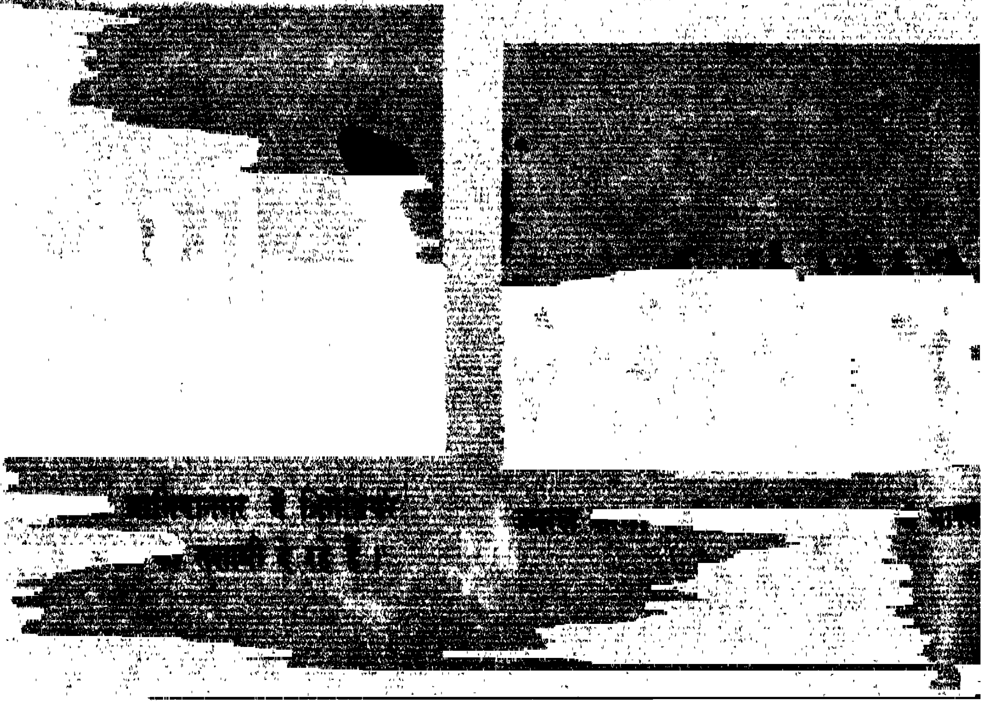
'प्याम तालीम' का सम्पादक-मंडल अपने सब शुभचिन्तकों को हार्दिक धन्यवाद देता है और आशा करता है कि 'प्याम तालीम' के लिये लोगों का प्रेम दिन प्रति दिन अधिक होगा।

× × × × ×

इस अंक के लिए प्राप्त होने वाली कहानियों में से मिर्ज़ा शाहिद हुसैन, मुहीउद्दीनपुरी की कहानी 'चचा चक्कन प्रातः काल जागे' 'प्याम तालीम' के सम्पादक-मंडल को सबसे अधिक पसन्द आई है। पिछले अंक में किये गये ऐलान के अनुसार उन्हें पांच रुपये इनाम भेज दिया गया है। इसका यह अर्थ नहीं कि दूसरी कहानियाँ अच्छी नहीं हैं। इनाम केवल एक कहानी पर दिया जाना था। दूसरी कहानियाँ 'प्याम तालीम' में छापी जावेंगी। अपने नए लेखकों के लिए हमारा यही कथन है कि वह बराबर कुछ न कुछ लिखते रहें। 'प्याम तालीम' उनकी सब प्रकार की संभव सहायता करेगा और उनकी रचनाओं का उचित आदर करेगा।



कमान्डर-इन-चीफ, जनरल करियाप्पा बच्चों के गार्ड आफ ऑनर की सलामी ले रहे हैं।



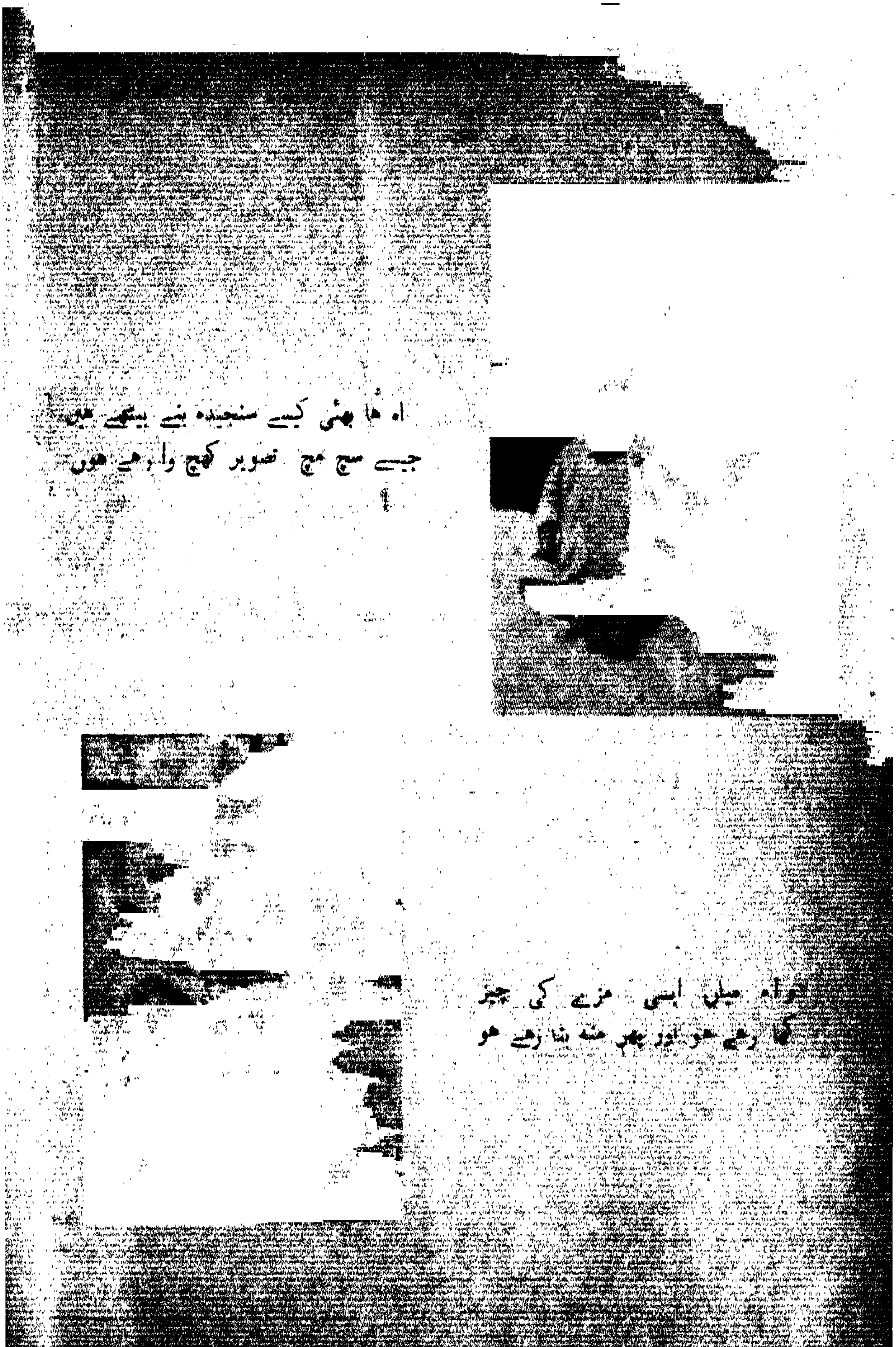
ग्राम ताल में



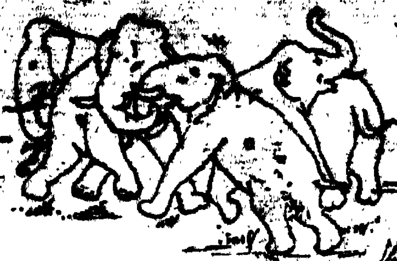


मूल्य ६ आना


پیام تعلیم
دہلی
جاگو اور جگاؤ



اہا بھئی کیسے سنجیدہ بنے بیٹھے ہیں
جیسے سچ مچ تصویر کھچوا رہے ہوں
واہ میاں ایسی مزے کی چیز
کھا رہے ہو اور پھر منہ بنا رہے ہو



جلد ۳۲ | فہرست مضامین | نمبر ۳



جولائی سنہ ۵۰ء

"ارے بھئی تمھارے لئے تو آیا ہے
"پیام تعلیم"
ہمیں خدا پڑھ کر دیتے ہیں"

پیام تعلیم

صالحہ عابد حسین
مشتاق احمد عظمی ۔ سندلال گاندھی
میں آرٹسٹ
محمد حسین حسان (چیف اڈیٹر)

مکتبہ جامعہ



بچوں ـــ باتیں

پھر چرپرسیں اور میں اپنے وطن جاچکا تھا واپسی پر افتخار مرحوم کے حادثے کی اطلاع ہوئی۔ میں انھیں صحیح اور تندرست چھوڑکر گیا تھا۔ ایک کڑیل جوان بات کہتے میں موت کی آغوش میں سوگیا۔ افسوس!

افتخار مرحوم بہت محنتی، جفاکش، بے غرض اور بہر شریف۔ سعادت مند، دوست نواز نوجوان تھے۔ ماں باپ کی اُمیدوں کا چراغ بہن بھائیوں اور عزیزوں کی بہبود و ترقی کا سہارا، پر یہ چراغ ایک ہی جھونکے میں گل ہوگیا یہ سہارا آن کی آن میں ٹوٹ گیا

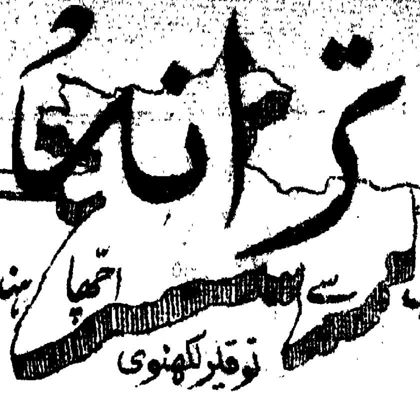
اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

افتخار کے ماں باپ پر اس خبر سے کیا بیتی ہوگی۔ اس کے بھائی بہنوں کے دلوں کا کیا عالم ہوگا۔ اس کا کیا اندازہ ہوسکتا ہے۔ خدا ان سب کو صبر کی توفیق دے مکتبے والوں کے دلوں میں مرحوم کی یاد بہت دنوں تک رہے گی۔

انعامی سوال والے مضمون کا سلسلہ دراز ہوتا چلا جاتا تھا مجبوراً اسے اس نمبر میں ختم کرنا مناسب سمجھا گیا۔ پیامی ان پورے سوالوں کو غور سے پڑھیں۔ ان میں بعض چیز تو ایسی ہیں کہ بڑے بڑے ان کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ ان کے جواب ۱۵ر جولائی تک ضرور بھیج دیں۔

اس نمبر میں ایک اور مضمون چھپ رہا ہے۔ "ہماری حکومت" اس مضمون کو ختم نہ سمجھو یہ سلسلہ آگے بھی چلے گا۔

ترانہ



سب سے اچھا ہند ہمارا

توقیر لکھنوی

سب سے نیارا سب سے پیارا　　آنکھ کا تارا دل کا سہارا
بھارت ماں کا راج دلارا
سب سے اچھا ہند ہمارا

خاک میں اس کی لطف چمن ہے　　اس کی شوبھا گنگ و جمن ہے
بول ہیں اس کے امرت دھارا
سب سے اچھا ہند ہمارا

اس نے ہمیں آغوش میں پالا　　چشم کرم سے دیکھا بھالا
دیکے سہارا ہم کو ابھارا
سب سے اچھا ہند ہمارا

باغ ارم ہے اس کا دامن　　اس پہ نچھاور تن من اور دھن
وجہ تسلی اس کا نظارا
سب سے اچھا ہند ہمارا



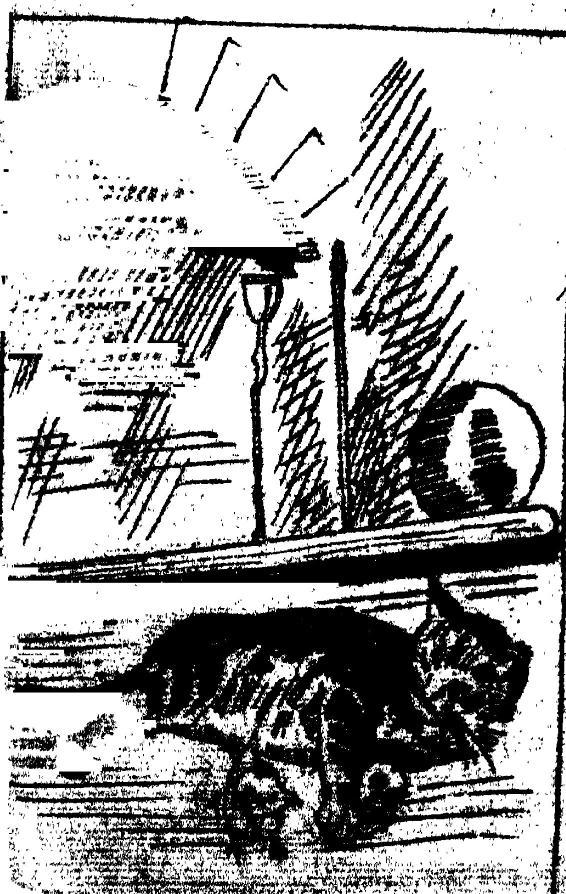
پریم کا ساغر ہم کو پلایا　　روتے ہوؤں کو اس نے ہنسایا
اپنی نیا کھیون ہارا
سب سے اچھا ہند ہمارا

توقیر ترانہ خوب لکھا ہے　　شوق سے سب نے اس کو پڑھا ہے
دیش کا بچہ بچہ پکارا
سب سے اچھا ہند ہمارا

پانی اور تیل کا میل

محمد حسین حسان

(۳)



لے لو، اُف غضب۔ بلی شکار بہت
کاٹ، آتش دان میں سے ہو سپ کی
اور غصے میں!
غرض بلی کی وجہ سے آتش دان خالی
تھا۔ آگ وہاں نہیں جل رہی تھی مگر
پرانا بنا ہوا تھا۔ بڑا سا آتش دان
تھی جیسا پھرتیلا جانور تو اس میں آسانی
سے چڑھ سکتا تھا۔

بڑی بی کمرے کے ایک سرے
پر بیٹھی تھیں۔ پھر بڑھا کے تھیں بڑی
تیزی سے منقا اٹھا آتش دان
تک پہنچیں نظر کا آتش دان
میں جھانکا۔ وہاں اندھیرا
چھایا تھا۔

تھوڑی دیر تو کچھ بھی پتہ نہ چلا پر آہستہ آہستہ کچھ مدھم مدھم روشنی نظر آئی۔ یہ چمنی کے اوپر سوراخ میں سے آرہی تھی۔ اے لیجیے اب تو کچھ کچھ بلی بھی سجھائی دینے لگی۔ سوراخ میں سب سے اوپر لگی ہوئی اینٹ کی نگر پر بیٹھی تھی۔ کچھ یقین تو نہ آتا تھا پر کچھ کچھ اندازہ ہوتا تھا کہ بلبل اب تک منہ میں دبا ہے۔

بڑی بی نے سوچا۔ اس نامراد نے بدن میں طاقت اس طرح نہ گڑھے ہوں کہ زخموں کی وجہ سے پرندہ جی ہو سکے اور شاید اس کی زندگی کی کوئی صورت نکل آئے۔

بڑی بی نے اسے نرمی سے بلایا۔ چمکارا بہلایا، پھسلایا۔ اس سے کام نہ چلا تو زور سے ڈانٹا۔ گھڑکیاں دیں۔ غرض سارے جتن کر ڈالے۔ پر تو یہ سمجھئے۔ بی میاؤں ٹس سے مس نہ ہوئیں۔ ویسے کی ویسی بیٹھی رہیں جیسے مٹی کی مورت۔

اب تو بڑی بی کی امید بھی ختم ہوئی۔ مجبوراً آتش دان میں سے سر نکالا اور [illegible] کے اندر میں کمرے کے چاروں طرف نظر دوڑائی۔ کمرے کا ایک دروازہ ذرا سا کھلا نظر آیا۔

اے ہے یہ کیا۔ میں نے تو سب دروازے کھڑکیاں اچھی طرح بند کی تھیں۔ اور یہ اندر یہ کیا۔ بلی، بلی! اچھی تو ہرگز نہیں۔ کیسی [illegible] جیسے کسی انتظار میں کھڑی ہو۔ میرا بلبل مل جائے تو ابھی نوالا بنا لے۔

بڑی بی کے دماغ میں جیسے بجلی سی کوندی۔ ساری حقیقت سمجھ میں آگئی۔ اپنی منہ بولی بلی کے بارے میں انھوں نے کس قدر بدگمانی سے کام لیا تھا۔ اب وہ سیدھی دروازے کی طرف پہنچیں۔ بلی کو بُری طرح گھڑکا۔ وہ دم دبا کے تو دو گیارہ ہوئی۔

بڑی بی نے دروازہ اچھی طرح بند کیا۔ سب کھڑکیاں دیکھیں اور پورا اطمینان کرکے دوبارہ آتش دان کے پاس آئیں اور اپنی بلی کو بڑے پیار سے خوب چمکار چمکار کر بلایا۔

اے لیجیے آتش دان میں کھڑبڑ ہوئی۔ بہت سا کاجل نیچے گرا، اور تھوڑی دیر میں بی میاؤں نے آتش دان سے باہر قدم رکھا۔ بلبل اب تک منہ میں دبا تھا۔ کالک میں لت پت۔ بلی نے پہلے کمرے کے چاروں طرف غور سے دیکھا۔ دروازے کی طرف خاص طور سے۔ پورا اطمینان ہوگیا تو بلبل بڑی بی کے قدموں پر ڈال دیا۔ زخم تو کیا خراش کہیں تک نہ آئی تھی۔

جب بڑی بی [illegible] پھر خوش حال ہوگئے۔ [illegible] کے ساتھ کھیل میں لگ گئے۔ بڑی بی نے

اطمینان کا سانس لیا۔ اس بات کو بی میاؤں نے دودھ کی دعوت اڑائی۔ بہت سا دودھ خوراک سے بھی دوگنا انعام کے طور پر۔

شاید ہوا یہ کہ اس باہر کی بلی کو دیکھ کر بی میاؤں کو اپنے دوست کے بچاؤ کی فکر ہوئی پر غالباً اسے اپنی طاقت پر بھروسا نہ تھا۔ اس لئے اس میں خیریت دیکھی کہ دوست سمیت چھپنے میں پناہ لے۔

شکر ہے کہ پھر کبھی ایسی بات پیش نہ آئی بڑی بی بہت احتیاط کرنے لگیں۔ اور یہ دونوں جب تک زندہ رہے خوب گھلے ملے رہے۔

(انگریزی سے اپنایا)

کہانی

پچھلے (جون) پرچے کے "کہانی لکھو" کے جواب میں)

سخاء الرب امروہی

ایک ننھے میاں پاس کے تالاب سے دو تین مچھلیاں پکڑ لائے۔ انھیں شیشے کے ایک جگ میں ڈال دیا۔ جگ میں پانی بھرا تھا۔ مچھلیاں تیرنے لگیں۔

رات ہوئی ننھے میاں سو گئے کیا دیکھتے ہیں کہ ٹب میں سے سب مچھلیاں باہر نکل آئی ہیں اُن کے علاوہ اور بہت سی مچھلیاں نہ جانے کہاں سے آگئی ہیں۔ ان سب نے ننھے میاں کو چارپائی سے گھسیٹ کر جگ میں ڈال دیا۔ بے چارے ڈبکیاں کھانے لگے۔ بہت چیخے چلائے تو مچھلیوں نے رحم کھایا انھیں باہر نکال دیا گیا ڈراؤنا خواب تھا۔ فوراً آنکھ کھل گئی۔ ہڑبڑا کے اُٹھے۔ سیدھے جگ کے پاس پہنچے اور فوراً انڈیل دیا۔ پانی بہت سا تھا۔ بہاؤ کے زور میں یہ سب گھر کی نالی میں اور نالیوں ہی نالیوں تالاب میں پہنچ گئیں۔ شاباش ننھے میاں، تم نے بڑا اچھا کام کیا۔

ہماری حکومت

(۱)

ہمارے مُلک کا نام بھارت ہے۔ اِسے ہندوستان یا انڈیا بھی کہتے ہیں۔ تمھیں معلوم ہے، یہ ابھی چند ہی سالوں سے آزاد ہوا ہے۔ پہلے یہاں انگریزوں کی حکومت تھی۔ اُن کا بادشاہ ہندوستان کا بادشاہ تھا وہ اپنا ایک نمایندہ وائسرائے کے نام سے یہاں کی حکومت چلانے کو بھیجتا تھا۔ بھارت کی جنتا کا اس حکومت میں کوئی ہاتھ نہ تھا، یوں سمجھو کہ ہم غلام تھے۔ اسی لیے آزادی کی تحریک چلی اور گاندھی جی کے بتائے ہوئے راستے پر چل کر ہم آزاد ہو گئے۔ یعنی حکومت ہمارے ہاتھ میں آگئی اور ہم ہی اب اُسے چلا رہے ہیں۔ یہ کیسے چلا رہے ہیں؟ یہی بات آج تمھیں بتانا ہے۔

انگریزوں کے جانے کے بعد دیس کے لیڈروں نے ایک مجلس بنائی۔ مجلس آئین ساز۔ (قانون بنانے والی مجلس) یہ وہی لیڈر تھے جنھیں جنتا نے اِنھی کاموں کے لیے چُنا تھا۔

اس مجلس نے دیس کی حکومت چلانے کے بہت اچھے قانون بنائے، اور انھیں ایک کتاب کی شکل میں جمع کر دیا۔

آئین کی اس کتاب کے شروع ہی میں لکھا ہے کہ بھارت ایک آزاد جمہوری مُلک ہوگا جمہوری یعنی عوام کی، جنتا کی حکومت ہوگی۔

یہ بھی لکھا ہے کہ ہماری جمہوری حکومت میں سب کے ساتھ انصاف ہوگا۔ چاہے وہ کسی مذہب کے ہوں۔ سب کا درجہ برابر ہوگا۔ سب میں بھائی چارا بڑھایا جائے گا سب آزاد ہوں گے۔

یعنی ہمارے آئین کے عام اصول یہ ہیں :-

۱۔ انصاف
۲۔ آزادی
۳۔ برابری اور
۴۔ بھائی چارا

مدن موہن گپت

دیس میں پہلے چھوت چھات کا عام رواج تھا۔ ہریجنوں کو لوگ اپنے سے کم درجے کا سمجھتے تھے۔ برابری کے حق دینے کو تیار نہ تھے۔ آئین میں چھوت چھات ختم کر دی گئی۔ بھارت کی پیشانی سے بدنما داغ مٹ گیا۔۔

یہ تو ہوئیں اصول کی باتیں۔ اب بتانا ہے کہ حکومت چلانے کے لئے آئین میں کیا طریقہ لکھا ہے۔ یہ تمھیں معلوم ہو چکا کہ بھارت میں عوام یا جنتا کی حکومت ہے۔ یہ بھی تم جانتے ہو دیس میں ۴۵ کروڑ انسان بستے ہیں۔ انھیں شہری کہتے ہیں۔ تو بھلا یہ ۴۵ کروڑ آزاد شہری ایک ساتھ مل کر کیسے حکومت چلا سکتے ہیں! اسی لئے انتخاب یا چناؤ کا طریقہ اپنایا گیا ہے۔ سب شہری تھوڑے سے قابل آدمی اپنی حکومت کا کام چلانے کے لئے چن لیتے ہیں۔ بعد اُن کے ہاتھ میں پانچ سال کے لئے حکومت کی باگ دے دیتے ہیں۔ اسی کو رائے یا ووٹ دینا کہتے ہیں۔ جس کے ووٹ زیادہ آتے ہیں بس وہی نمائندہ چن لیا جاتا ہے۔ ہر ایک شہری (عورت یا مرد) کو جس کی عمر کم سے ۲۱ سال ہو ووٹ دینے کا حق ہوگا۔ تم ۲۱ سال کے ہو جاؤ گے تو تمھیں بھی یہ حق مل جائے گا۔

(باقی آئندہ)



"اے ادے! کوئی کواڑ
بند کرو۔ ہوا کیسی
زنانے کی آدھی ہے"

اِنعامی سوال

از جناب رگھوناتھ مٹو صاحب چیف سپروائزر
حکومتِ جموں و کشمیر

اِس پرچے میں اِن سوالوں کا سِلسلہ مکمل کیا جاتا ہے جو بیامی سب سے زیادہ سوالوں کے جواب بھیجیں گے اُنھیں جناب رگھوناتھ مٹو صاحب کی طرف سے ایک خاص انعام دیا جائے گا ۔ جواب ۱۵ر جولائی تک آ جائیں (ایڈیٹر)

۹۷۔ تُمھارے محلّے، گاؤں، قصبے، شہر یا صوبے کی کل آبادی کتنی ہے ۔

۹۸۔ تمھارے محلّے میں کتنے گھر ہیں ۔

۹۹۔ سال بھر میں تمھیں کس کس موقع پر چھٹی ملتی ہے ۔

۱۰۰۔ کیا کیلنڈر دیکھ کر تاریخ بتا سکتے ہو ۔

۱۰۱۔ تمھارے باورچی خانے میں کون کون سے برتن ہیں ۔

۱۰۲۔ اگر تمھارے پاس کوئی رقم ڈاک خانے کے سیونگ بنک میں ہے تو کیا تمھیں اپنے پاس بک کا نمبر یاد ہے ۔

۱۰۳۔ اگر تُمھارے پاس کوئی بائیسکل ہے تو اس کا نمبر تمھیں یاد ہے ۔

۱۰۴۔ اگر تمھارے گھر میں بجلی ہے تو کیا بجلی کا نمبر یاد ہے ۔

۱۰۵۔ اگر کسی بنک میں تُمھارا حساب ہے تو کیا اکاؤنٹ نمبر یاد ہے ۔

۱۰۶۔ اگر تمھارے گھر میں کوئی نلکا ہے تو کیا اس کا نمبر یاد ہے ۔

۱۰۷۔ کیا راشن کوپن کا نمبر یاد ہے ۔

۱۰۸۔ کیا اپنے گھر کا نمبر یاد ہے ۔

۱۰۹۔ تم کس وارڈ میں رہتے ہو ۔

۱۱۰۔ محلے یا گاؤں کے کس کس حکیم یا ڈاکٹر کا نام جانتے ہو۔

۱۱۱۔ کیا تم اپنے درزی، دھوبی، دودھ والے حلوائی، سبزی فروش، دکان دار کا نام جانتے ہو۔

۱۱۲۔ کیا تم اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کے پورے پورے پتے جانتے ہو

۱۱۳ تم کون کون سی زبانیں جانتے ہو۔

۱۱۴۔ تم کون کون سا رسم الخط جانتے ہو۔

۱۱۵۔ کیا قطبی ستارے کی پہچان ہے۔

۱۱۶۔ کیا کبھی سپت رشی دیکھا ہے۔

۱۱۷۔ کیا کبھی سورج چڑھنے اور ڈوبنے کے اوقات جاننے کی کوشش کی ہے۔

۱۱۸۔ کیا تم بکرمی، انگریزی، ہجری سنہ جانتے ہو۔

۱۱۹۔ کیا تم بکرمی، انگریزی، ہجری مہینوں کے نام جانتے ہو۔

۱۲۰۔ کیا تم نے غیر ملکی سکے دیکھنے کی کوشش کی ہے۔

۱۲۱۔ راستے کے عین بیچ میں کبھی پتھر پڑے رہتے ہیں۔ کیا تم نے کبھی پتھروں کو بیچ سے ہٹایا ہے۔

۱۲۲۔ کیا تم ہمیشہ راستے کے بائیں جانب چلنے کی کوشش کرتے ہو۔

۱۲۳۔ آج تک تم نے کتنے اندھوں کو راستہ دکھایا، کتنے بھولے بھٹکے لوگوں کو راستہ بتایا۔

۱۲۴۔ کتنے زخمیوں کی مرہم پٹی کی

۱۲۵۔ آج تک کتنے زخمیوں یا مریضوں کو ہسپتال پہنچایا۔

۱۲۶۔ آج تک کتنے بھوکوں کو کھانا کھلایا۔

۱۲۷۔ آج تک کتنے پیاسوں کو پانی پلایا۔

۱۲۸۔ کتنے ڈوبتوں کو بچایا۔

۱۲۹۔ کیا کبھی آگ بجھانے میں مدد کی۔

۱۳۰۔ کیا کبھی کسی یتیم کی مدد کی۔

۱۳۱۔ کیا کبھی کسی غریب کو خیرات دی۔

۱۳۲۔ کیا مدرسے سے کبھی بلا وجہ غیر حاضر رہے

۱۳۳۔ کتنی دفعہ مدرسے میں دیر سے پہنچے۔

۱۳۴۔ کیا سائیکل کے حصوں کے نام بتا سکتے ہو۔

۱۳۵۔ کیا موٹر کار یا لاری کے مختلف حصوں کے نام بتا سکتے ہو۔

۱۳۶۔ کیا تم ہوادار کمرے میں سوتے ہو

۱۳۷۔ سوتے وقت لحاف یا رضائی سے منہ ڈھانپ کر نہیں سوتے۔

۱۳۸۔ کیا سانپ یا بچھو کے کاٹنے کا فوری علاج

جانتے ہو۔

۱۳۹۔ تم نے کتنے لیڈروں کی زندگی کے حالات پڑھ یا سن لئے ہیں۔ اُن کے نام بتائیے

۱۴۰۔ تم کتنے سیکنڈ تک اپنا سانس بند کر سکتے ہو۔

۱۴۱۔ تمہارے پاس گز یا فٹ نہیں۔ کیا تم لکڑی یا کپڑے سے ضرورت کے وقت گز یا فٹ کا پیمانہ بنا سکتے ہو۔

۱۴۲۔ تم کس چیز کی مرمت کرنا جانتے ہو۔

۱۴۳۔ اپنے محلّے میں بیاہ شادیوں پر کتنی دفعہ سماجی کام کیا ہے۔

۱۴۴۔ کتنے میلوں پر جاکر سماجی خدمات انجام دی ہیں۔

۱۴۵۔ کیا کبھی کسی ہمسائے کے لئے کوئی کام کیا۔

۱۴۶۔ اگر تمہارا کوئی رشتہ دار یا ہمسایہ یا دوست تکلیف یا ماتم میں تھا۔ تم نے اس تکلیف میں ان کو کیا حوصلہ دیا۔ کیا اُن کے سامنے اظہارِ غم کیا۔

۱۴۷۔ کیا تم افسرِ محلّہ، نمبردار، چوکیدار، ذیلدار یا پٹواری کے فرائض سے واقف ہو۔

۱۴۸۔ تم نے کون کون سا امتحان کس کس سال میں پاس کیا۔

۱۴۹۔ کیا تم سگرٹ یا تمباکو کی برائیوں سے واقف ہو۔

۱۵۰۔ کیا جھوٹ بولنے سے نفرت کرتے ہو

۱۵۱۔ آج تک کتنی دفعہ چغل خوری کی ہے۔

۱۵۲۔ آج تک بُرے یا گندے الفاظ کے بار زبان پر لائے ہو۔

۱۵۳۔ آج تک کتنی دفعہ غصہ کیا ہے۔

۱۵۴۔ آج تک کتنی دفعہ شرارت کی ہے۔

۱۵۵۔ آج تک کے بار روٹھے رہے ہو۔

۱۵۶۔ آج تک کے بار ساتھیوں سے جھگڑا کیا

۱۵۷۔ آج تک تم نے کتنے لوگوں کو دوست بنایا۔

۱۵۸۔ آج تک کتنے دوست تم سے ناراض ہو کر تمہارے دشمن ہو گئے۔

۱۵۹۔ آج تک کتنی بار راستے میں پڑی ہوئی چیزیں اُن کے مالکوں تک پہنچائیں۔

۱۶۰۔ کیا کپڑے دھونے کا صابن بنا سکتے ہو۔

۱۶۱۔ کیا گھر کے کاموں میں ماں کا ہاتھ بٹاتے ہو۔

۱۶۲۔ کیا گھر کے کاموں میں باپ کا ہاتھ بٹاتے ہو

۱۶۳۔ کیا گھر کے کاموں میں بھائی یا بہن کا ہاتھ بٹاتے ہو

۱۶۴۔ گھر کے استعمال یا اپنے نہانے کے لئے نل کنوئیں یا ندی سے تم خود پانی لاتے ہو۔

۱۶۵۔ کیا ہر صبح اُٹھتے وقت اپنے ماں باپ کو آداب بجا لاتے ہو۔

۱۶۶۔ تمہارا وزن کتنے پونڈ ہے۔

۱۶۷۔ تمہارا قد کتنے فٹ کتنے انچ ہے۔

۱۶۸- تم گتے سے کون کون سا کھلونا بنا سکتے ہو۔
۱۶۹- تم ردی کاغذ سے کون کون سا کھلونا بنا سکتے ہو۔
۱۷۰- تم لکڑی سے کون کون سی چیزیں بنا سکتے ہو۔
۱۷۱- تم گتے سے کون کون سی چیزیں بنا سکتے ہو۔
۱۷۲- کیا تم اپنے ماں باپ، بھائی بہنوں کی الگ الگ عمریں جانتے ہو۔
۱۷۳- کیا تم ان سب کے جنم دن بتا سکتے ہو۔
۱۷۴- اپنے گھر کے آنگن میں کبھی جھاڑو دیتے ہو۔
۱۷۵- تم کتنی اونچائی تک چھلانگ لگا سکتے ہو۔
۱۷۶- تم کتنی لمبی چھلانگ لگا سکتے ہو۔
۱۷۷- کیا تم کبھی کسی درخت پر چڑھے ہو۔
۱۷۸- تم کتنے نمبر کی جوتی یا بوٹ پہنتے ہو۔
۱۷۹- اندھیرے میں چلنے پھرنے سے ڈرتے تو نہیں۔
۱۸۰- کیا پوجا پاٹ یا نماز پڑھتے ہو۔
۱۸۱- کبھی کبھی روزہ یا برت رکھتے ہو۔
۱۸۲- کیا کوئی اچار یا مربہ ڈالنا جانتے ہو۔
۱۸۳- آج تک تم نے کتنے ان پڑھ بالغوں کو پڑھایا۔
۱۸۴- تمہارے گھر کے کتب خانے میں کتنی کتابیں ہیں۔
۱۸۵- تمہارا پورا پتہ کیا ہے۔
۱۸۶- اسکول میں تمہارا ایڈمیشن نمبر کیا ہے۔
۱۸۷- تم دن رات میں کتنا پانی پیتے ہو۔
۱۸۸- کیا تمھیں اپنے گاؤں قصبے یا شہر کی وجہ تسمیہ معلوم ہے۔
۱۸۹- تم اپنے گاؤں یا شہر کے کن کن مقامی قسم کو جانتے ہو۔

باقی دس باتیں مدیر صاحب اپنی طرف سے درج کریں گے
رگھوناتھ مشر

۱۹۰- اپنے گاؤں یا شہر کی آبادی اچھا معلوم ہے۔
۱۹۱- قریبی ریلوے اسٹیشن معلوم ہے۔
۱۹۲- اپنے ہاں کے دفاتر معلوم ہیں کون کس جگہ ہے۔
۱۹۳- تمہارے ہاں کا بڑا ڈاک خانہ کس جگہ ہے۔
۱۹۴- " " تار گھر کس جگہ ہے۔
۱۹۵- " " اسپتال " "
۱۹۶- تمہارے شہر یا قصبے میں کون کون سے بنک ہیں۔
۱۹۷- تمہارے شہر یا قصبے میں کون کون سے کارخانے ہیں۔
۱۹۸- تمہارے شہر یا قصبے میں کون کون سی چیزیں بنتی ہیں۔
۱۹۹- تمہارے ہاں سے کون کون سی چیزیں باہر جاتی ہیں۔
۲۰۰- تمہارے ہاں کون کون سی چیزیں باہر سے آتی ہیں۔

لطیفے

آقا۔ جاؤ ذرا یہ روپیہ بھنا لاؤ۔
(نوکر تھوڑی دیر میں واپس آتا ہے)
آقا۔ ہائیں! یہ تو تم روپیہ لوٹا لائے۔ اور یہ کالا کیسے ہو گیا۔
نوکر۔ آپ ہی نے کہا تھا بھنا لاؤ، میں بھنا لایا۔

احمد آم کھا کھا کر گٹھلیاں خلیل کی طرف رکھتا جاتا تھا۔ جب سب کھا چکے تو رفعت بولا: "اچھا بھئی بتاؤ، سب سے زیادہ آم کس نے کھائے؟"
احمد۔ جس کے آگے گٹھلیاں زیادہ ہوں۔
خلیل۔ جی نہیں سب سے زیادہ آم اس نے کھائے جو آم کے ساتھ ساتھ گٹھلیاں بھی ہضم کر گیا۔

فاروق علی دریاباد

ماں۔ بیٹا سعید ذرا اِدھر آنا
سعید۔ کیوں کیا بات ہے۔ میں ذرا کام سے جا رہا ہوں۔
ماں۔ حلوا دوں گی
سعید۔ ابھی آیا امی، ہاں کس لئے بلا رہی تھیں؟

حسان غنی دیوڑی، گیا دکن

انجان۔ کیا تم مسافر ہو؟
مسافر۔ جی نہیں، انسان! دہلی سے آیا ہوں۔

ظہیر الدین احمد اشرفی

ماسٹر۔ زمین کی کشش کس نے دریافت کی تھی؟
لڑکا۔ کولمبس نے ماسٹر صاحب

[illegible]

بچوں کی کوششیں



بنگال کا شیر بازار میں

صالحہ خاتون

ابھی تھوڑے دنوں کا ذکر ہے ، ایک شیر پنجرے سے نکل بھاگا - یہ شیر سات فٹ لمبا تھا کہیں باہر سے کلکتے لایا گیا تھا - اسٹیشن پر پہنچا تو گرمی کی وجہ سے بے ہوش ہو گیا - پانی اور دوا دی گئی تو ہوش آیا - کلکتے میں ایک بازار ہے "نیو مارکٹ" وہیں ایک چڑیا خانہ بھی ہے شیر اسی چڑیا خانے میں لایا گیا اور میدان میں ایک پنجرے میں رکھا گیا تاکہ ٹھنڈی جگہ میں رہے -

مگر اسی رات کو صبح کے کوئی چار بجے ، وہ پنجرے سے نکل بھاگا ، اور دو آدمیوں کو زخمی کر دیا - یہ وہیں کہیں میدان میں سو رہے تھے - اس کے بعد وہ بھنگیوں کے محلّے میں گھس گیا - ہر طرف شور مچ گیا - "شیر نکل بھاگا ، شیر نکل بھاگا "-

اسی وقت پولیس کی جیپ موٹر دورہ کرتی ادھر آ رہی تھی - ان پولیس والوں کو یہ بات معلوم ہوئی تو تھانے میں خبر کی ، وہاں سے اور پولیس آ گئی ، اور شیر کو ڈھونڈھنے لگی - اندھیری رات تھی ، لوگ ٹارچ جلا جلا کر دیکھ رہے تھے -

آخر ڈھونڈتے ڈھونڈتے ایک جھونپڑے میں ملا - اطمینان سے اِدھر اُدھر ٹہل رہا تھا اسی وقت رگھوبیر سنگھ سپاہی (بہار ملٹری پولیس) نے چار گولیاں چلائیں شیر مر گیا - یہ شیر ایک تاجر کا تھا - وہ اسی کی تجارت کرتا تھا - اس نے کہا "یہ پالتو شیر تھا - میں نے اسے مہاراجہ سے خریدا تھا "

گنّے کی کہانی گھاس کی زبانی

محمد عبدالباقی ، بھوپال

جوں جوں مینھ برسا ، میں نے اپنا سر اوپر اٹھایا - میں پوری جوان بھی نہ ہونے پائی تھی کہ جانوروں نے مجھے اپنے پیٹ کا ایندھن بنایا - پھر کچھ دیہاتیوں نے ایک تیز دھار والا

مجھے جڑ سے کاٹا۔ بچے بڑے ٹکڑے بنائے انھیں بے دردی کے ساتھ گاڑیوں میں ٹھونسا اور ایک کارخانے میں لے آئے۔ یہاں آسمان سے باتیں کرتے دو مینار کھڑے تھے۔ مارے غصے کے سر سے دھواں نکل رہا تھا۔

میں سمجھی تھی اب میری مصیبت ختم ہوئی۔ مزے سے کام کروں گی۔ پر تم جانو انسان نہ خود چین سے بیٹھتا ہے، نہ کسی کو بیٹھنے دیتا ہے۔ دوسرے ہی دن کچھ مزدوروں نے مجھے زنجیروں میں جکڑا اور لے جا ایک مشین میں ڈال دیا۔ مشین میں تین فولادی گولے لگے تھے، ان میں بھاپ اور چونا تھا۔ کیسی تکلیف دہ تھی یہ مشین۔ میری ہڈی پسلی ایک ہوگئی۔ ظالموں نے اب بھی بس نہیں کی۔ دو بڑے وزنی پہیوں کے ذریعے اور باریک کیا گیا، اور ٹھنڈا پانی ملایا گیا گویا زخموں پر نمک چھڑکا گیا۔

پھر بجلی کے ذریعے کہیں اوپر نیچے لے گئے۔ یہاں چھلنی سے میرے اور میرے ساتھیوں کے ہاتھ پیر بھی الگ کر دیے گئے۔ ایک لگدی سی بن گئی۔ یہ لگدی ایک جالی پر پھیلا دی گئی۔ یہ جالی ایک بڑے وزنی پہیے پر لپیٹ دی گئی۔ اس پہیے نے میرا سارا پانی نچوڑ لیا ذرا سا جو بچ رہا تھا سو وہ اسی طرح کے ایک اور وزنی پہیے نے چھین لیا۔ اب میں بالکل سوکھ گئی تھی۔

پر ان بے رحموں کو اب بھی مجھ پر رحم نہ آیا۔ بڑے بڑے چاقوؤں کے ذریعے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے چاقوؤں کے نہ جانے کتنے وار ہو چکے ہیں مجھے اس حلیے میں دیکھ کر تمھیں یقین بھی نہ آئے گا، کہ کبھی میں بھی ہرے بھرے میدانوں میں لہلاتی تھی۔

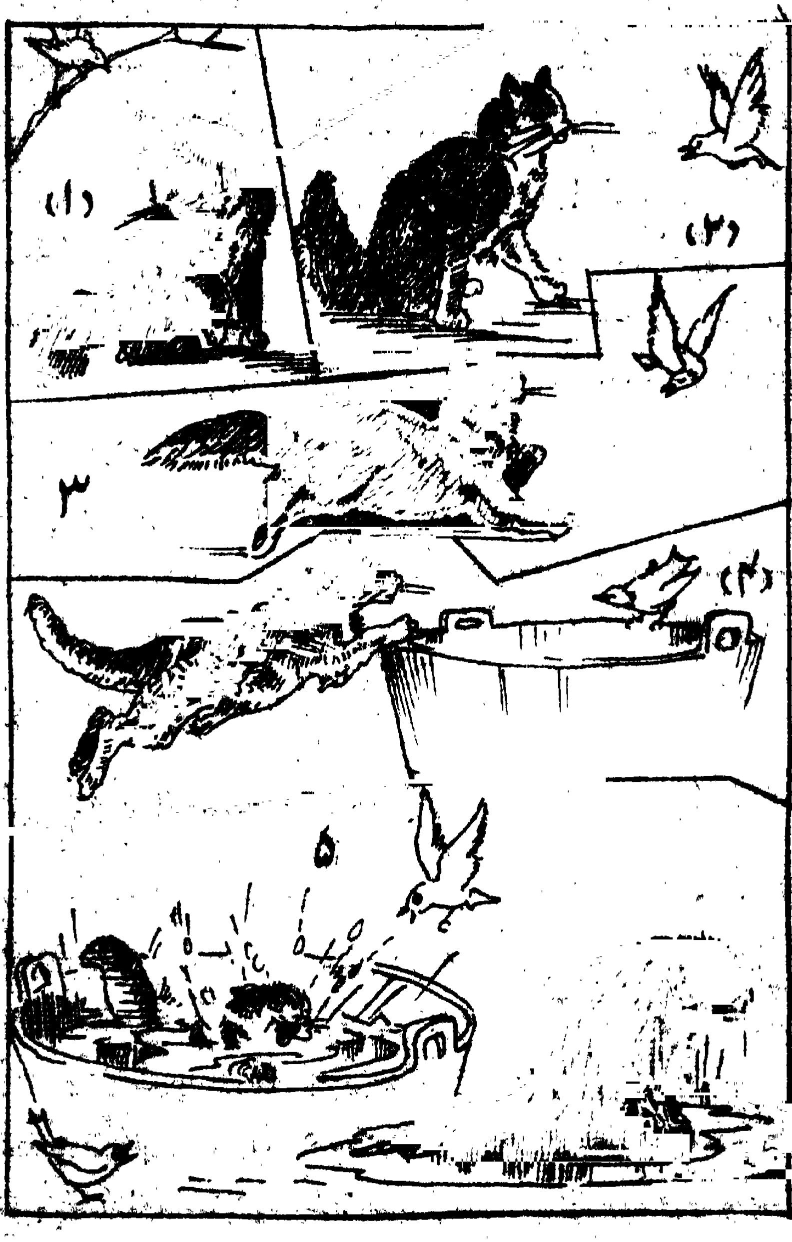
بھگوان چودھری نے شارک پکڑی

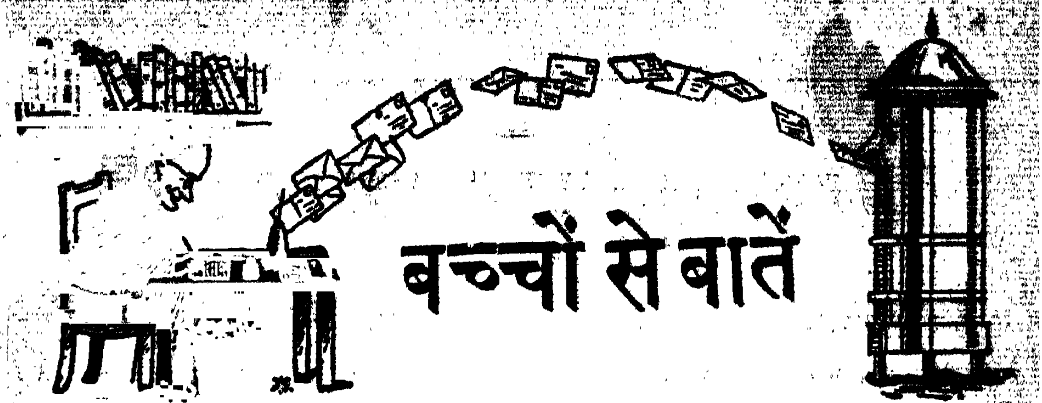
مزمل کریم۔ دربھنگہ (۱۲ سال)

بھگوان چودھری نے ہوڑا کے پل کے اتر طرف ایک مردم خور شارک جمعہ کے دن پکڑی اس کا وزن ۱۲ من تھا بھگوان چودھری بوڑھا آدمی ہے۔ ۶۰ برس کی عمر ہے۔ اس نے ۱۹۵۶ء میں تین شارک مچھلیاں پکڑی تھیں بھگوان چودھری اور اس کے ساتھی روزانہ اپنی اپنی کشتیوں میں مچھلی پکڑنے جاتے تھے جن کا نام آرشم۔ مگر اس دن اس کی بنسی کٹ گئی۔ اس نے اپنے جی میں کہا "ہو نہ ہو کوئی شارک آگئی ہے۔"

اس نے دوبارہ موٹی بنسی لی اور ایک گز خوب مضبوط تار لگایا کانٹے میں کسی اور جانور کی جگہ مچھلی اٹکائی کہیں گیارہ بجے رات کو شارک پھنسی۔ دو گھنٹے تک اس نے چودھری کو خوب حیران کیا تب زمین پر آئی۔ چودھری چاہتا ہے اس سال ۱۹۵۶ء سے بھی زیادہ شارک مچھلیاں پکڑے۔

کہانی لکھو





बच्चों से बातें

भिन्न भिन्न देशों के स्वाधीनता दिवस

बेल्जियम	२१ जुलाई
चीन	१० अक्टूबर
लंका	४ फरवरी
जेकोस्लोवेकिया	२६ अक्टूबर
फ़िनलैंड	६ दिसम्बर
फ्रांस	१४ जुलाई
ग्रीस	२५ मार्च
भारत	१५ अगस्त
इटली	२६ मार्च
नार्वे	१७ मई
पाकिस्तान	१४ अगस्त
पोलेंड	३ मई
पुर्तगाल	५ अक्टूबर
फिलिपाइन्स	४ जुलाई
रूस	७, ८ नवम्बर
स्पेन	१४ अप्रैल
टर्की	१ नवम्बर
संयुक्त राज्य अमरीका	४ जुलाई
मेक्सिको	१६ सितम्बर

पिछले अंक के प्रश्न का उत्तर—

२६ दिन में आधा तालाब भरेगा।

ठीक उत्तर बताने वालों के नाम :

१. सैयद इस्माइल बरमावर
२. अ० रशीद शेख लाल
३. हस्सॉन गनीदेवखी
४. कुमारी सरला
५. भारत भूषण
६. संतोष कुमारी
७. महोम्मद इसमाइल सिद्दकी

बताओ तो जानें

मोहन के पास ऐसा पक्षी है जिसके सिर पर पैर हैं क्या तुम उस पक्षी का नाम बता सकते हो ?

ठीक उत्तर बताने वालों के नाम अगले अंक में दिये जायेंगे।

कोरिश्रा

[लेखक—दौलतमल पीतालिया]

कोरिश्रा दो भागों में बाटा हुआ है—उत्तरी और दक्षिणी कोरिश्रा। उत्तरी कोरिश्रा रूस के प्रभाव में है और दक्षिणी कोरिश्रा अमरीका वालों के प्रभाव क्षेत्र में है। इस प्रकार दोनों कोरिश्रों के बीच में एक रेखा-सी खींची है जिस से दोनों क्षेत्रों का सही-सही पत्ता लगता है। संसार में उत्तरी कोरिश्रा की स्थिति ऐसी है जो अपने उत्तर में रूस और उत्तर-पश्चिम में चीन से घिरी हुई है।

आज तुम जानते हो यहाँ क्या हो रहा है? यहाँ एक भयंकर युद्ध छिड़ गया है। युद्ध छिड़ जाने का कारण उत्तरी-कोरिश्रा का अचानक दक्षिणी कोरिश्रा पर आक्रमण कर देना है और वह भी सज-धज कर। इस युद्ध के छिड़ जाने से आज सारे विश्व को खतरा बढ़ रहा है। अभी-अभी कुछ वर्ष हुए हम एक भयंकर युद्ध के दल-दल से निकले हैं—सारे संसार में जिस युद्ध से तराही-तराही मच गई थी—करोड़ों के प्राण गये थे और करोड़ो की संपत्ति मटिश्रा मेट हो गई थी और जिस का परिणाम यह हुआ कि आज हमारी आर्थिक दशा सहस्त्र यत्नों के बाद भी सुधरती दिखाई नहीं देती। संसार के बड़े-बड़े देश—रूस और अमरीका तो अब भी वैसे ही है—दोनों देश युद्ध के शिकार होते हुए भी आर्थिक दृष्टि से ऊंचे उठे हुए हैं। युद्ध का अन्याय तो उन देशों के साथ हुआ जिन का बना रहना आज भी एक उठते हुए तूफान में डोलती नैया की तरह है—जिस को अपना अस्तित्व बनाए रखने के साधन ही नहीं प्राप्त होते। आज ऐसे देशों की अंदर की दशा इतनी गई गुज़री स्थिति में है कि वहाँ का जीवनस्तर संसार के और राष्ट्रों की अपेक्षा बहुत ही नीचा है। ऐसे राष्ट्र अपनी स्वतंत्रता का पूरा लाभ नहीं उठा पाते और न ही वे उन्नति की ओर अग्रसर हो सकते हैं। ऐसे राष्ट्र शिघ्रता से युद्ध में अपनी मरजी के विरुध भी खींच लिये जाते हैं। असल में ऐसे छोटे-मोटे राष्ट्रों के पास कोई अच्छी सैनिक शक्ति भी नहीं होती जिससे वे साहसपूर्वक यह कह सकें कि हम युद्ध में भाग नहीं लेंगे।

दक्षिणी-पूर्वी एशिश्रा—भारत, पाकिस्तान, बरमा आदि ऐसे राष्ट्रों में है जिन्हें अपनी स्वेच्छा के बगैर भी युद्ध के दल-दल में आने पर आमादा होना पड़ता है।

कोरिश्रा से उठता हुआ युद्ध का खतरा किसी तरह भी समाप्त होना चाहिये। हम युद्ध नहीं चाहते।

आओ! हम मिलकर अपने देशवासियों को युद्ध के भयंकर परिणाम बतायें और अपने नेताओं तथा अपनी सरकार पर ज़ोर दें कि वे हमारा संदेश रूस और अमरीका तक पहुँचा दें।

यह काम दूसरे व्यक्ति को सौंप दिया जाता था। इस भांति लगातार जलती हुई मशाल को खेल के मैदान तक पहुंचाया जाता था और वहां पर उसे जलते हुए रखना पड़ता था जब तक खेल होते थे। उसके बाद जीतने वाला व्यक्ति या दल इनाम ले कर और हारने वालों के साथ मित्रता का नाता जोड़ आनन्द पूर्वक अपने देश लौटते थे और शांति का पैगाम अपने देश के लोगों को सुनाते थे। प्रथम ओलिम्पियड ग्रीस में ओलिम्पस पर्वत की घाटी में ७७६ ई० पू० में मनाया गया था। इस भांति प्रत्येक चार वर्ष के बाद कड़वी भावनाओं को दूर किया जाता था।

यह था खेल का असली रहस्य। इसके साथ साथ खेलों से लोगों में अनुशासन, समय का पालन करने की भावना, ईमानदारी तथा साहस भी आता है।

—श्री शिवचरण सिंघल।



खेल का रहस्य

हम भांति भांति के खेल खेलते हैं। हम नहीं जानते कि उनका हमें क्या लाभ होता है। केवल यह अनुभव करते हैं कि मित्रों के साथ इकट्ठे होकर खेल खेलने से चित्त प्रसन्न होता है और मानसिक थकावट, जिसके कारण सारा शरीर तथा मन सुस्त पड़ जाते हैं उनसे दूर होती है। जीवन में खेल भी उतना ही आवश्यक है जितनी और आवश्यकतायें। किन्तु बहुत कम ऐसे पुरुष होंगे जिनको खेल का असली रहस्य पता हो।

कुछ लोग तो ऐसे हैं जो खेल की जीवन में कोई आवश्यकता ही नहीं समझते। कुछ ऐसे हैं जो अपना कीमती समय भी खेल में गंवा देते हैं। पहले के पुरुष तो मनुष्य जाति से भी अलग अलग रहते हैं दूसरे प्रकार के पुरुष अपने आपको इस योग्य नहीं बना पाते कि वे देश के एक ऐसे व्यक्ति बनें कि देश उनके बिना कुछ कमी अनुभव करे और न वे इस योग्य हो पाते हैं कि अपने जीवन को आनन्द पूर्वक बिता पायें। दोनों ही प्रकार के पुरुष गलत मार्ग अपनाते हैं।

वास्तव में पहले सब जानते ही हैं कि चित्त प्रसन्न करने के साथ तथा जीवन की कुछ चिन्ताओं को दूर करने के साथ ही खेलों से स्वास्थ्य अच्छा होता है। परन्तु इन सब के साथ हम अपने देश और जाति के पूर्वजों की इस बात को भूले हुए हैं कि खेलों से संसार में मित्रता तथा भाई चारे के भाव उत्पन्न होते हैं। और कड़वे विचारों को दूर करके शांति की स्थापना होती है। उसका सबूत हमें प्राचीन प्रथा (Olympiad) से मिलता है। ओलिम्पियड का अर्थ है वह चार वर्ष का समय जिसके बाद सारे संसार के खिलाड़ी एक स्थान पर इकट्ठे होकर खेल खेलते हैं और आपस में मित्रता जोड़ते हैं। इसको मानने की प्रथा यह है :—

सूर्य की धूप से आग जलाई जाती थी। उससे एक मशाल जला कर एक मनुष्य उसे हाथ में लेकर दौड़ता था और ऐसे २ देशों में से निकलता जाता था जहां कड़वी भावनाओं की अधिकता होती थी। जहां २ से वह निकलता जाता था, प्रथा के अनुसार वहीं शांति स्थापित करने की भावना आ जाती थी और आपस में प्रेम बढ़ता था और एक दूसरे के साथ कड़वे विचारों को, दूर करना पड़ता था। जब वह मनुष्य दौड़ते २ थक जाता था तो

हो कि तुम बालक हो। स्वतन्त्र देश के बालक भी सब कुछ कर सकते हैं यह मुझसे सुनो— अपने जेब खर्च से थोड़ा २ बचाओ इस बचत से चार चार आने के (छोटी बचत के) टिकट खरीद लो। तुम्हें डाकखाने वाले एक किताब मुफ्त देंगे। इस पर यह टिकट चिपकाते जाओ टिकिट जब पांच रुपये के हो जावें तो डाकखाने से पँच वार्षिक नेशनल सेविंग सार्टिफिकेट खरीद लो। यह सार्टिफिकेट हर समय भुन सकता है। पांच साल में भुनाओगे तो १२ आने नफे के मिलेंगे। अगर देश के सब बालक इस प्रकार थोड़ा २ धन जमा करते रहें तो सरकार के पास बहुत सा रुपया जमा हो जावे—"बूंद बूंद से घड़ा भरता है।"

और स्वयं तुम्हें कितना लाभ हो—एक तो बेकार के खर्च से बचो। दूसरे अपनी कुछ रकम भी जमा होते जावे। अब जैसे स्कूल की फीस देना है, सायकल खरीदना है और कहीं सैर को जाना है इत्यादि। फिर सरकार का भला, अपने भाइयों का भला और अपने देश का भला—"एक पंथ कितने काज।"

एस० रामसिंह
हेडमास्टर
गवर्नमेन्ट हाईस्कूल
शाहाबाद



देश सेवा की ओर............

आज तुम्हे कुछ काम की बातें बतायें। पहले खर्चे के बाद जो कुछ रुपया बचता था लोग उसे अपने पास रखते थे। हंडियों और गगरों में भरकर धरती में गाड़ देते थे। रुपया यूं ही बेकार पड़ा रहता था। पड़े २ जंग लग जाती थी, मगर अब ऐसी बात पहले से कम हो गई है। बहुधा लोग अपना बचा हुआ रुपया बैंक या डाकखाने में जमा कर देते हैं या व्यापार में लगा देते हैं। इस तरह इस रुपये से बहुत से लोग फ़ायदा उठाते हैं। रुपया हमेशा चक्कर में रहता है। ऐसे समझो मैंने तुम्हें एक रुपया दिया और तुमने उसकी पुस्तकें खरीदीं, पुस्तक वाले ने तुमसे थोड़ा सा लाभ उठाया, उसने बनिये से आटा खरीदा, बनिये ने भी कमाया उसने धोबी से कपड़े धुलवाये धोबी ने फायदा उठाया इस रुपये से धोबी ने साबुन खरीदा साबुन वाले को फायदा हुआ, मतलब यह रुपया जहां २ गया अपने साथ कुछ लाभ लाया। घर में पड़ा रहता तो यूं ही बेकार रहता और किसी के काम न आता।

आजकल हमारे देश में स्थान २ पर बैंक खुले हुए हैं अपनी बचत का रुपया लोग इन बैंकों में रखते हैं। बैंक वाले इस रुपये को व्यापार में लगाते हैं, कारखाने खोलते हैं और व्यापार के लिये लोगों को रुपया कर्ज देते हैं। बैंकों के अतिरिक्त सेविंग बैंक खुले हैं जो लोग मितव्ययता से काम लेते हैं और अपना रुपया अधिक सुरक्षित स्थान में रखवाना चाहते हैं। वह सेविंग बैंक का उचित आदर करें। इस रुपये की सरकार जिम्मेदार हो जाती है। इस रुपये को सरकार देश के भले काम में व्यय करती है। रेलें बनवाती है, नहरें खुदवाती है, पाठशालायें स्थापित करवाती है। इस प्रकार लोगों को काम मिलता है। उन्हें हर प्रकार की सुविधाएँ प्राप्त होती हैं। व्यापार का सामान सरलता से इधर-उधर जाता है। लोग आराम के साथ इधर-उधर सफ़र करते हैं। किसानों के खेतों को पानी मिलता है जिससे फसल अच्छी होती हैं।

इस प्रकार देश को, देश के लोगों को कितना आराम व फायदा रुपये के चक्कर से होता है। अब देश आजाद होगया है। सरकार चाहती है कि हर प्रकार के कारखाने खोले जायें। जो माल विदेशों से आता था अब घर में ही तैयार हो जिससे लोगों का जीवनस्तर ऊंचा हो।

इस शुभ काम में तुम भी हाथ बटा सकते हो। अरे! तुम तो चौंक उठे। यह क्यों सोचते

आज़ादी

[ले०—मोहम्मद इसमाइल सिद्दकी]

पुराने समय की बात है यमन में एक व्यापारी (सौदागर) रहता था। अचानक उसने भारत आने का निश्चय किया। चलने से पहिले वह अपने परिवार के सब लोगों के पास गया और पूछा "मैं भारत जा रहा हूँ तुम्हारे लिये क्या लेता आऊं।" सब ने अपनी इच्छा अनुसार लाने के लिये कह दिया।

सौदागर अपने परिवार के लोगों से मिलने के बाद अपने तोते के पास गया जिसे वह सोने के पिंजरे में रखता था पूछा "मैं भारत जा रहा हूँ बता तेरे लिये क्या लेता आऊं ?" तोते ने कहा 'हां ! यदि आपका काठियावाड़ की ओर जाना हो तो मेरे साथियों से मेरा हाल कह देना।"

सौदागर ने भारत पहुँचकर अपने तमाम आवश्यक कामों को पहले पूरा किया, और फिर वह काठियावाड़ के उस जंगल में गया जहाँ तोतों के झुंड पेड़ों पर बैठे थे। तोतों की तरफ देखकर उसने कहा "भाई तोतो तुम्हारा एक भाई मेरे घर में है जिसे मैं बड़े आराम से रखता हूँ परन्तु फिर भी वह खुश नहीं रहता—आते समय उसने मुझे अपना यह संदेश आप सब को देने के लिये कहा था।" इतना सुनते ही एक वृद्ध तोता पृथ्वी पर गिर पड़ा। सौदागर को यह देखकर बड़ा दुःख हुआ और वह वापिस यमन के लिये चल दिया। यमन पहुँच कर वह तोते के पास गया और कहा "मैंने तुम्हारा संदेशा तुम्हारे भाइयों को दे दिया था। लेकिन समाचार सुनते ही एक बूढ़ा तोता बेहोश होकर ज़मीन पर गिर पड़ा जिसकी दशा देखकर मुझे बड़ा दुःख हुआ।"

तोते ने कहा "यह तो बड़ा गजब हो गया। वह तो मेरा पिता था!" तोता पिंजरे में बैठक पर से गिर पड़ा। सौदागर ने सोचा तोते को अपने पिता की मृत्यु पर बड़ा आघात पहुँचा है। सौदागर ने तोते को पिंजरे से बाहर निकालकर आंगन में छोड़ दिया और खुद किसी काम के लिये अन्दर घर में चल दिया।

सौदागर के वापिस आते ही तोता जल्दी से उड़कर एक निकट के पेड़ पर जा बैठा और उसने सौदागर की ओर देखकर कहा "मेरे भाइयों ने आज़ाद होने की मुझे यह एक युक्ति बताई थी।" यह कहकर तोता मुस्कराता हुआ दूर आकाश में उड़ गया।

"संसार का हर प्राणी आज़ादी चाहता है। आज़ादी उसका पैदाइशी हक है।"

नेकी

[लेखक—अब्दुल मुजीब बाराबंकी]

एक थे मियां 'पिम्मी' और एक थी उनकी पीपी—अपनी दीदी को मियां पिम्मी अप्पी कहा करते थे। एक दिन शाम को दोनों सैर को निकले। कुछ ही दूर गये होंगे कि सड़क पर एक बटुआ पड़ा हुआ देखा। बटुआ खोला तो उसमें से एक रुपया मिला। रुपया पाकर दोनों बहुत प्रसन्न हुए।

पिम्मी बोले—हम तो इस रुपये की गेंद लेंगे कहा! आह जी! आह···हम तो गेंद लेंगे। पिम्मी की अप्पी कुछ कहने को ही थीं कि सामने से एक बालक आता हुआ दिखाई दिया—बेचारा! बहुत परेशान, सर झुकाए जैसे कुछ ढूँढ़ रहा हो।

कुछ देर बाद बालक पिम्मी और अप्पी के बहुत निकट आ पहुँचा—पिम्मी ने पूछा—तुम कुछ परेशान से दिखाई पड़ते हो? जी! मैं बहुत गरीब हूँ, मेरी मां सिलाई का काम करती है। आज उन्हें मजदूरी का एक रुपया मिला था; मैं उसे लेकर बाजार से आटा-दाल आदि लेने आया था, सोचा आठ आने का तो यह सब घर का सामान ले लूंगा और बचे आठ आने कल स्कूल में फीस के दे दूंगा लेकिन दुर्भाग्य से मेरी जेब फटी हुई थी उसमें से बटुआ कहीं गिर पड़ा है उसे ढूंढ रहा हूं।

पिम्मी और उनकी अप्पी ने झट से वह सड़क पर से मिला हुआ बटुआ हाथ में लेकर कहा—"कहीं यह बटुआ तो तुम्हारा नहीं।"

बालक खुशी से उछल पड़ा और बोला—"हां यह मेरा ही बटुआ है।"

पिम्मी और अप्पी वह बटुआ बालक को देकर हंसते-खेलते घर को चल दिये। घर आकर जब उन्होंने अपने पिता को सैर का यह हाल कह सुनाया तो वह बड़े प्रसन्न हुए और पिम्मी और अप्पी दोनों को एक-एक रुपया इनाम दिया।

तकली से सीखो

सीखो तकली से तुम सीखो—
'प्यार और बलिदान ।'
सीखो तकली से तुम सीखो
दुःख में भी मुस्कान ।
सीखो तकली से तुम सीखो—
गाना - भारत - मान ।
सीखो तकली से तुम सीखो—
करते रहना काम ।
सीखो तकली से तुम सीखो—
ऐक्य और उत्थान ।
सीखो तकली से तुम सीखो—
हंस हंस देना प्राण ।
सीखो तकली से तुम सीखो—
सत्य झूठ पहिचान ।
सीखो तकली से तुम सीखो—
रखना अपनी आन ।

—श्री० नेमीचन्द 'नियमी'

—×—

तारे

चमको चमको छोटे तारे
कैसे जानूँ - क्या हो प्यारे
अवनी से हो कितने ऊपर
दिखते हीरों से हो नभ पर

२

मिट जाती जब नभ की लाली
पक्षी सोते डाली डाली
तब नभ पर हो फिर तुम दिखते
झिलमिल झिलमिल खूब चमकते

३

नील गगन में खूब दमकते
प्रातः समय तक तुम हो रहते
आसमान है खूब चमकता
जब तक सूरज नहीं झलकता

—श्री० ब्रजभूषण 'आदर्श'

भगवान्—मैं तुम्हारी आंखें अच्छी किये देता हूं फिर तुम देख कर मुझे पहिचान लेना।

इतना कह कर भगवान् ने अन्धे की दोनों आंखों को छू दिया। अन्धे की दोनों आंखें ठीक हो गई। उसने देखा—सैकड़ों सूर्यों के तेज के समान भगवान् सामने खड़े हैं। अंधे ने झुक कर भगवान् को प्रणाम किया।

भगवान्—मैं तुम्हारी सच्ची भक्ति और लगन से बहुत प्रसन्न हूं, तुम कुछ वरदान मांगो।

अंधे ने कहा—भगवान् यदि मेरी भक्ति से प्रसन्न हुये हैं तो मैं केवल एक ही प्रार्थना करता हूं कि मेरी आंखें जैसी थीं वैसी ही कर दीजिए।

भगवान्—तुमने धन दौलत नहीं मांगी, राजपाट नहीं मांगा। अंधा होना क्यों मांगा?

अंधा—मैंने जिन आँखों से भगवान् के दर्शन किए हैं उन आँखों से इस झूठी और मक्कार दुनियां को नहीं देखना चाहता।

भगवान्ने प्रसन्न होकर उत्तर दिया—नहीं! आज से तुम हमारे होगये। संसार में घूम-घूम कर लोगों को ऐसा उपदेश दो कि लोग झूठ बोलना छोड़ दें, धोखा फरेब का नाम न लें, दूसरों की भलाई करें और उनके दुःख को अपना दुःख समझें। दीन दुखियों को, अंधे और अपाहिजों की सहायता करें जिससे यह झूठी और मक्कार दुनियां स्वर्ग बन जाये।

इतना कह कर भगवान् तो वहां से अन्तः-ध्यान हो गये। अँधे ने सारे संसार में घूम-घूमकर भगवान् की आज्ञा का पालन किया। उसके सच्चे उपदेशों का लोगों पर बड़ा प्रभाव पड़ा।



भगवान–भक्त

[लेखक—मदनमोहन दीक्षित]

किसी गांव में एक अन्धा रहता था। वह सदैव इमली के पेड़ के पास पड़ा रहता, किसी से कुछ नहीं मांगता। बिना माँगे ही जो कुछ मिल जाता उसी से जीवन के शेष दिन संतोष से काटता। रात दिन भगवान् का नाम जपने के सिवा उसे कोई काम न था। भगवान् अन्धे की भक्ति से बहुत खुश हुए।

एक दिन भगवान् ने नारद जी को अंधे के पास भेजा। आहट होते ही अँधे ने पूछा कौन? उत्तर में नारद जी ने कहा—मैं हूँ नारद।

अँधा—आप कहां जा रहे हैं?

नारद—भगवान् के दर्शन करने।

अन्धा—मेरा एक संदेश भगवान् के पास पहुंचा दोगे?

नारद—पहुँचा दूंगा, बताइये—

अन्धा—भगवान् से पूछना कि कभी मुझको भी दर्शन देंगे?

नारद—बहुत अच्छा! यह कह कर नारद जी चले गये।

जब वे लौटे तो उन्होंने अन्धे से कहा—भगवान् ने कहा है कि इस इमली में जितनी पत्तियां हैं उतने ही वर्ष बाद हम तुमको दर्शन देंगे।

यह बात सुनकर अन्धा खुशी से नाचने लगा। तब नारद जी ने बड़े आश्चर्य से पूछा—इमली में तो लाखों पत्तियां हैं, तब तक न जाने क्या हो!

अन्धे ने कहा—कोई चिंता नहीं, इतने वर्ष बहुत नहीं होते। मुझे तो इस बात की खुशी है कि भगवान् के दर्शन होंगे।

दूसरे दिन नारद जी ने भगवान् के पास जाकर अन्धे की सारी कथा कह सुनाई। भगवान् बहुत प्रसन्न हुये। आधी रात के समय कुछ आहट फिर अन्धे को सुनाई दी। पूछा—कौन? उत्तर मिला—मैं हूँ भगवान्। आप क्यों आये? अन्धे ने कहा।

भगवान् ने कहा—तुम्हें दर्शन देने।

अन्धा—लेकिन आपने तो कहला भेजा था कि इस इमली में जितनी पत्तियां हैं उतने वर्ष बाद दर्शन होंगे और आप आज ही आ गये दोनो में से एक ही बात ठीक हो सकती है—या तो आप भगवान् नहीं हैं, या भगवान् बहुत झूठे हैं!

भगवान्—नहीं मैं सचमुच भगवान् हूं।

अन्धा—मैं कैसे जानूं कि आप सचमुच भगवान् ही हैं।

और राज्य परिषद उसे अपने ऊँचे पद से किसी समय भी हटा सकते हैं। राष्ट्रपति का चुनाव पाँच वर्ष में एक बार होता है।

इस तरह की सरकार में गणराज्य का एक राष्ट्रपति (मुखिया), प्रधान मंत्री का एक मंत्रीमण्डल और लोक सभा तथा राज्यपरिषद नाम के दो सदन होते हैं। देश भर के लिए जो कायदे कानून बनते हैं वे सब दोनों सदनों द्वारा पास होते हैं और बाद में राष्ट्रपति उन्हें स्वीकार करता है, तब वे लागू होते हैं।

राष्ट्रपति और दोनों सदनों को मिलाकर संसद् (Parliament) भी कहते हैं।संसद् को मंत्रियों के कामों पर विचार करने का और उनसे सवाल करने का अधिकार होता है और उन्हें अपने पद से अलग कर देने का भी।

लोक सभा खजाने पर भी अपना अंकुश रखती है। उसकी इच्छा के बिना मन्त्री कोई कर नहीं लगा सकते और कोई खर्च भी नहीं कर सकते। इस प्रकार जनता के प्रतिनिधि सरकार के कामकाज की देखभाल करते हैं।

कानून बनाने का तरीका

जब शासन के लिए कोई कानून बनाना होता है, तब वह लोक-सभा और राज्य-परिषद् दोनों में से किसी सदन में पेश होता है और उसमें पास हो जाने के बाद दूसरे सदन में जाता है। दोनों सदनों में पास होने के बाद राष्ट्रपति उसे स्वीकार कर लेता है और वह कानून लागू हो जाता है। यदि किसी कानून को एक सदन पास कर दे और दूसरा सदन पास नहीं करे, तो राष्ट्रपति दोनों सदनों की एक साथ 'संयुक्त बैठक' बुलाता है और उस बैठक का निर्णय अन्तिम होता है। पर धन के विषय में यह बात नहीं है। उस विषय में लोक-सभा को आखिरी शक्ति है क्योंकि वही, जनता की प्रतिनिधि है इसलिए और उसका धन भी वही खर्च कर सकती है। इसलिए धन सम्बन्धी कानून को पहले लोक-सभा ही पारित करती है और वह राज्य-परिषद् को केवल उसकी सिफा-रिशों के लिये जाता है। फिर लोक-सभा उसे दुबारा पारित कर देती है और वह कानून बन जाता है।

मारी सरकार

[ले०—श्री मदनमोहन गुप्त]

पिछले अंक में हमने तुम्हें बताया था कि भारत के लोग अपने प्रतिनिधि कैसे चुनते हैं। सात लाख नागरिक एक प्रतिनिधि चुनते हैं, और इस प्रकार देश की कोई ३५ करोड़ जनता कुल मिलाकर लगभग ५०० प्रतिनिधि चुनती है। वे सब प्रतिनिधि नई दिल्ली में इकट्ठे होते हैं और उनकी सभा को लोक-सभा कहते हैं। लोक सभा भारत के लिये कानून बनाती है। उनके बनाये हुये कानूनों पर एक और सदन विचार करता है जिसे "राज्य-परिषद" कहते हैं। राज्य-परिषद एक छोटा सदन होता है, जिसमें २०० के लगभग सदस्य यानी मेम्बर होते हैं।

इस प्रकार लोक-सभा और राज्य-परिषद दोनों सदन मिलकर कानून बनाते हैं और भारत का राजकाज चलाते हैं। अब दोनों सदनों में सब मिलाकर ७०० सदस्य हो गये। इतने लोग सब मिलकर राजकाज में सीधा भाग नहीं ले सकते, इसलिये लोक-सभा के अन्दर जिस सदस्य के पीछे सबसे अधिक सदस्य हों और जिसे सबसे अधिक सदस्य अपना नेता मानें, उस व्यक्ति को प्रधान मन्त्री बना दिया जाता है। प्रधान मन्त्री फिर अपने बहुत से और मन्त्री चुन लेता है। जिसे मन्त्रि-मण्डल भी कहते हैं। हर एक मन्त्री को अलग अलग काम दे दिया जाता है जैसे एक मन्त्री को देश की रक्षा का काम सौंपा जाता है और उसे रक्षा मन्त्री कहते हैं। इसी तरह एक मन्त्री सरकारी खजाने का हिसाब रखता है, कर उगाह कर धन इकट्ठा करता है और राज्य खर्च के लिए उसमें से रुपया देता उस मन्त्री को वित्त मन्त्री कहते हैं। इसी तरह एक रेल मन्त्री, एक डाक तार मन्त्री, एक विदेश मन्त्री आदि कई मन्त्री होते हैं। जिनका अलग अलग दफ्तर होता है। जिसे विभाग कहते हैं। प्रधान मन्त्री भी कोई विभाग संभाल लेता है और वह सारे मन्त्रियों के काम को भी देखता है। उसे सबसे ज्यादा अधिकार प्राप्त होते हैं। इस समय पण्डित जवाहरलाल नेहरू हमारे प्रधान मन्त्री हैं।

मन्त्रि मण्डल के ऊपर एक राष्ट्रपति होता है, उसे भी जनता के प्रतिनिधि चुनते हैं। आज कल हमारे राष्ट्रपति डा० राजेन्द्र प्रसाद हैं। राष्ट्रपति की शान राजा से कम नहीं होती। राजा के समान ही उसका सम्मान होता है। वह राज्य का मुखिया होता है, राज्य का सब काम उसके नाम से होता है पर पर वह अपनी मनमानी नही कर सकता, वह मन्त्रीमण्डल की सलाह पर ही चलता है। यदि वह हमारे संविधान के अनुसार नहीं चले तो लोक-सभा

धूल-भरे-हीरे



लेखक— अशोक बी॰ ए॰

धूल-भरे-हीरे कहलाते !
घुटनों के बल सरक सरक कर—
हाथ-पैर में धूल लगाते !!
धूल-भरे-हीरे कहलाते !!!

ठुमक ठुमक कर यह चलते हैं,
किलक किलक यह हंसते हैं.
रूठ तुरन्त ही जाते हैं यह—
रो रो कर सब शोर मचाते !
धूल-भरे-हीरे कहलाते !!

सूरत इन की अनुपम न्यारी !
लगती किसे न यह अति प्यारी !
चूम सभी लेते हैं मुखड़ा,
इन पर सब हैं बलि बलि जाते !
धूल-भरे-हीरे कहलाते !!

तुतली तुतली इन की बोली !
मानों उसमें मिसरी घोली !!
डाल मोहिनी देते सब पर—
थिरक थिरक कर नाच दिखाते !
धूल-भरे-हीरे कहलाते !!

जनक-जननी के प्राण-दुलारे !
शशि समसुखद, अलौकिक, न्यारे
वे ही सुन्दर, सरल, मधुरमय—
भारत-माँ के लाल कहलाते !
धूल-भरे-हीरे कहलाते !!

प्याम तालीम

सचित्र मासिक [उर्दू-हिन्दी]

बाल पत्रिका

जुलाई १९५०, जामिआ नगर

सम्पादक की ओर से

मिर्ज़ा शाहिद हुसैन महीउद्दीनपुरी जिन्हों ने अपनी अच्छी कहानी के लिये 'प्याम तालीम' से इनाम पाया है लिखते हैं: 'यह देखकर मुझे खुशी हुई कि मेरी कहानी का नम्बर प्रथम रहा और मुझे इनाम मिला। इससे ज़्यादा खुशी मुझे इस बात की है कि मेरी कहानी प्याम तालीम में छपी।'

भाई! छपती भी क्यों न सबसे अच्छी जो थी।

\+ + + +

हमें यह जानकर बेहद खुशी हुई कि 'प्याम तालीम' का हमारे साथी हृदय से स्वागत कर रहे हैं। 'प्याम तालीम' के नये सदस्यगण और अपने उन साथियों के हम हृदय से आभारी हैं जो सदा 'प्याम तालीम' के संदेश को अपने बाल समाज तक ले जाने में बड़े उत्साही रहते हैं।

प्याम तालीम की सफलता और उसके उद्देश्य की पूर्ति तो तभी हो सकती है जब कि हम प्याम तालीम को अपने नगर के प्रत्येक घर में देखें।

'प्याम तालीम' को दिन प्रतिदिन अधिक उपयोगी बनाने में हम प्रयत्नशील हैं और यह चाहते हैं कि हमारे नन्हें साथी प्याम तालीम को अत्यधिक अपना कर हमारी मदद करें।

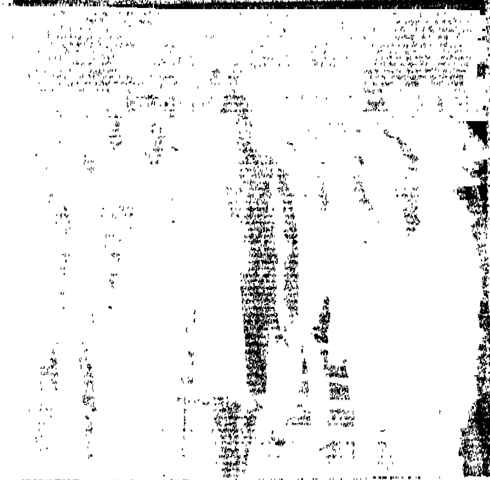
\+ + + +

'प्याम तालीम' का सम्पादक मण्डल अपने सब साथियों से लेख, कहानियां, कविताएं लिखने का अनुरोध करता है। अपनी रचनाओं को हमारे साथी लेखक बेधड़क हमारे पास भेजें। हम उसका उचित आदर करेंगे। रचनाएं प्याम तालीम (हिंदी) जामिआ नगर दिल्ली के पते पर हर महीने की १५ तारीख तक आ जानी चाहियें।

\+ + + +

भारतीय संविधान पर 'हमारी सरकार', सिरीज़ का दूसरा लेख इस अंक में दिया गया है। सिरीज़ के अन्य लेख भी सिलसिले से आगामी अंको में दिये जायेंगे। हमारे स्वतन्त्र देश के शासनीय ढांचे को जानने के लिये इन लेखों को हमारे प्यामी अवश्य पढ़ें।

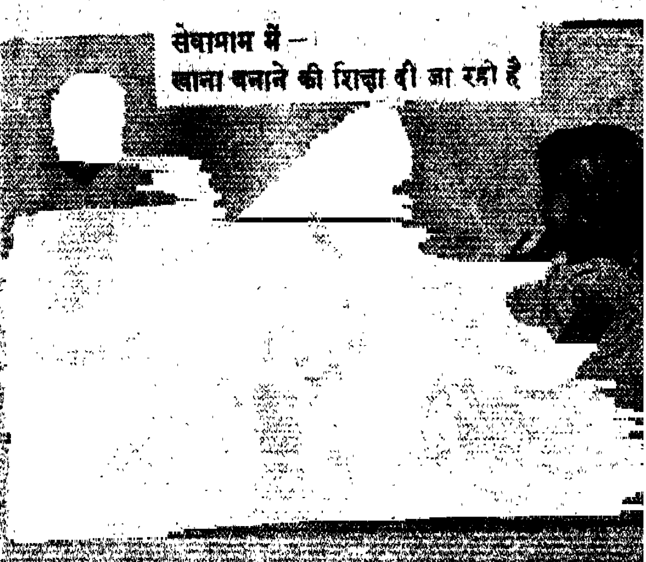
'संविधान' सिरीज़ के लेखों को हमने सरल से सरल तथा उपयोगी बनाने की कोशिश की है जिसके लिये हम अपने साथी भाई मदन मोहन गुप्त के विशेष आभारी हैं।



...के स्काउट्स राष्ट्रपति डा० राजेन्द्र प्रसाद को सलामी दे रहे हैं

विषय-सूची

…दक-मण्डल



सेवाग्राम में —
खाना बनाने की शिक्षा दी जा रही है

रजिस्टर्ड नं० डी० ४४१

जौलाई १९५०

ग्रामतालीम



ऑलइण्डिया रेडियो-दिल्ली

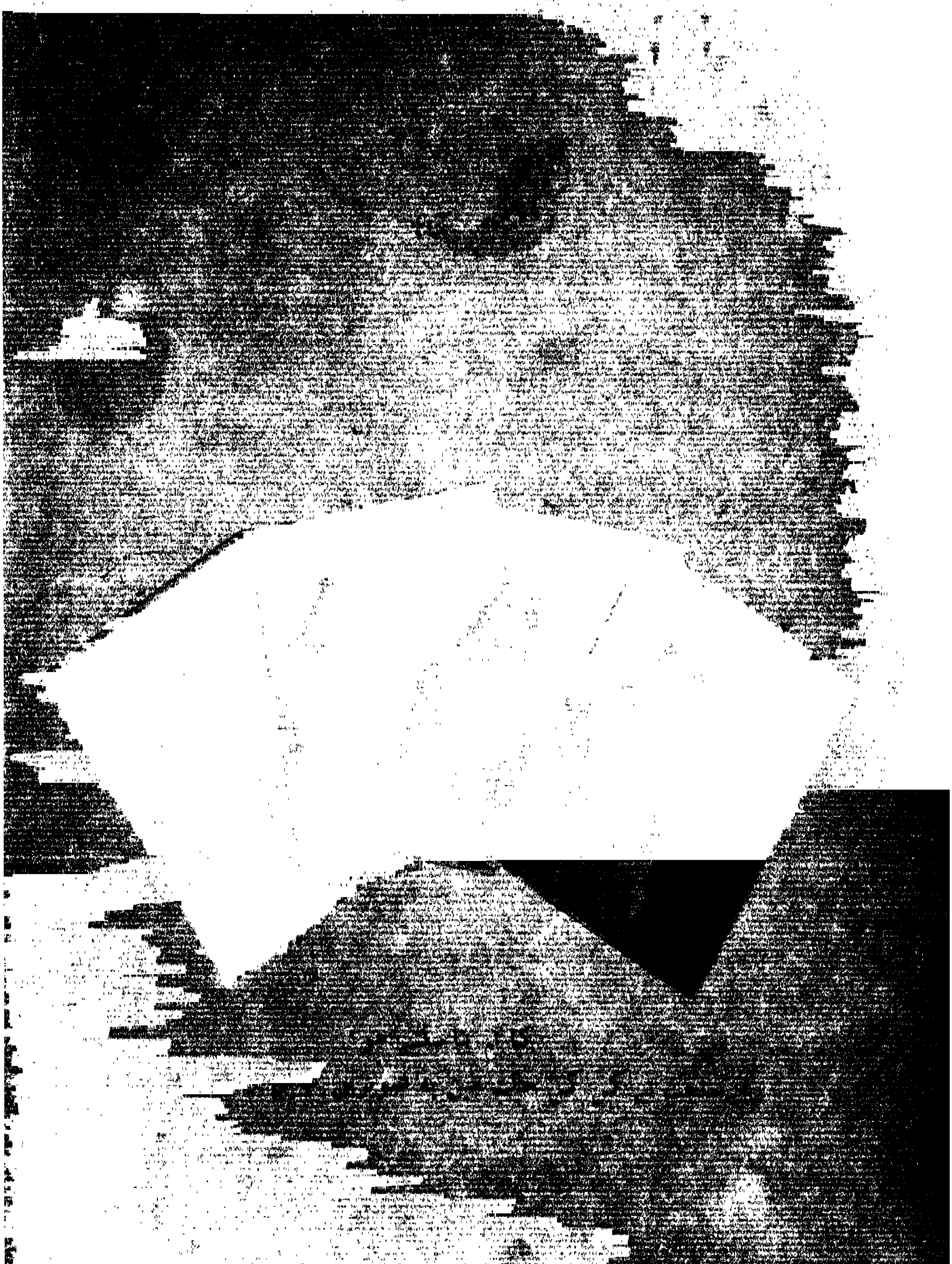
डाकखाना जामियानगर

देहली

एक प्रति छः आना

वार्षिक चार रुपये


پیام تعلیم
31 JUL 1950



پیامِ تعلیم

ماہنامہ ... دہلی

31 JUL 1950

جلد ۲۴ ——— نمبر ۴

اگست سنہ ۵۰ء

قیمت سالانہ للعہ ر

فی پرچہ ۶ ر





بچوں سے باتیں

لو بچو! ۱۵ اگست مبارک! اسی مہینے قوم نے غلامی کا جوا گردن سے اتارا تھا۔ اب سے تیس برس پہلے۔ اور کیسی کچھ خوشیاں منائی گئی تھیں۔ ۱۵ اگست کو اور کیسا جوش و خروش تھا ہم میں، تم میں، سب میں۔ سارے دیس میں جیسے نئے سرے سے زندگی پیدا ہو گئی تھی۔

اب یہ پندرہ اگست پھر آرہا ہے۔ ہمارے تمہارے لئے ایک تاریخی یادگار۔ یہ یادگار بڑی شان و شوکت سے منانا ہے۔ بڑے جوش و خروش سے منانا ہے۔ آزاد دیش کے بچوں کے شایان شان منانا ہے۔

پروگرام بہت سے بن سکتے ہیں۔ ادھر ادھر سیر و تفریح کا۔ جلسے کا، جلوس کا۔ ڈھول کا، کھیل کود کا۔ ایک بات ہم تمہیں بتائیں بچو کچھ بتائیں! اس دن اپنے اپنے گھر اپنے محلے کی صفائی کر ڈالو۔ ایسی صفائی کہ بس سارا محلہ چندن ہو جائے۔ ایسا جوش دکھاؤ کہ تمہارے بڑے بھی تمہارے شریک ہو جائیں۔

یہ کام کر کے دیکھو! تمہارا دل کتنا بشاش ہوگا۔ اپنے اس کام کی ہمیں ضرور خبر کرنا۔ ہم تمہارا نام پرچے میں چھاپیں گے۔ اور ممکن ہو تو روداد بھی۔

اور بچو! اگر موقع ملے تو اس زمانے میں اس خوشی کے زمانے میں ایک کام اور کر ڈالو یہ بھی تمہارا اپنا ہی کام ہے۔ پیام تعلیم کے کچھ خریدار بنا ڈالو۔ جو بچے پیامی رسالے کے پانچ خریدار بنائیں گے رسالہ انھیں سال بھر تک رسالہ مفت بھیجا جائے گا۔ تمہاری تھوڑی سی توجہ سے رسالہ کہیں سے کہیں پہنچ جائے گا۔

انشائی سوالوں کے جواب بہت سے بچوں نے [illegible]
بہت اچھا لکھا ہے [illegible]

برسات کا سماں



برسات کا سماں ہے کالی گھٹا ہے چھائی
کالی گھٹا ہے چھائی ٹھنڈی ہوا ہے آئی
بجلی چمک رہی ہے، بادل گرج رہا ہے
پانی برس رہا ہے، باجا سا بج رہا ہے
باغوں میں کھم گڑے ہیں جھولے پڑے ہوئے ہیں
اور ان میں جھولنے کو بچے کھڑے ہوئے ہیں
کچھ لڑکیوں کو ان کی سکھیاں جھلا رہی ہیں
ساون کے گیت مل کر لہرا کے گا رہی ہیں
جھولے [illegible]
[illegible]



چاروں طرف سے بادل گھر گھر کے آ رہے ہیں
ٹھنڈی ہوا کے جھونکے دل کو لبھا رہے ہیں
کچھ بچیاں مزے سے مینہ میں نہا رہی ہیں
ہنس ہنس کے ہم سنوں پر چھینٹیں اڑا رہی ہیں
دھکا دیا، گرایا، کی اس نے چھیڑ خانی
اس نے بھی اس پہ پھینکا خوش ہو کے خوب پانی
یہ گر پڑی تو سب نے اک قہقہہ لگایا
آکر اسے اٹھایا پھر خوب ہی بنایا
سرسبز سب زمیں ہے دلکش یہ آسماں ہے
برسات کا سماں ہے برسات کا سماں ہے

اک ذرا سی عقل بھی

سردیوں کا موسم، پالے کے جاڑے ٹھٹرن کی سردی، جیسے کسی نے برف سی بھر دی۔ کہیں برف گر رہا ہے۔ کہیں پالا پڑ رہا ہے۔ جنگل میں سناٹا، جنگل باسی بھوک سے بے حال۔

اک دن رات کو لی لومڑی، فاقوں سے نڈھال آہستہ آہستہ کسی طرف کو جا رہی تھیں۔ سامنے بھیڑئے میاں نظر آئے۔ انھوں نے جلدی سے پکارا: "او میاں لمبی دم والے، او میاں لمبی دم والے، ذرا بات سننا۔ کہو آج قسمت نے کچھ ساتھ دیا؟"

"بالکل نہیں، بالکل نہیں، سچ جانو اتنی بھوک لگی ہے، اتنی بھوک لگی ہے کہ جی چاہتا ہے اپنے پنجے جو توں ہی پر منہ مار دوں۔"

"اچھا اگر کہیں خوب موٹا تازہ خرگوش مل جائے تو [illegible] کے لیے؟"

"کیوں نہ ہوگا، کیوں نہ ہوگا، پر میں نے تو سارا جنگل چھان مارا مجھے تو کہیں پتہ نشان ملا نہیں۔"

"اچھا اگر تمھیں ایسی جگہ لے چلوں جہاں یہ خرگوش مل جائے! تم اس میں میرا حصہ بھی لگاؤ گے؟"

"واہ یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے! مدرسے میں تو ماسٹر صاحب مجھ سے برابر تاکید کرتے رہتے تھے کہ دوسروں کے ساتھ ہمیشہ مہربانی کے ساتھ پیش آؤ۔"

"ہاں۔ پڑھا لکھا ہونا بھی کیسا اچھا ہے میں تمھاری طرح پڑھی لکھی نہیں پر علم کا کوئی ذرہ بھی نظر آیا اور میں نے اٹھایا۔"

"تو وہ موٹا تازہ خرگوش ہے کہاں؟"

"ابھی تھوڑی دیر ہوئی ایک کسان پہاڑی پر سے لایا ہے۔ میرے منہ میں تو اسے دیکھ کر ہی پانی بھر آیا۔ کاش میں پڑھی لکھی ہوتی اور [illegible] کسان سے [illegible]

[illegible]

[illegible] کوئی [illegible] کرا اپنا وعدہ [illegible] چاہئے [illegible] نہیں۔"

کسان خرگوش کو اصطبل میں لے گیا اور وہیں چھوڑ آیا۔ میں نے دروازہ کی چٹخنی کھولنے کی کوشش کی پر میں تمہاری طرح لمبی تو ہوں نہیں اچھل کود کر رہ گئی۔"

"اچھا ذرا رستہ تو دکھاؤ۔ پھر بتاؤں میں کیا کروں؟"

لومڑی اسے اصطبل کے دروازے تک لے گئی۔

"تو اب پچھلے پیروں پر کھڑے ہو جاؤ ایک پیر اس چٹخنی پر رکھو۔ ہاں ٹھیک ہے اسے زور سے دباؤ۔"

دروازہ کھٹ سے کھل گیا۔

ادھر دونوں نے اصطبل میں قدم رکھا ادھر بادل سے چاند نکلا خوب روشنی پھیل گئی اصطبل کے ایک گھوڑے نے پیچھے مڑ کر دیکھا [illegible] اندھیرا اصطبل میں داخل ہو رہے تھے۔

"ہا ہا ہا [illegible] دیکھو خرگوش [illegible]

[illegible]

[illegible] یہاں [illegible]

خرگوش [illegible] اپنے [illegible] کے یاد دلایا "اس [illegible]

جرنیل صاحب [illegible]

بولے "افسوس تو یہ ہے کہ تم بالکل جاہل ہو میں نے مدرسے میں قانون بھی پڑھا تھا قانون کی کتابوں میں لکھا ہے کہ خرگوش کا مالک وہی ہو سکتا ہے جس نے اسے پکڑا ہو۔ تم نہ دروازے کی چٹخنی تک پہنچ سکیں نہ خرگوش تک پھر تم کیسے اس کی مستحق ہو سکتی ہو۔ پھر بھی پیٹ اچھی طرح بھر جائے تو باقی تمہارا ہی ہے سب تمہارا!!"

"ہاں بھائی تعلیم بھی عجیب و غریب چیز ہے"

لومڑی نے اصطبل کے چاروں طرف نظر دوڑائی ایک گھوڑا بہت بے چین تھا۔ بار بار پیر اٹھاتا تھا پچھلے پیروں کے نعل خوب چمک رہے تھے۔

"کاش میں بھی تمہاری طرح پڑھی لکھی ہوتی دیکھو یہ نعل کیسے چمک رہے ہیں جیسے چاندی کا پانی چڑھا ہوا ہو۔ اوپر بنانے والے کا نام بھی لکھا ہے۔ افسوس میں تو پڑھ ہی نہیں سکتی۔"

"ارے یہ بھی کوئی بات ہے میں تمہیں ابھی بتاتا ہوں۔" بھیڑیا یہ کہہ کر [illegible] گھوڑے کے پیچھے [illegible] گھوڑے نے پوری طاقت سے دولتی [illegible]

کوریا

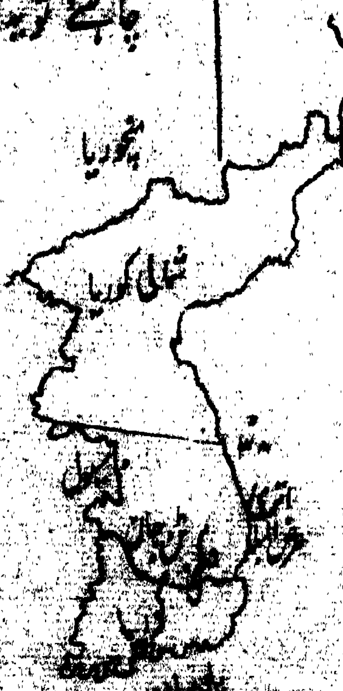
[illegible] اعظمی ایم اے

۲۵ جون کی صبح کو اچانک ریڈیو پر اور اخباروں میں خبر آئی "کوریا میں لڑائی چھڑ گئی۔ شمالی کوریا نے جنوبی کوریا پر حملہ کر دیا"

کوریا؟ تم میں سے بہت سے بچوں نے شاید اس کا نام پہلی مرتبہ سنا ہو! یہ اصل میں چین اور جاپان کے بیچ میں ایک چھوٹا سا ملک ہے۔ پل بن کر ان دونوں کے درمیان ایک پل کا کام دیتا ہے۔ رقبہ ۸۵ ہزار [illegible] آبادی [illegible] کروڑ [illegible] سے پہلے جاپان [illegible] ۱۹۴۵ء میں جاپان نے

ہتھیار ڈال دیے۔ جن جن ملکوں اور علاقوں پر اس نے قبضہ کر لیا تھا اس سے چھین لیے گئے۔ کوریا بھی۔

چاہیے تو یہ تھا کہ اس کو آزاد کر دیا جاتا۔ یہی طے ہوا تھا۔ پر ابھی اس کے اچھے دن نہ آئے تھے۔ امریکہ اور روس میں اختلاف ہوا۔ دونوں نے اس کے دو ٹکڑے کر دیے۔ جنوبی حصے پر امریکہ کا قبضہ ہو گیا، شمالی حصہ روس کے [illegible]



شمالی کوریا میں [illegible] جنوبی کوریا میں [illegible]

روس نے جو کوریا میں قدم رکھتے ہی اپنے قاعدے کے مطابق ملک کی اصلاح کا کام شروع کر دیا۔ زندگی کے ہر شعبے میں اس کے منصوبے بنائے۔ جنتا کو بیدار کیا۔ ملک میں لوہے، کوئلے، سونے، چاندی کے خزانے دبے پڑے تھے ان خزانوں کو زمین سے باہر نکالا۔

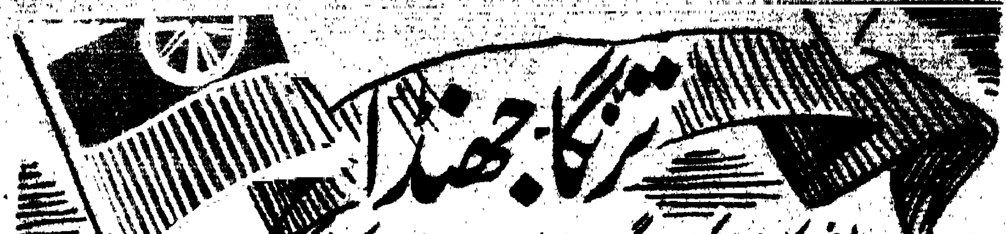
غرض صنعت و حرفت اور زراعت کے میدان میں تین سال کے عرصے میں زبردست انقلاب پیدا کر دیا۔ اور جب یہ علاقہ ہر لحاظ سے اپنی ضرورت خود پوری کرنے کا اہل ہو گیا تو روس نے وہاں سے اپنی فوجیں ہٹا لیں اور یہاں کے لوگوں نے جمہوری طریقہ پر انتخاب کے ذریعے اپنی حکومت قایم کر لی۔

ادھر جنوبی کوریا اپنی اسی حالت پر قایم رہا۔ وہاں کسی قسم کی کوئی اصلاح نہیں ہوئی جب امریکہ نے روس کی دیکھا دیکھی جنوبی کوریا خالی کیا تو اس کی حالت لڑائی کے زمانے سے بھی بدتر تھی۔ زمین پر زمیندار تجارت پر بنئے قابض تھے۔ ہر طرح کی بے ایمانی کا زور تھا۔ بے کاری اور بے روزگاری بڑھ رہی تھی۔ پھر لیتے ہی بھائی شمالی کوریا والے ترقی کر رہے تھے اور بہت آرام کی زندگی گذار رہے تھے۔ دکھنی کوریا والوں میں بے چینی برابر بڑھ رہی تھی اور یہ خیال عام ہو رہا تھا کہ دونوں علاقوں کو ملا کر ایک کر دیا جائے۔

ادھر جنوبی کوریا کی حکومت بہت ناکارہ اور نااہل تھی اور شمالی سرحد پر بس کی جھڑپیں ہوتی رہتی تھیں۔ آخر ایک دن باقاعدہ لڑائی چھڑ گئی۔ اتری فوج دکھنی فوج کی راجدھانی سے بھی آگے بڑھ گئی ہے۔ جنوبی کوریا کی فوج جی چھوڑ چکی ہے لیکن امریکن فوج پورے ساز و سامان کے ساتھ اس کی مدد کے لئے پہنچ گئی ہے۔ امریکن فوجیں ان کی ہمت بندھا رہی ہیں اور انھیں زبردستی میدان جنگ میں بھیجنا چاہتی ہیں۔

بین الاقوامی انجمن یو، ان، او بیچ بچاؤ کر رہی ہے۔ دیکھئے لڑائی کب ختم ہوتی ہے دعا کرو کہ کوریا میں جلد سے جلد امن قایم ہو جائے۔

آخری خبریں یہ ہیں کہ دکھنی کوریا کے بہت علاقے پر شمالی کوریا کی فوجیں قبضہ کر چکی ہیں۔ اگر یہی حال رہا تو کوئی عجب نہیں جو تھوڑے دنوں میں سارا علاقہ اتری کوریا کے قبضے میں آ جائے۔



ترنگا جھنڈا

دیش کا سیوک جگ اجیارا ہردے کو سکھ دینے والا
قوم کی کشتی کھیون ہارا
من ہر رنگ ترنگا پیارا

تن، من، دھن سب اس پر قرباں غم کا مداوا درد کا درماں
نور کا پیکر نور کا دھارا
من ہر رنگ ترنگا پیارا

ہر موج میں اس کی حسن کا دریا دیش سبھا کی اس سے شوبھا
بام فلک کا روشن تارا
من ہر رنگ ترنگا پیارا

ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی سب ہی کرتے ہیں اس کی بڑائی
ٹوٹے دلوں کا یہ ہے سہارا
من ہر رنگ ترنگا پیارا

گلشن گلشن، صحرا صحرا ساحل ساحل دریا دریا
غنچہ غنچہ ہنس کے پکارا
من ہر رنگ ترنگا پیارا

توقیر کے دل کو شاد کیا ہے تو نے وطن آزاد کیا ہے
بھارت ماں کا راج دلارا
من ہر رنگ ترنگا پیارا

احسان توقیر لکھنوی



منافع

مہرپال صاحب رام نگری ہیڈ ماسٹر

آج تمھیں کچھ کام کی باتیں بتائیں پہلے گھر کے خرچ کے بعد جو کچھ بچتا تھا لوگ اسے اپنے پاس رکھتے تھے۔ ہانڈیوں اور گگروں میں بھر کر زمین میں گاڑ دیتے تھے۔ روپیہ یوں ہی بے کار پڑا رہتا تھا۔ پڑے پڑے کو زنگ لگ جاتی تھی۔

مگر اب یہ بات پہلے سے کم ہے۔ اکثر لوگ اپنا بچایا ہوا روپیہ بنک میں یا ڈاک خانے میں جمع کر دیتے ہیں یا تجارت میں لگا دیتے ہیں۔ اس طرح اس روپے سے بہت سے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں۔ روپیہ ہمیشہ چکر میں رہتا ہے اور تم جانو حرکت میں برکت ہے۔

اسے تم یوں سمجھو کہ میں نے تمھیں ایک روپیہ دیا تم نے کتابیں خریدیں۔ کتابوں والے نے تم سے تھوڑا سا نفع کمایا اس نے بنیے سے آٹا خریدا۔ بنیے نے بھی کمایا اس نے دھوبی سے کپڑے دھلائے دھوبی نے فائدہ اٹھایا۔ اس روپے سے دھوبی نے صابن خریدا۔ صابن والے کو فائدہ ہوا۔ غرض یہ روپیہ جہاں جہاں گیا اپنے ساتھ نفع لایا۔ گھر میں پڑا رہتا تو یوں ہی بے کار رہتا کسی کے کام نہ آتا۔

آج کل ہمارے دیش میں جگہ جگہ بنک ہیں لوگ اپنی بچت کا روپیہ ان بنکوں میں رکھتے ہیں۔ بنک والے اس سے تجارت کرتے ہیں۔ کارخانے کھولتے ہیں۔ تجارت کے لئے لوگوں کو روپیہ قرض دیتے ہیں۔

بنکوں کے علاوہ ڈاک خانوں میں سیونگ بنک کھلے ہیں۔ جو لوگ زیادہ احتیاط سے کام لیتے ہیں وہ اپنا روپیہ سب سے زیادہ محفوظ جگہ رکھوانا چاہتے ہیں وہ سیونگ بنک کو ترجیح دیتے ہیں۔ اس روپیہ کی سرکار ذمہ دار ہوتی ہے۔

سرکار اس روپے سے دیش کے

بجلی کام کرتی ہے۔ سڑکیں بنواتی ہے پلوں کے ڈبے بنواتی ہے۔ نہریں کھدواتی ہے۔ اسکول قایم کرتی ہے۔ اس طرح لوگوں کو کام ملتا ہے۔ لوگوں کو طرح طرح کی سہولتیں میسر آتی ہیں۔ تجارت کا سامان آسانی سے ادھر سے ادھر جاتا ہے۔ لوگ آرام کے ساتھ سفر کرتے ہیں۔ زمیندار کے کھیتوں کو پانی ملتا ہے۔ فصل اچھی ہوتی ہے۔
غور کیا تم نے؟ دیس کو دیس کے لوگوں کو کتنا آرام اور فائدہ پہنچا روپے کے چکر سے۔ اور اب دیس آزاد ہو گیا ہے۔ سرکار چاہتی ہے طرح طرح کے کارخانے کھولے۔ جو مال بدیس سے آتا تھا اب گھر ہی میں تیار ہو۔ جنتا میں خوش حالی بڑھے۔ آرام، اطمینان اور سکون کی زندگی میسر ہو۔ پر اس کے لئے ضرورت ہے دھن کی، روپے کی۔

پر اس کام میں تو تم بھی مدد کر سکتے ہو۔ اے بچے تم تو چونک اٹھے۔ یہ کیوں سوچتے ہو کہ ہم بچے ہیں۔ آزاد دیس کے بچے بھی سب کچھ کر سکتے ہیں۔ ترکیب ہم سے سنو:

اپنی جیب خرچ سے تھوڑا تھوڑا بچاؤ۔ اس بچت سے چار چار آنے کے (چھوٹی بچت کے) ٹکٹ خرید لو۔ تمھیں ڈاک خانے والے ایک ٹکٹ سا نفت دیں گے۔ اس پر یہ ٹکٹ چپکاتے جاؤ۔ ٹکٹ پانچ روپے کے ہو جائیں تو ڈاکخانہ والوں سے پانچ سالہ نیشنل سیونگ سرٹیفکیٹ خرید لو۔ یہ سرٹیفکٹ ہر وقت بھن سکتا ہے۔ پوری مدت (پانچ سال) پر بھناؤ گے تو ۱۲ء نفع کے ملیں گے (۱۲)۔

اگر دیس کے سب بچے اس طرح تھوڑی تھوڑی رقم جمع کرتے رہیں تو سرکار کے پاس کتنا بہت سا روپیہ جمع ہو جائے "بوند بوند تالاب بھرتا ہے"۔

اور خود تمھیں کتنا فائدہ ہوگا۔ ایک تو فضول خرچی سے بچو۔ دوسرے اپنی رقم جمع رہے گی تو وقت بے وقت کام آئے گی۔ اب جیسے کالج کی فیس ادا کرنا ہے، یا سائیکل خریدنا ہے، اور کہیں سیر کو جاتا ہے وغیرہ وغیرہ پھر سرکار کا بھلا اور اپنے بھائیوں کا بھلا۔ اپنے دیس کا بھلا، ایک پنتھ میں کتنے کاج۔

یہ بات تمھاری سمجھ میں آجائے تو ساتھیوں کو بھی سمجھاؤ۔

ہماری سرکار

مدن موہن گپت

(۲)

پچھلے مہینے ہم نے تمھیں بتایا تھا کہ چناؤ کیسے ہوتا ہے۔ اس طرح چناؤ میں ہر سات لاکھ شہریوں کی طرف سے ایک نمایندہ چنا جاتا ہے یعنی بھارت کے ۳۵ کروڑ شہریوں کی طرف سے تقریباً پانچ سو نمایندے چنے جاتے ہیں۔ یہ پانچ سو نمایندے نئی دہلی میں ایک جگہ اکٹھے ہوتے ہیں اور ان کی مجلس کو لوک سبھا یعنی ایوان عام کہتے ہیں۔ یہ مجلس پانچ سال کے لئے چنی جاتی ہے اور اس عرصہ کے بعد پھر چناؤ ہوتا ہے۔

لوک سبھا کے علاوہ ایک اور مجلس ہوتی ہے جسے ریاستوں کی کونسل یا "راجیہ پرشد" کہتے ہیں۔ یہ کونسل چھوٹی سی ہوتی ہے۔ اور اس میں دو ڈھائی سو سے کچھ کم ممبر ہوتے ہیں یہ کونسل کبھی نہیں ٹوٹتی۔ مگر اس کے ایک تہائی ممبر ہر دوسرے سال بدل دئے جاتے ہیں۔

صدر یا راشٹرپتی

تم نے دیکھا کہ لوک سبھا اور راجیہ پرشد دونوں ایوانوں میں کل ملا کر سات سو سے زیادہ ممبر ہو گئے۔ اتنے زیادہ ممبر سب مل کر راج کاج کے کاموں میں حصہ نہیں لے سکتے۔ اس لئے ایک صدر چنا جاتا ہے جسے راشٹرپتی کہتے ہیں۔ وہ بھارت کا سب سے بڑا ادھیکاری ہوتا ہے۔ اس کی شان کسی بادشاہ سے کم نہیں ہوتی۔ سرکار کے سارے کام اس کے نام سے چلتے ہیں۔ وہ دونوں ایوانوں کا اجلاس بلاتا ہے دونوں ایوانوں اور راشٹرپتی ان تینوں کو ملا کر پارلیمنٹ یا سنسد کہتے ہیں۔ پارلیمنٹ قانون بناتی ہے جس سے

بھارت کا راج کاج چلاتا ہے۔ وہی ٹیکس لگا کر روپیہ اکٹھا کرتی ہے اور اس روپیہ کو جنتا کے فائدے کے لئے خرچ کرتی ہے

وزیروں کی کونسل

ہم نے تمہیں بتایا کہ راشٹرپتی بادشاہ کی طرح ہوتا ہے۔ مگر وہ اپنی من مانی نہیں کرتا۔ لوک سبھا میں جس ممبر کو سب سے زیادہ ممبر اپنا لیڈر مانتے ہیں راشٹرپتی اسے بلا کر بھارت کا وزیر اعظم یا پردھان منتری مقرر کر دیتا ہے اور اس کی رائے اور مدد سے سارا راج کاج چلاتا ہے۔ اس طرح راج کاج کا سارا بار وزیر اعظم کے کندھوں پر آ پڑتا ہے۔ وہ اپنے کچھ اور ساتھی چن لیتا ہے جنھیں راشٹرپتی وزیر یعنی منتری مقرر کر دیتا ہے۔ سب وزیروں کو ملا کر وزیروں کی کونسل یعنی منتری پرشید کہتے ہیں۔ اس کا مکھیا وزیر اعظم ہوتا ہے۔ جو دیش کے راج کاج کے سب کاموں کو منتریوں میں بانٹ دیتا ہے۔ کوئی منتری بھارت کے بچاؤ کا انتظام کرتا ہے اور اس کے لئے فوج کا انتظام کرتا ہے۔ اسے ڈیفنس منسٹر یعنی رکشا منتری (وزیر دفاع) کہتے ہیں۔ ایک منتری دوسرے ملکوں سے بھارت کے تعلقات کا انتظام کرتا ہے جسے وزیر خارجہ یعنی ودیش منتری کہتے ہیں۔ ایک دوسرا وزیر ریلوں کا انتظام کرتا ہے اسے ریل منتری (ریلوے منسٹر) کہتے ہیں۔ اسی طرح ایک ڈاک اور تار کا وزیر ہوتا ہے۔ ایک منتری خزانے کا انتظام کرتا ہے اسے وزیر خزانہ کہتے ہیں۔ ہر ایک وزیر کا ایک دفتر ہوتا ہے جسے محکمہ یا وبھاگ کہتے ہیں۔ سب منتری آپس میں صلاح کر کے سارا کام کرتے ہیں۔ پردھان منتری کی بات سب کو ماننی پڑتی ہے کیونکہ وہ لوک سبھا کا لیڈر ہوتا ہے۔ لوک سبھا وزیروں کی کونسل کے کاموں پر غور کرتی ہے۔ ان سے سوالات پوچھتی ہے اور اگر منتریوں کا کام لوک سبھا کو پسند نہیں آتا تو لوک سبھا ان کے خلاف ریزولیوشن یعنی پرستاؤ پاس کر دیتی ہے اور راشٹرپتی اس کونسل کو ہٹا کر دوسرا وزیر اعظم مقرر کر دیتا ہے جسے لوک سبھا چاہتی ہو۔ اس طرح جنتا

کے نمایندوں کی مرضی کے مطابق دیش کا راج کاج چلتا ہے۔

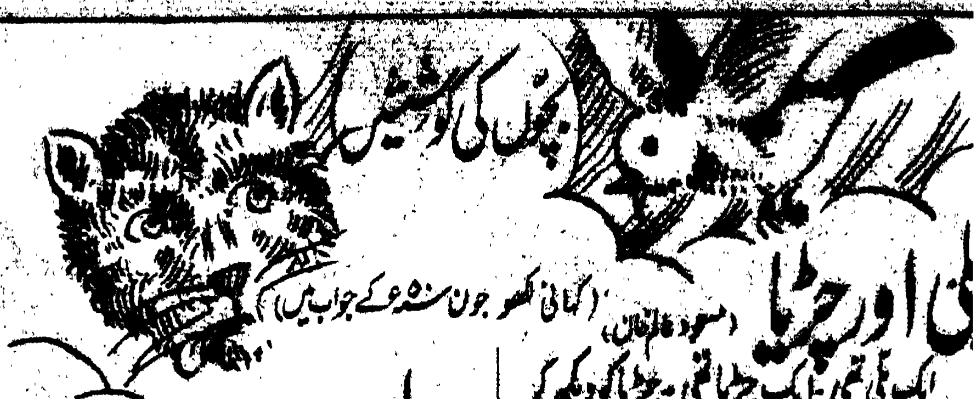
قانون بنانے کا طریقہ

جب بھارت کے لئے کوئی نیا قانون بنانا ہوتا ہے تو اس کا مسودہ لوک سبھا یا راجیہ پریشد دونوں میں سے کسی ایک ایوان میں پیش ہوتا ہے۔ اس میں پاس ہوجانے کے بعد وہ دوسرے ایوان میں جاتا ہے دونوں ایوانوں میں منظور ہوجانے کے بعد وہ راشٹرپتی کے پاس جاتا ہے اور راشٹرپتی کی منظوری کے بعد وہ قانون لاگو ہوجاتا ہے۔ اگر کسی قانون کو ایک ایوان پاس کردے اور دوسرا ایوان پاس نہ کرے تو راشٹرپتی دونوں ایوانوں کا ایک ساتھ ملا جلا اجلاس بلاتا ہے اور اس کا فیصلہ آخری ہوتا ہے۔ مگر روپے پیسے کے بارے میں یہ بات نہیں ہے۔ اس بارے میں لوک سبھا کو پورا اختیار ہے۔ کیونکہ وہی جنتا کی نمایندہ ہے اس لئے روپے پیسے کے بارے میں جو قانون ہوتا ہے وہ پہلے لوک سبھا میں پیش ہوتا ہے اور بعد میں وہ راجیہ پریشد میں اس کی سفارشوں کے لئے بھیجا جاتا ہے۔ پھر لوک سبھا کو اختیار ہے کہ وہ راجیہ پریشد کی سفارش کو مانے یا نہ مانے جب وہ دوبارہ اسے پاس کردیتی ہے تب وہ قانون بن جاتا ہے۔

بچوں کی برادری (گیا کی شاخ)

۱۲ر جون ۱۹۵۵ء کو جناب انوار انصاری ڈہری کی صدارت میں مسلم ہوسٹل ضلع اسکول گیا میں طلباء کی ایک عام میٹنگ ہوئی۔ جناب صدر نے "بچوں کی برادری" قایم کرنے پر بہت زور دیا۔ لڑکوں کو برادری کی اہمیت اور اس کے فائدے بھی بتائے۔ شکر ہے سب کے اتفاق سے برادری قایم ہوگئی۔ اور اس کے یہ عہدے دار منتخب ہوئے۔

(۱) جناب انوار انصاری ڈہری (صدر) (۲) جناب محسن گوبندپوری (سکریٹری) (۳) جناب نعیم الدین ہنٹر (نائب سکریٹری) (۴) جناب اشرف یوسف (خزانچی)۔ انتخاب کے بعد یہ تجویزیں بھی منظور ہوئیں (۱) بچوں کی برادری کی میٹنگ ہر مہینے ہوا کرے گی۔ (۲) ممبروں کی تعداد زیادہ سے زیادہ بڑھائی جائے۔ ہر ممبر اپنے مہینے بھر کے کام کی رپورٹ ماہوار میٹنگ میں ضرور پیش کرے۔ محسن گوبندپوری مسلم ہوسٹل ضلع اسکول گیا



بچوں کی کوششیں

(کہانی لکھو جون ۵۵ء کے جواب میں)

...ی اور چڑیا

(مسعود عالم خان)

ایک بلی تھی۔ ایک چڑیا تھی۔ چڑیا کو دیکھ کر
... کے منہ میں پانی بھر آیا۔ کہنے لگی "بہن چڑی
...ت دنوں بعد نظر آئیں۔ جی چاہتا ہے
...سے باتیں کریں۔ ڈرو نہیں۔ آؤ میرے قریب
...باؤ جب سے میں نے حج کیا ہے اپنے بہن
...ائیوں پر ظلم سے توبہ کر لی ہے۔"

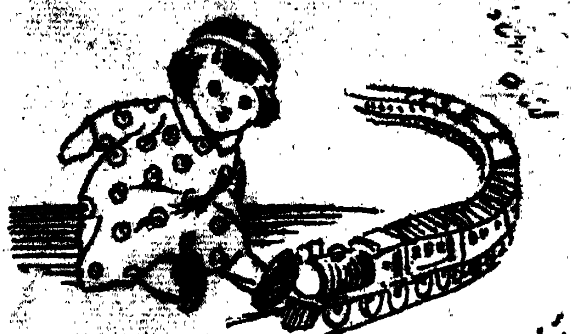
چڑیا بہت ہوشیار تھی اس نے کچھ سوچا
...ر کہنے لگی "آپ سچ کہتی ہیں خالہ جان لیجئے
... ابھی آئی۔" پاس ہی ایک ناند رکھی تھی پانی
...سے بھری ہوئی۔ چڑیا ناند کی کگر پر بیٹھ گئی۔
...سے آؤ دیکھا نہ تاؤ جھٹ سے چھلانگ
... ادی۔ پھر کیا ہوا نشانہ غلط بیٹھا۔ بلی خالہ
...پ سے پانی میں۔ چڑیا پھر سے اڑ گئی۔
...ا بھیگ کر چوہا ہو گئیں چھپ چھپ کرتی
...ے نکلیں۔ اب یہ ایک طرف کو شیان
...ی تھیں اور چڑیا ان کا تماشا دیکھ رہی تھی۔

دعا

ظہیر الدین احمد

ایک روز میں ایک ڈاکٹر کے مطب میں گیا۔ بھیڑ بہت تھی میں ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ اتنے میں ایک فقیر آیا اور چلایا "بابا خدا کی راہ میں کچھ خیرات دو" ایک آدمی نے اسے ایک پیسہ دیا۔ فقیر نے دعائیں دیں ڈاکٹر صاحب کو جوش آیا انھوں نے ۴ر دئے۔ فقیر بولا "خدا تیرے کاروبار کو ترقی نہ دے" ڈاکٹر آگ بگولا ہو گیا۔ اور سبھوں نے بھی برا بھلا کہا۔ ایک آدمی تو مارنے کو چڑھ دوڑا۔

فقیر ہنسنے لگا "ارے بے وقوفو میں نے تو یہ بات تمھارے ہی بھلے کے لئے کہی تھی نہ تم بیمار پڑو گے نہ دوڑ دوڑ کر ڈاکٹر کے پاس آؤ گے۔ نہ ڈاکٹر کے کام میں ترقی ہو گی" لوگ بہت شرمندہ ہوئے۔



اِدھر اُدھر سے

پچھلے دنوں برطانیہ میں ایک صنعتی نمائش ہوئی تھی۔ اس میں عجیب عجیب چیزیں دیکھنے میں آئیں۔ مثلاً ایک گڑیا اسپینی زبان میں باتیں کرتی، گاتی، ہنستی اور روتی ہے۔ ایک ننھی سی ریل گاڑی جو ایک عام ٹارچ بیٹری کی مدد سے چلتی ہے۔ اس کا انجن اور ڈبے صرف ڈیڑھ ڈیڑھ انچ لمبے ہیں۔ ایک بچہ گاڑی ہر جو کوریاں بھی دیتی جاتی ہے۔ انسانی شکل کی ایک گولک اس میں جوں جوں سکے ڈالتے جائیں پھولتی جاتی ہے۔

پچھلے ایسٹر کی چھٹیوں میں برطانیہ کے کوئی دو ہزار لڑکے یورپ کے دوسرے ملکوں کی سیر کو گئے۔ مختلف ٹولیوں نے فرانس، سوئزرلینڈ، آسٹریلیا اور جرمنی کا سفر کیا۔ ہر ٹولی (۲۰ سے ۳۰ تک لڑکے ایک استاد کی نگرانی میں) ایک ایک اسکول کی نمائندگی کرتی تھی۔ ہر ملک میں مقامی استاد یا لڑکے اپنے یہاں کے رہن سہن اور رسم و رواج کے سمجھانے میں مدد دیتے تھے۔ برطانیہ میں اس کام کے لئے ایک انجمن ہے۔ کیا پیامی اپنے آزاد دیس میں ایسی کوئی انجمن بنائیں گے۔

پچھلے دنوں برطانیہ کے ایک قصبے میں محفوظ سائیکل سواری کا مقابلہ ہوا۔ پچاس بچوں نے اس میں حصہ لیا۔ ایک ایک منٹ کے وقفے کے بعد بچوں کو پیچیدہ راستوں پر روانہ کر دیا جاتا۔ پورا راستہ ایک میل لمبا تھا۔ اور بڑا بازار، سڑک کی اونچائی نیچائی، پیچیدہ موڑ اور کئی پل طے کرنا پڑتے تھے۔

مراد آباد میں ایک بونی عورت کے لڑکی پیدا ہوئی ہے۔ بونی کا قد صرف ۵۳ انچ ہے عمر کوئی ۲۴ سال۔ بچہ اسپتال میں پیدا ہوا ہے۔ ماں اور بچہ دونوں تندرست ہیں۔
(ہندوستان ٹائمز)

२—एस० सोमाणी
३—अब्दुल कादिर जौकी
४—मोहम्मद इस्माइल सिद्दीकि
५—सईदउद्दीन रामपुर
६—कुमारी किरण ठाकुर चन्देल
७—कुमारी प्रेमलता ठाकुर चन्देल
८—कुमारी कमला गांधी

(पहले पृष्ठ का शेष)

आचरण संबंधी, मानसिक तथा शरीरिक त्रुटियां नजर आती हैं उन्हें हमें मिलकर निस्वार्थ भाव से दूर करना है और यह तभी हो सकता है जब कि हम अपने पयाम तालीम को कलम के जोर से अच्छा बनायें और तब फिर उसे हमारे देश के कोने-कोने में, घर-घर में और हर बालक के हाथों तक पहुँचायें।

क्या पयाम तालीम का सम्पादक मंडल अपने समस्त बाल साहित्य के आदरणीय लेखकों से कुछ आशा करे !

रचनायें हर महीने की १५ तारीख तक हमारे पास अवश्य पहुँच जाना चाहिये।

एक मुस्कान

ओखला से दिल्ली स्टेशन आती हुई एक बस (मोटर) में—रास्ते में एक नया यात्री चढ़ता है—

कन्डक्टर—कहाँ जाइयेगा आप ?

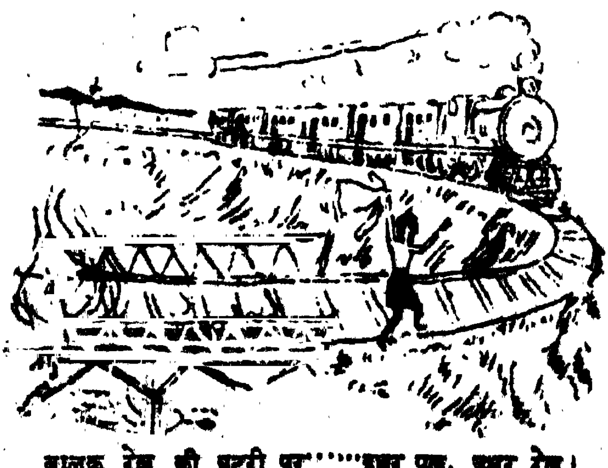
यात्री—पहाड़गंज।

कन्डक्टर—यह बस पहाड़गंज नहीं जाती, दिल्ली स्टेशन जायेगी।

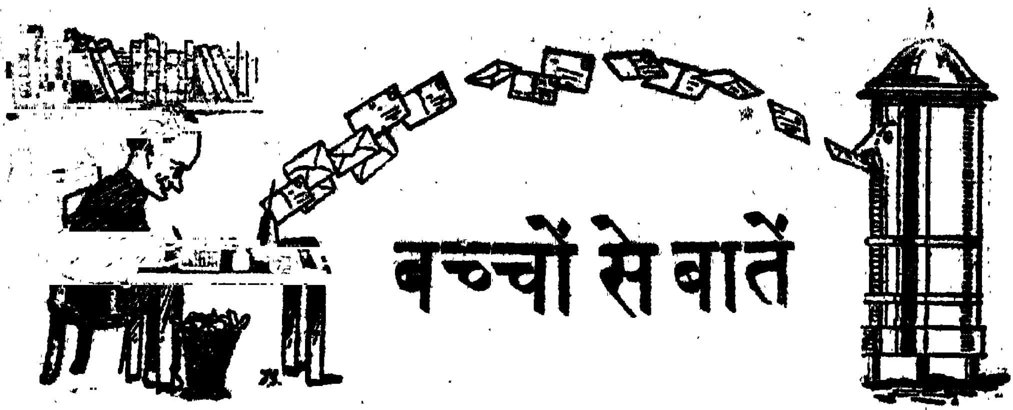
यात्री—दिल्ली स्टेशन जायगी तो मैं क्या करूँ मुझे तो पहाड़गंज जाना है।

कन्डक्टर—साहब ! यहां से पहाड़गंज के लिये कोई बस नहीं जाती।

यात्री—तो मैं क्या इस का जिमेदार हूँ ? मुझे तो पहाड़गंज ले चलिये गा।



बालक रेल की पटरी पर……इधर पुल, उधर रेल।



बच्चों से बातें

१—भारत की जन संख्या संसार कीजन संख्या का कोई पांचवा भाग है जिसमें बंगाल सब से ज़्यादा आबाद है।

२—अजमेर—मेवाड़ में भारत के अन्य राज्यों की अपेक्षा सब से ज़्यादा अंधे बसते हैं एक लाख पर कोई ३८३ का अनुपात हैं।

३—अहमदाबाद की म्युनिसिपल कमेटी सब से पुरानी है—१८३४ में स्थापित हुई थी।

४—एक हज़ार पर कुल १२० मनुष्य भारत में पत्र पढ़ सकते हैं।

५—भारत में हर वर्ष हजार पर ३५ जन्म होते हैं और $३३\frac{१}{३}$ मरते हैं। इसलिये भारत की जनसंख्या प्रति वर्ष बढ़ती जाती है।

भारत के पवित्र स्थान

हिन्दुओं के—(१) अमरनाथ (२) बद्रीनाथ (३) कैलाश (४) हरिद्वार (५) वृन्दावन (६) मथुरा (७) अयोध्या (८) अलहाबाद (९)-बनारस (१०) पुरी (११) मदुरा (१२) कालीघाट आदि।

सिक्खों के—अमृतसर और ननकाना साहिब

बुद्धमत के—बुद्ध गया (२) सरनाथ (३) कजरी।

जैनियों के—परेशनाथ

मुसल्मानों के—अजमेर

पिछले अंक के प्रश्न का उत्तर—

हर पक्षी के पर, पैर और सिर तीनों होते हैं

इस प्रश्न का ठीक उत्तर बताने वाले के नाम:

१—मज़हर सिद्दीकि

डाक के टिकटों का [illegible] !

[ले०—मोहसिन हामिद]

जिस प्रकार चित्र, पुस्तकें और फूल पत्ते जमा करने का भी हम में से कई लोगों को शौक (हॉबी) होता हैं ठीक उसी तरह संसार के भिन्न-भिन्न देशों के डाक के टिकट जमा करने का भी एक शौक है। किसी न किसी प्रकार की हॉबी हर मनुष्य में होती ही है। मुझे डाक के टिकट जमा करने की एक हॉबी है। मैंने अब तक संसार के कई देशों के डाक के टिकट जमा कर लिए हैं और जमा करता जा रहा हूँ।

इस हॉबी से मुझे बहुत फायदा पहुँचा है। संसार के कई एक देशों की डाक व्यवस्था के विषय में मुझे कई बातों का ज्ञान हो गया है। जैसे वहां कब-कब और किस प्रकार डाक के टिकट चले यह मुझे अच्छी तरह मालूम है।

पहले इंगलैण्ड (यूरोप) में १८४० के साल में डाक के टिकट छपे। यह एक पेनी (वहां का सिक्का होता है) वाले और दो पेनी वाले काले रंग और नीले रंग के टिकट थे। इस के पहले हरकारे पत्र भेजने वाले से अपने परिश्रम का एक निश्चित मूल्य ले लिया करते थे और लिफाफों पर (Paid) वाली 'प्राप्त' की मोहर लगादी जाती थी। उक्त टिकटों का आविष्कार सर रोलण्ड (Sir Rowland) ने महारानी विक्टोरिया के समय किया था और सारी डाक व्यवस्था को भी फिर से ठीक किया। तुमने देखा होगा कि आजकल के टिकटों के आस-पास छेद से बने रहते हैं जिससे हरेक टिकट एक दूसरे से बड़ी आसानी से अलग किया जा सकता है। लेकिन उस समय कैंची से टिकिट काट कर अलग-अलग किए जाते थे क्यों कि आज की तरह परफोरेटिंग मशीन (Perforating Machine) का आविष्कार तब तक हुआ था।

इंगलैण्ड के बाद ब्रेजील (Brazil) में टिकिट व्यवस्था क़ायम हुई। यह कोई स० १८४६ की बात है। इसके बाद तो संसार के समस्त देशों में धीरे धीरे टिकिट व्यवस्था इस प्रकार क़ायम होती गई—

स्विटज़रलैण्ड (Switzerland)— १८४३
अमरीका (America) — १८४७
फ्रांस (France) — १८४६
स्पेन (Spain) — १८५०
इण्डिया (India) — १८५२
इटली (Italy) — १८६२
आस्ट्रेलिया (Australia) — १६१३

इससे पहले न्यू साउथ वेल्स (New South wales) की कुछेक रियासतों में भिन्न-भिन्न टिकिट चलते थे।

हुई है, मेरी धर्म पत्नी की इच्छा है कि "आप मेरी लड़की लेलें और अपना बेटा मुझे देदें ।" यह बात सुनते ही राजा चिन्ता में डूब गये एक ओर तो प्रणथा और दूसरी ओर बेटे का मोह। सारी जनता ने बहुत दुःख मनाया और उस बूढ़े सिपाही को बुरा भला कहने लगे, परन्तु थोड़ी देर में ही महाराजा साव-धान हो गये और बोले कि "हमने तुम्हें अपना बेटा दिया आर तुम अपनी लड़की महलों में पहुँचादो ।" बड़ी धूम धाम से वह लड़की महलों में पहूँचाई गई। राजा और रानी का प्यार एक समान उसे मिलता गया, और वह दूज के चाँद की तरह प्रति दिन बढ़ने लगी। उधर उस सिपाही ने उस बालक को पाल पोष कर बड़ा किया और उसका मुँह बोला नाम अशोक रक्खा गया। उस सिपाही ने उसे सारी शस्त्र और अस्त्र विद्या सिखलाई घोड़े की सवारी करने और शिकार खेलने में उसे बहुत निपुण बना दिया। एक दिन वह जंगल में शिकार खेल रहा था कि उस की नज़र पहाड़ के एक हरे भरे स्थान पर जा लगी, वह वहाँ आकर विश्राम करने लगा। थोड़ी देर में उसे वहीं पर नींद आगई। नींद खुली तो देखा रात्रि हो गई है आकाश पर तारे जगमगा रहे हैं चारों ओर अंधेरा छाया हुआ है, जिधर भी सुनो सांय सांय की आवाज सुनाई देती है। वह बहुत चिन्तित हुआ देखा तो पास से घोड़ा भी नहीं है। उसने समझ लिया कि कोई जंगली जानवर मार कर खा गया होगा। वह उठा और एक पेड़ पर जा चढ़ा। आधी रात आ चुकी थी, अकस्मात् चारों ओर से घोड़ों की टाप सुनाई पड़ने लगी। बहुत से मनुष्यों की आवाजों पर आवाज आने लगी। देखते ही देखते एक बड़ी भारी सेना वहाँ से हो कर निकलने लगी। अशोक हैरान हो गया सोचने लगा कि न जाने क्या बात है ? उनकी बुद्धि डाँवां डोल हो उठी। उसकी समझ में कुछ भी न आता था। रह रह कर उसको यह विचार परेशान कर रहा था कि हमारे महाराज के राज्य ने इतनी बड़ी सेना किसकी किस लिये और क्यों जा रही हैं ?

(शेष अगले अंक में पढ़िये—सम्पादक)

कहानी

बालक की वीरता

लेखक—बी० एस० प्रेमी

हजारों वर्ष पहले की बात है भारत में उन दिनों मगध देश का वैभव बढ़ा चढ़ा हुआ था। वहां के राजा प्रतापसेन सब तरह से सुखी थे। परन्तु उन्हें एक दुःख था तो यही कि उनकी कोई सन्तान न थी। एक दिन महाराज प्रताप सेन ने अपने भरे दरबार में मन्त्रियों और सामन्तों से अपने दुःख की कहानी सुनाई। राजा के पुराने मन्त्री ने महाराजा को कहा कि हमारे राज्य में एक बहुत बड़े विद्वान रहते हैं, वे बहुत बड़े तपस्वी भी हैं, उनका नाम वररुचि है, आजकल उनका बड़ा चमत्कार फैला हुआ है। महाराज ? आप भी उनकी शरण में चलें और उनसे कोई उपाय पूछें। वृद्ध मंत्री की बातें सुन कर महाराजा को कुछ उत्साह आया और वे एक दिन दल बल सहित दर्शन करने के लिये गये। राजा का सेवा भाव देख कर महा मुनि वररुचि ने कहा कि हे राजन ! तुम्हारे भाग्य में सन्तान तो है परन्तु तुम्हें तप करना पड़ेगा। राजा सहर्ष तप करने के लिये तैयार हो गये। छः महीने की कठिन तपस्या के बाद मुनि ने राजा को घर लौटने की आज्ञा दी और साथ ही एक फल दिया और कहा कि पूर्णिमा की रात्रि को इसे अपनी रानी को खिला देना। कुछ समय बीतने के बाद राजा के यहां एक पुत्र उत्पन्न हुआ। बहुत धूम धाम से खुशियाँ मनाई गई। दीन अनाथों को सहायता दी गई। जेलखानों से कैदियों को रिहा कर दिया गया। प्रजा के लिये अच्छे २ कार्य किये। ब्राह्मणों को भर पेट भोजन वस्त्र आदि दिये गये। भाटों और बन्दियों ने गीत गाये। राज के महल में आनन्द का कोई ठिकाना न रहा। महाराजा ने दरबार बुलाया और उसमें उन्होंने घोषणा की कि यदि किसी को कोई दुःख हो तो वह हमें सुनाये। हम उसके दुःख को दूर करेंगे। यह बात सुन कर एक बूढ़ा सिपाही हाथ जोड़ कर बोला कि महाराज ? यदि आप प्रण करें तो मैं अपना दुःख सुनाऊं। राजा ने कहा कि हम सारी जनता के सामने प्रण करते हैं कि तुम्हारा दुःख अवश्य दूर करेंगे। इस पर उस बूढ़े ने कहा कि महाराज ? जिस दिन आपके घर पुत्र हुआ, उसी दिन मेरे घर सातवीं लड़की उत्पन्न

मच्छर

मच्छर आया, मच्छर आया।
भन भन गाता, मच्छर आया॥

हमें काट मच्छर भग जाता।
भन भन गाकर हमें चिढ़ाता॥

जाड़े वाली जूड़ी आती।
'किट किट' कर वह हमें कँपाती॥

मच्छर की हम दवा मंगावें।
घर बार हम साफ बनावें॥

सारे मच्छर मर जायेंगे।
करनी पर वे पछतायेंगे॥

छोटी एक मसहरी लायें।
बांस बांध कर उसे लगायें॥

अन्दर हंस हंस हम सोयेंगे।
बाहर मच्छर जी रोयेंगे॥

—'दद्दा'

अब तुम बताओ भैया, अब तो बड़े विद्वान बन रहे थे।

सुज्ञान—(कुछ सकुचाता-सा), मैं बताऊं बाबू जी!

सुशीलचन्द्र—हां, हां, कहो—

सुज्ञान—तीसरे, हम रास्ते में, हाटबाट में और मेले ठेले में भेंट करते हैं।

सुशीलचन्द्र—शाबाश सुज्ञान! देखो सरला कितना सुन्दर उत्तर दिया है। बड़ा चतुर है सुज्ञान बेटा।

सरला—(कुछ चिढ़कर) आप तो बाबू जी, भैया की ही तारीफ करते रहते हैं। एक बात बता दी तो बड़े चतुर हो गये भैया!

सुशीलचन्द्र—नहीं बेटी, तुम सुज्ञान से भी चतुर हो।

सरला—(कुछ प्रसन्न होकर) हां, तो बाबू जी, तीन तरह से हमारी एक दूसरे से भेंट हो सकती है! फिर......

सुशीलचन्द्र—इन तीनों प्रकार की भेंट के समय जो बातें बरतनी चाहिए या जो नियम हमें काम में लाने चाहिए वे ही उस समय के शिष्टाचार के नाम से प्रसिद्ध हैं। उनके विपरीत आचरण करने पर हम अशिष्ट और असभ्य कहलाते हैं। इसलिए बहुत कुछ शिष्टाचार तो हम ऐसे अवसरों पर सीख सकते हैं। इसके अतिरिक्त दूसरे स्थान और अवसर भी हैं जब हम विशेष रूप से विशेष नियमों का व्यवहार करते हैं। अपने से बड़े, बुद्धिमान और विद्वान जैसा बर्तें वैसा ही आचरण हमें भी करना चाहिए। यही शिष्टाचार का सबसे अच्छा ढंग है। बड़ों और विद्वानों का सत्संग ही वह स्थान है जहां हम शिष्टाचार पूरी तरह से सीख सकते हैं।

सरला—बाबू जी आप बड़े अच्छे हैं, आज तो आपने बड़ी अच्छी अच्छी बात बताईं। अच्छा अब हम पाठशाला जाते हैं। चलो, भाई साहिब।

सुशीलचन्द्र—अच्छा मुझे कचहरी जाना है।

तीनों उठ कर अपने-अपने कामों में लग जाते हैं।



देखो यह बालक सोकर अब उठ रहा है! क्या तुम भी इतनी देर तक सोये रहते हो?

सुज्ञान—हां बाबू जी, मैं भी आज इसी लिए सरला को आपके पास लेकर आया हूं !

सरला—तुम क्या लाते, मैं आना नहीं जानती थी क्या ?

सुशीलचन्द्र—अच्छा सरला लड़ो मत, सुनो, तुन्हें बतलाता हूँ कि शिष्टाचार क्या है ?

सरला, सुज्ञान—ठीक, बतलाइए।

सुशीलचन्द्र—शिष्टाचार दो शब्दों से मिल कर बना है। शिष्ट का अर्थ है-अच्छा, सभ्य, भला और सुन्दर आदि और आचार का अर्थ है-व्यवहार, आचरण, बर्ताव और रहन सहन। इस प्रकार शिष्टाचार का अर्थ हुआ—भले लोगों का आचरण, सभ्यपुरुषों का व्यवहार, उनका रहन सहन और वर्ताव। उनके दैनिक रीति रिवाज।

सरला—ऐसा करने से लाभ ?

सुशीलचन्द्र—हां, सरला यह तुम्हारा बड़ा अच्छा प्रश्न है ? लाभ भी सुनो—

शिष्टाचार के अनुसार काम करने से एक प्रकार का आनन्द और प्रेम उत्पन्न होता है। व्यवहार करने में सुविधा उत्पन्न होती है और सारे काम एक नियम से होते हैं। बड़ों का आदर होता है, बराबर वालों में भाईचारा बढ़ता है और छोटे के प्रेम उत्पन्न होता है। लोगों में सुरुचि बढ़ती है। शरीर, मन और आत्मा स्वस्थ रहते हैं। चारों ओर शांति और अच्छे भले विचारों का प्रचार होता है।

सरला—अच्छा बाबू जी, तब तो शिष्टाचार हर बालक को सीखना चाहिए।

सुशीलचन्द्र—यह तो है ही, जो बालक शिष्टाचार नहीं जानता उसे लोग अशिष्ट, असभ्य, गंवार और लंठ कह कर पुकारते हैं। सब उसको गिरी दृष्टि से देखते हैं, सरला !

सुज्ञान—तो शिष्टाचार कहाँ और कैसे वरतना चाहिए ? पिता जी

सरला—हां मैं भी यही बात पूछना चाहती थी।

सुशीलचन्द्र—देखो सुज्ञान, यह बहुत बड़ा विषय है, आज तो मैं तुम्हें इस बारे में कुछ आधी बातें ही बताऊंगा और धीरे धीरे सब बातें समय आने पर समझा दूंगा।

सरला—सुज्ञान—अच्छा बाबू जी।

सुशीलचन्द्र—सरला, तुम बता सकती हो, हमारी भेंट किसी आदमी से कितनी तरह से हो सकती है ?

सरला—(कुछ सोच कर) एक तो, हमारे घर पर कोई आए।

सुशीलचन्द्र—ठीक सरला बड़ी चतुर बेटी है। और,

सरला—दूसरे, हम किसी के घर पर जायें।

सुशीलचन्द्र—बिल्कुल ठीक। और,

सरला—(सुज्ञान की ओर संकेत करके)

शिष्टाचार

[ले०—सुधीर त्यागी एम० ए०]

(पात्र सरला, सुज्ञान और बाबू सुशीलचन्द्र)

सरला—सुज्ञान भैया, मुझे तुम्हारी यह बात ठीक नहीं लगती।

सुज्ञान—क्यों सरला, मैंने तुम्हें क्या कह दिया?

सरला—और क्या कहते? बात बात पर टोकना और वह भी दूसरों के सामने, यह कोई अच्छी बात है क्या? मैं लड़की हूं तो, इस का अर्थ यह है कि तुम नित मेरा अपमान करते रहो।

सुज्ञान—सरला तुम बुरा मान गईं, मैंने तो एक सीधी सी बात कही थी। देखो यदि तुम शिष्टाचार न सीखोगी तो लोग तुम्हें ही नहीं तुम्हारे घर और वंश को भी यह कह कर याद करेंगे कि यह लड़की कैसे घर या वंश की है जो इसे बोलना भी नहीं आता। इसमें कितनी हेटी हमारी!

सरला—तो फिर यह बात तो धीरे से अलग एकान्त में भी समझाई जा सकती थी।

सुज्ञान—बहन, तुम्हें समझाना कोई हंसी खेल नहीं है, फिर शिष्टाचार जैसा विषय!

सरला—फिर?

सुज्ञान—चलो पिता जी के पास चलें। उनसे मुझे भी इस सम्बन्ध में कुछ पूछना है।

सरला—यह बात ठीक है

(दोनों जाते हैं)

बाबू सुशीलचन्द्र कुर्सी पर बैठे एक पुस्तक पढ़ रहे हैं। सरला आकर उनके कंधे पर जोर देकर खड़ी हो जाती है और सुज्ञान एक ओर सीधा हाथ बांधे खड़ा रहता है।

सुशीलचन्द्र—देखो सरला, शिष्टाचार सीखो। बड़ों के सामने ऐसे कभी नहीं खड़े होते। वह देखो सुज्ञान भैया भी तो खड़ा है।

सरला—(कुछ खिन्न सी होकर) पिता जी! सब मुझ से यही कहते हैं शिष्टाचार सीखो! सिखाता कोई भी नहीं। आज मैं आपके पास से तभी जाऊंगी जब आप पूरी तरह समझा देंगे कि शिष्टाचार का क्या अर्थ है, और उसका जानना हमें क्यों आवश्यक है?

मेरा सन्दूक

मेरा छोटा-सा सन्दूक।
पहरा देता ले बन्दूक॥
कोई रखता कपड़े इसमें, कोई पुस्तक चार।
मैं रखता हूँ खेल-खिलौने, बिल्ली दो दुमदार॥
इसमें रखी हुई कन्दूक*।
मेरा छोटा-सा सन्दूक॥१॥

कोई कहता पेटी इसको, कोई कहे पिटारा।
कोई कहता डिब्बा इसको, सुनते-सुनते हारा॥
कुछ हैं कह देते हन्दूक।
मेरा छोटा-सा सन्दूक॥२॥

शाम सवेरे साफ़ करूँ मैं, झटकारूँ दो बार।
हाथ लगावे बिन पूछे तो, हो जावे फिर रार॥
इसमें होती कभी न चूक।
मेरा छोटा-सा सन्दूक॥३॥

खाना खाऊं तो भी रक्खूं, पास सदा मैं अपने।
रखकर पास रात को देखूँ, मीठे-मीठे सपने॥
रक्खूं जैसे दिल का टूक।
मेरा छोटा-सा सन्दूक॥४॥

भैया! मोल मांगता इसको, दे रुपये हज्जार।
मैं कहता धन मिल जावेगा, भैया! छप्पर फार॥
मैं क्यों मारूँ इसको फूँक।
मेरा छोटा-सा सन्दूक॥५॥

—नेमीचन्द जैन 'नियमी'

---

* गेंद।

और ५०० से अधिक नहीं होंगे।

विधान सभा में जिस व्यक्ति के पीछे सबसे अधिक सदस्य होते हैं, राज्यपाल या राजप्रमुख उसे मुख्य मन्त्री बना देता है। वहीं अपनी मन्त्रि परिषद् बनाता है जिसे राज्य का मन्त्रि मण्डल या राज्य सरकार भी कहते हैं। राज्य में मुख्य मन्त्री की वही स्थिति होती है जो संघ सरकार में प्रधान मन्त्री की होती है। वह विधान सभा के प्रति उत्तरदायी होता है। विधान सभा मन्त्रियों को बदल सकती है। राज्यपाल या राजप्रमुख राज्य सरकार और भारत सरकार के बीच कड़ी के समान होता है। राज्य सरकार का सब राज काज उसी के नाम से चलता है।

(इस लेखका शेष अगले अंक में दिया जायगा।)

—सम्पादक



जैसे इन तीसरे प्रकार के राज्यों का शासन भारत सरकार के आदेश से चलता है, वैसे ही बड़े राज्यों में राज्यपाल या राज प्रमुख तो अवश्य होता है, पर वहां का सारा शासन भारत सरकार अर्थात् संघ सरकार के आदेश से नहीं चलता। वहां प्रत्येक राज्य में एक राज्य सरकार भी होती है।

२—राज्य-सरकारों के काम

अब तुम पूछोगे कि सारे भारत की एक भारत सरकार होते हुये सब राज्यों में अलग-अलग राज्य सरकार की क्या आवश्यकता है और उनके कामों में क्या अंतर है। असल में भारत सरकार और राज्यों की करकार के काम अलग अलग हैं। भारत सरकार समस्त भारत में रेलों, डाक, तार, टेलीफून आदि बहुत सी चीजों का प्रबन्ध करती है और भारत की रक्षा के लिये सेना का प्रबन्ध करती है, और दूसरे देशों के साथ सम्बन्ध रखती है। उन कामों को संघीय विषय कहते हैं। संविधान में इन विषयों में राज्यों की सरकारें कुछ नहीं कर सकतीं।

पर कई और काम हैं जो बड़े २ राज्यों की सरकारें अपने राज्य में आप चला लेती हैं उनमें से मुख्य काम राज्य में शान्ति रखने का है, जिसके लिये राज्य की सरकार पुलिस का प्रबन्ध करती है। इसी प्रकार राज्य सरकार शिक्षा का प्रबन्ध, स्वास्थ्य का प्रबन्ध और जमीनों का प्रबन्ध भी करती हैं। वे इन कामों को राज्यों के विषय कहते हैं जो संविधान में राज्य सूची में दिये गये हैं।

३—विधान सभायें

अब तुम पूछोगे कि भारत सरकार के लिये तो एक चुनी हुई लोक सभा होती है और एक राज्य परिषद होती है और मन्त्रि मण्डल होता है। क्या राज्यों में भी ऐसी चुनी हुई सभा होती है और मन्त्रि मण्डल होता है? हां! वहां भी जनता का ही राज्य होता है। लोक सभा के समान प्रत्येक राज्य में एक विधान सभा होती है, जो लोक सभा के समान चुनी जाती है। २१ वर्ष का प्रत्येक नागरिक विधान सभा के चुनाव में मत दे सकता है। वह विधान सभा पांच वर्ष के लिये चुनी जाती है, और अपने राज्य भर के लिये कानून बनाती है। पर वह कानून उन्हीं कामों के लिये होता है, जो राज्य सूची के विषय हैं। विधान सभाओं में कितने सदस्य होते हैं? तुम जानते हो कि सब राज्य बराबर नहीं हैं, इसलिए सब की विधान सभा भी बराबर नहीं होती। उत्तर प्रदेश की आबादी ६ करोड़ से भी अधिक है। इसलिये वहा की विधान सभा में ४३० सदस्य होते हैं। पर बम्बई राज्य की जन संख्या सवा तीन करोड़ है अतएव वहां की विधान सभा में ३१५ सदस्य होते हैं। सौराष्ट्र छोटा राज्य है, वहांकी विधान सभा में केवल साठ सदस्य होते हैं। संविधान में लिखा है कि किसी विधान सभा में साठ से कम सदस्य नहीं होंगे

संविधान सिरीज का तीसरा लेख

राज्यों की सरकारें

[ले०—मदनमोहन 'गुप्त']

१—भारत के भाग

भारत के कई भाग हैं। उन्हें राज्य कहते हैं। भारत इन राज्यों का संघ है। राज्य तीन प्रकार के हैं।

कुछ तो वे राज्य हैं जो पहले प्रान्त कहलाते थे। उनके नाम ये हैं।

१. उत्तर प्रदेश (यू० पी०) २. मद्रास ३. बम्बई ४. बिहार ५. पश्चिमी बंगाल ६. मध्य प्रदेश ७. उड़ीसा ८ पंजाब ९. आसाम।

इसमें से प्रत्येक राज्य में एक राज्यपाल होता है जिसे राष्ट्रपति नियुक्त करता है। वह पांच वर्ष तक अपने पद पर रहता है।

दूसरे प्रकार के राज्य संख्या में आठ हैं। इनके नाम ये हैं :

१. हैदराबाद, २. राजस्थान, ३. ट्रावनकोर कोचीन, ४. मैसूर, ५. मध्य भारत, ६. सौराष्ट्र ७. पटियाला और पूर्वी पंजाब राज्य संघ।

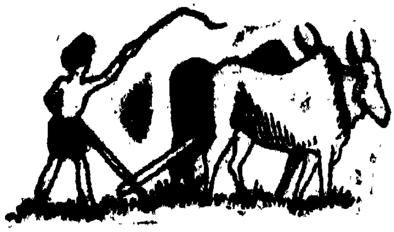
इनमें कई नाम तुम्हें नये से मालूम होंगे। कारण यह है कि कुछ वर्ष पहले भारत में बहुत छोटे छोटे राज्य थे जो संख्या में साढ़े पांच सौ थे उनमें छोटे छोटे राजा, महाराजा या नवाब राज्य करते थे। अब उनमें से कई राज्यों को मिलाकर बड़े बड़े राज्य बना दिये गये हैं और वहां के एक एक राजा को प्रत्येक राज्य का राजप्रमुख बना दिया गया है। राजप्रमुख का वही काम होता है जो राज्यपाल का होता है। पर राज प्रमुख को राज्यपाल के समान बदला नहीं जाता।

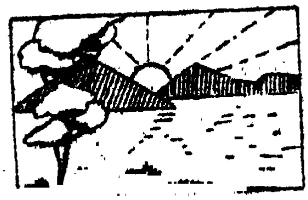
तीसरे प्रकार के राज्य संख्या में दस हैं।

१. विन्ध्य प्रदेश २. दिल्ली ३. हिमाचल प्रदेश ४. भोपाल ५. अजमेर ६. त्रिपुरा ७. कच्छ ८. मनीपुर ९. कुर्ग १०. बिलासपुर।

ये राज्य बहुत छोटे छोटे हैं यहां का राजकाज चलाने के लिए राष्ट्रपति प्रत्येक राज्य में एक मुख्य आयुक्त या उपराज्यपाल नियुक्त रहता है। वह अधिकारी भारत सरकार के आदेश के अनुसार उस छोटे राज्य का सारा शासन करता है।

खेत हमारे





कृषकों की आँखों के तारे,
तारे ! तारे ! तारे ! तारे !
हरे भरे हैं खेत हमारे ।

गेहूँ, चना, बाजरा ज्वार,
यह सब हैं इनके उपहार,
यही हमारे जीवन सार,

इसीलिये यह हमको प्यारे,
प्यारे ! प्यारे ! प्यारे ! प्यारे !
हरे भरे हैं खेत हमारे ।

सूरज किरणें इन्हें जगातीं,
गंगा, यमुना स्नान करातीं,
वर्षा है मोती बरसाती,

सब ही इन पर जाते वारे,
वारे ! वारे ! वारे ! वारे !
हरे भरे हैं खेत हमारे ।

इनसे ही हम भोजन पाते,
यह हमको कपड़े पहिनाते,
इसीलिये यह हमको भाते,

प्यारे प्यारे, जग से न्यारे,
न्यारे ! न्यारे ! न्यारे ! न्यारे !
हरे भरे हैं खेत हमारे ।

—नवीनचन्द्र 'नवीन'

प्याम तालीम

सचित्र मासिक [उर्दू-हिन्दी]

बाल पत्रिका

अगस्त १९५०, जामिया नगर, दिल्ली

सम्पादक की ओर से

पयाम तालीम के एक सदस्य भाई सईद-उद्दीन रामपुर से लिखते हैं :

"ईश्वर की कृपा से अब हमारे पयाम तालीम ने बड़ी तरक्की की है। ईश्वर से दुआ है कि यह और बढ़े। पयाम तालीम का हिन्दी विभाग बहुत अच्छा लगता है—और इस से हमारी काब्लीयत बढ़ती है। मगर इस में एक कमी है कि शब्द कुछ कठिन होते हैं जिससे कहानी का मज़ा कभी-कभी चला जाता है। शब्द कुछ आसान हों तो अच्छा है।"

मेरे प्यारे दोस्त—आप की इस हमदर्रदी के लिये शुक्रिया। आप जैसे साथी जब हमारे साथ हैं तो फिर पयाम तालीम क्यों न तरक्की करे। शब्दों के विषय में आप की शिकायत वाजिब है लेकिन फिर भी, अन्य इस तरह की बाल-पत्रिकाओं की अपेक्षा, पयाम तालीम की भाषा अत्यंत सरल है और सच्च पूछो तो बिलकुल हिन्दुस्तानी है। हाँ! अवश्य अब हमें कुछ कदम आगे बढ़ना होगा और तुम्हें हिन्दी सीखनी होगी—यह तो समय का तकाजा है भाई—हिन्दी का दौर और हिन्दी हमारी राष्ट्र भाषा!

एक बात तुम्हें और बताऊँ—हिन्दी भाषा अन्य भाषाओं की अपेक्षा अपूर्ण नहीं है, अत्यन्त सरल और जल्दी आजाने वाली भाषा है। तुम यदि कोशिश करो तो बहुत जल्दी ही अच्छी हिन्दी सीख सकते हो।

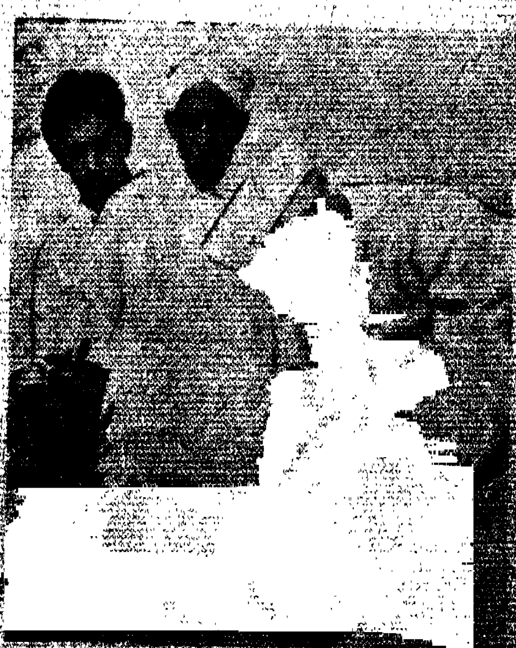
× × × ×

हमें यह देख कर अत्यन्त हर्ष हो रहा कि पयाम तालीम की उन्नति में हमारा बाल-समाज और हमारे अच्छे-अच्छे बाल-साहित्य लेखक विशेष रुचि ले रहे हैं। मैं उनका किन शब्दों में आभार प्रदर्शित करूँ यह तो मैं स्वयँ नहीं जानता। पर हाँ! इतना अवश्य जानता हूँ कि हमारे सदिओं से पिछड़े हुए बाल-समाज को संसार के दूसरे राष्ट्रों की भाँति हमें ऊँचा उठाना है। आज भारत के बाल समाज में जो

(शेष पृष्ठ १५ पर)



[illegible] के साथ मन्त्री श्री के० एम० मुन्शी 'वन महोत्सव' पर पेड़ लगा रहे हैं।



[illegible]

रजिस्टर्ड नं० डी० ४४१ अगस्त १९५०

आम तालीम

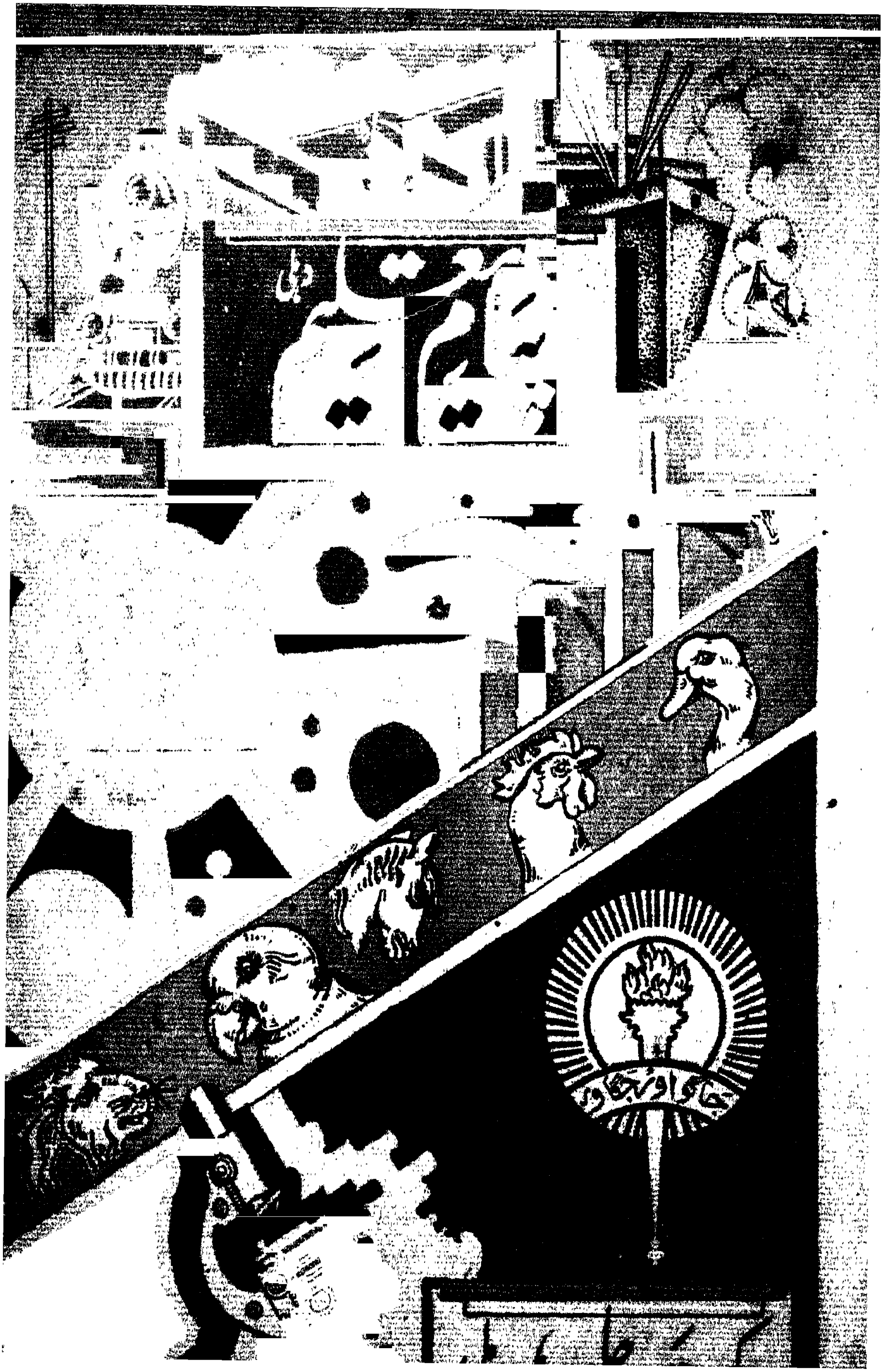


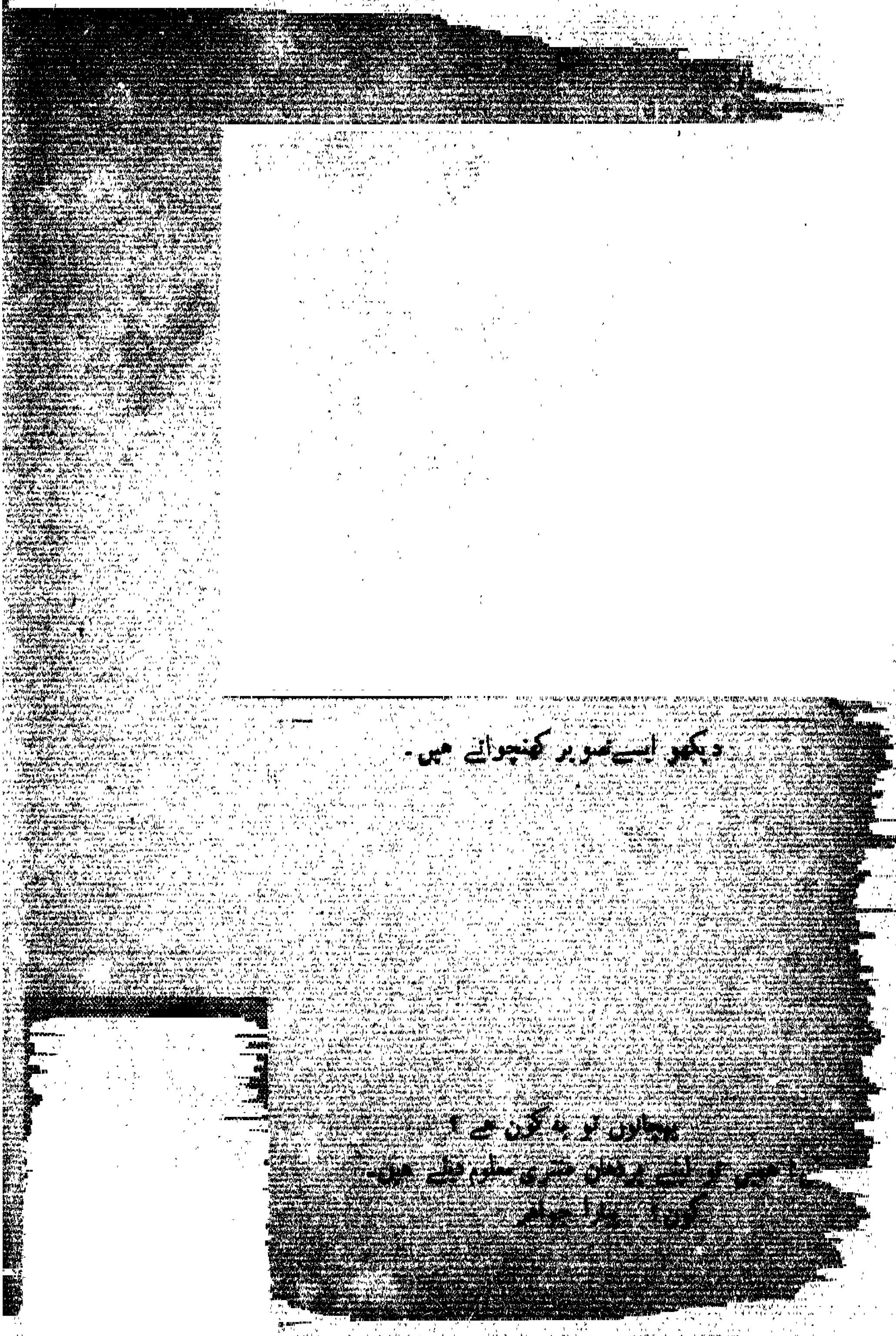
राष्ट्रपति डा० राजेन्द्र प्रसाद राजघाट पर 'वन-महोत्सव' (१ से ८ जौलाई तक) के अवसर पर पेड़ लगा रहे हैं।

मकतबा जामिआ लिमि[टेड]
डाकख़ाना जामिआनगर
देहली

एक प्रति

वार्षिक
चार आने




دیکھو ایسے تصویر کھنچواتے ہیں۔
پہچانو تو یہ کون ہے؟
ابھی تو لگتے پٹھان حضرت معلوم ہوتے ہیں۔
کون؟ پیارا جعفر

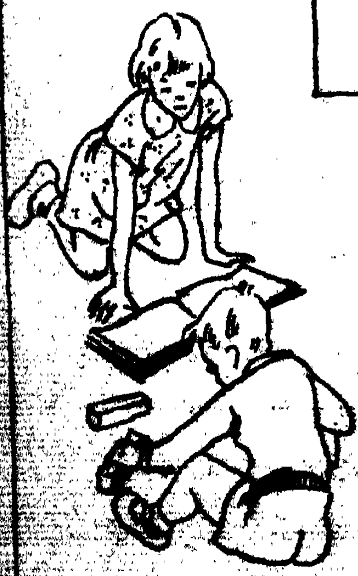
پیام تعلیم

جلد ۲۴ نمبر ۵

قیمت فی پرچہ ۶ر

" سالانہ للعمر

فہرست مضامین





بچوں سے باتیں

ایڈیٹر

بھئی ہمارے پیامیوں نے آزادی کا دن تو بڑے جوش و خروش سے منایا۔ ہمارے پاس بہت سے خط آئے ہیں بہت سی روداديں آئی ہیں۔

ان خطوں سے، روداوں سے بڑی امنگ بڑا حوصلہ اور ولولہ ٹپکتا ہے۔ ہم نے کہا تھا یہ دن یہ یادگار دن آزاد بچوں کے شایانِ شان منایا جائے۔ ہمیں بڑی خوشی ہے کہ ہماری یہ امید یہ توقع پوری ہوئی۔

اس مختصر گنجایش میں یہ سب خط اور روداديں بھلا کیسے چھپ سکتی ہیں۔ بعض روداديں بہت لمبی لمبی تھیں۔ بعض ایسی بدخط کہ ہمارے لئے ایک مغتاب بن گئی تھیں۔ اسی لئے ایک مختصر روداد شائع کی جاتی ہے۔ نمونے کے طور پر۔

ان بدخط روداوں کو دیکھ کر ہمیں خیال آیا کہ اچھا خط بھی کیسی نعمت ہے۔ ہمارے بزرگ اسی لئے خوش نویسی پر بہت زور دیا کرتے تھے۔

ہمارے پیامی بھی ذرا سی توجہ سے اپنا خط اچھا کر سکتے ہیں۔ کچھ دنوں ہاتھ روک کر لکھیں۔ اپنے یہاں کسی خوش نویس سے اصلاح لیں خوش نویسی کی کاپیوں پر مشق کریں۔ یہ عام طور پر بازار میں مل جاتی ہیں۔ ہمارے یہاں مکتبے میں بھی آسان خوش خطی کے نام سے ایک سلسلہ ہے۔ ہندوستان کے مشہور خوش نویس منشی علی محمد خاں مرحوم کی یادگار! اسے منگوا لیں۔

پچھلے پرچے کے مضمون پیامیوں کو بہت پسند آئے۔ لومڑی کی کہانی (اک ذرا سی عقل بھی) اور کوریا والا مضمون تو بچوں بڑوں سبھی نے پسند کیا۔
اس مرتبہ ہم دو کہانیاں چھاپ رہے ہیں۔ ایک تو "سردار صاحب" رام سنگھ صاحب کی بچی کہانی ایک محمود الحسن صاحب کا لکھا ہوا مزے دار قصہ۔ یہ ذرا بڑا ہے۔ اس کا باقی حصہ آیندہ پرچے میں چھپے گا جو پڑھیں وغیرہ۔ خدا کرے کہ یہ سب چیزیں تمہیں پسند آئیں۔



گنگا مہارانی

چمکتا جھلملاتا کیسا یہ چاندی سا پانی ہے
بڑی من موہنے والی یہ گنگا کی روانی ہے
سریلے گیت گاتی ہیں مچلتی، جھومتی موجیں
ذرا لے غور سے سننا بڑی میٹھی کہانی ہے
شفق کی پڑ رہی ہے اس میں سرخ پرچھائیں
دلہن پہنے ہوئے پوشاک جیسے کہ سہانی ہے
نرالی اور نئی معلوم ہوتی ہے یہ جب دیکھو
مگر صدیوں کی یہ تو جانی پہچانی پرانی ہے
نہ جانے یوں ہی بہتے بہتے اس کو کتنے جگ گزرے
یہ پردادی کی دادی اور پرنانی کی نانی ہے
مگن رہتی ہے اپنے کام میں آزاد رہتی ہے
کسی کا ڈر نہیں اس کو یہ اپنے من کی رانی ہے
یہ گر معلوم ہے اس کو کہ بس حرکت میں برکت ہے
حقیقت زندگی کی در حقیقت اس نے جانی ہے

سیدہ فرحت

[illegible] گنگا مہارانی کہتے ہیں۔

بادشاہی میں فقیری

سردار صاحب رام سنگھ
ہیڈ ماسٹر شاہ آباد

مدت ہوئی پنجاب میں کال پڑ گیا۔ اس وقت پنجاب دیس کا راجہ رنجیت سنگھ تھا۔ یہ ایک فقیر بادشاہ تھا اس کی نظر میں ہندو، مسلمان، سکھ سب ایک تھے۔

جب مہاراج نے سنا کہ کال کے کارن لوگ بھوکے مرنے لگے ہیں تو انھوں نے جگہ جگہ ڈپو کھول دئے۔ جہاں ہر روز ہزاروں من گیہوں لوگوں میں مفت تقسیم ہوتا رہا۔

لاہور کے پاس ہی ایک چھوٹا سا گاؤں تھا اسے اب مزنگ کہتے ہیں۔ آج کل مزنگ لاہور کا حصہ بن گیا ہے۔ مگر ان دنوں شاہی قلعے سے کوئی دو ڈھائی میل کے فاصلہ پر تھا وہاں ایک غریب بڈھا دھوبی رہتا تھا۔ گو دن بھر کام کرتا لیکن کال کے کارن گذر کٹھن ہو گیا تھا۔ کسی نے دھوبی سے کہا کہ سرکار کی طرف سے ڈپو میں ہر ایک کو مفت گیہوں مل رہا ہے۔ یہ سن کر دھوبی کی خوشی کا ٹھکانہ نہ رہا۔ شاہی قلعے کی طرف چل دیا۔

شام کا سماں تھا۔ کارندے سارے دن کے تھکے ڈپو بند کر رہے تھے کہ بڈھا دھوبی آ دھمکا۔ پہلے تو انھوں نے گیہوں دینے سے انکار کر دیا۔ مگر بڈھے کی منت سماجت پر وہ پسیج گئے۔ دھوبی تھا لالچی۔ اس نے اپنے بہت سے بچے بتلائے۔ اور اس حساب سے گیہوں لے لئے۔ کارندے چل دئے مگر بڈھا بیٹھا رہا۔ گیہوں کا بوجھ اتنا ہو گیا تھا کہ وہ اٹھا نہیں سکتا تھا۔

اتنے میں اندھیرا ہو گیا۔ مہاراج رعایا کی دیکھ بھال کے لئے بھیس بدل کر نکل پڑے ڈپو کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ ایک بڈھا بیٹھا ہے اور سامنے گٹھری پڑی ہے۔ پوچھا "بابا کیا بات ہے۔ سڑک پر بیٹھے ہو؟"

بڈھا: سردار جی! یہ گیہوں سرکار نے تو دے دئے۔ مگر مجھے اسے اٹھا کر گھر لے جانے کی ہمت نہیں"

مہاراج: "کہاں جانا ہے؟"

دھوبی ...

مہاراج :- "امر! میں تمہارا گیہوں مرنگ پہنچا دوں گا۔"

یہ سن کر بڈھے کی خوشی سے باچھیں کھل گئیں۔ سمجھا خدا نے غیب سے کوئی فرشتہ بھیجا ہے۔

خدا کا شکر ادا کیا اور کہا "بہت اچھا"

مہاراج نے گیہوں کی گٹھری سر پر اٹھائی اور بڈھے کے ساتھ مرنگ کی طرف روانہ ہو گئے۔

گھر پہنچ کر دھوبی نے گیہوں بیوی کو دئیے بچے بھوک سے بلک رہے تھے بیوی نے کہا بھلا ہو مہاراج کا جنھوں نے ہم کو موت کے منہ سے نکال لیا ہے۔

یہ سن کر مہاراج کا دل خوش ہو گیا۔

اب تک نہ دھوبی کو اور نہ دھوبن کو معلوم تھا کہ ان کے گیہوں لانے والا کون ہے لیکن مزدور نے اجرت لینے سے انکار کر دیا۔

دھوبی نے پوچھا "کیوں؟"

مزدور بولا :- "مجھے اجرت مل گئی۔"

... گئی رہے"

مہاراج مسکرا دیئے اور چلنے کو تھے کہ ایک پولیس افسر گشت کرتا ہوا ادھر آنکلا اور دھوبن اور دھوبی کو ایک سکھ سے نکلا کرتے دیکھ کر ان کے سامنے آگیا۔ روشنی میں دیکھا تو خود "سرکار" موجود تھے

افسر نے جھٹ ہاتھ جوڑ دیئے۔

دھوبی ہکا بکا رہ گیا۔ دھوبن نے بھی ہاتھ جوڑ دئیے۔

افسر نے کہا "سرکار ہیں"

دھوبی "سرکار"!!!

ہاں آپ سرکار

دھوبی کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔

دھوبن پاؤں پر گر پڑی۔ مہاراج نے کہا

مہاراج :- بابا میں تو آپ لوگوں کا بھوک ہوں سیوک۔

اتنے میں محلے کے لوگ اکٹھے ہو گئے اور نعرے لگانے لگے۔

"مہاراج زندہ باد"

"مہاراج زندہ باد"

پانی کا پھیرا

ماسٹر منیر الحسن جامعہ نگر دہلی

(جو پانی ہم ندی تالاب جھیل وغیرہ میں دیکھتے ہیں وہی بادل بن کر آسمان میں دکھائی دیتا ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی شکلیں اختیار کرلیتا ہے اور پھر گھوم پھر کر اپنی اصلی حالت پر آجاتا ہے۔ اس چھوٹے سے دل چسپ مضمون میں یہی بات بتلانے اور سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ پیام)

پھیرا سب کے پیچھے لگا ہے۔ اپنے چھوٹے موٹے ننھے منے پیارے بہن بھائیوں کو دیکھئے کھیل کود کر گھوم پھر کر جہاں سے جاتے ہیں وہیں پہنچ جاتے ہیں۔ یہی نہیں، ہمارے جسم کا خون بھی پھیرے ہی لگایا کرتا ہے۔ ہماری یہ زمین چاروں طرف گھوما کرتی ہے اور کہاں تک کہا جائے یہ ساری دنیا برابر پھیرے لگا رہی ہے۔ آج میں آپ کو پانی کے پھیرے کا حال بتاتا ہوں۔

سمندر ہی پانی کا گھر مانا جاتا ہے۔ پانی سمندر سے باہر ادھر ادھر گھوم پھر کر اسی میں آجاتا ہے کیسے؟ سنو!

جب کوئی کپڑا دھوپ میں سکھایا جاتا ہے تو اس کا پانی دھیرے دھیرے اڑ جاتا ہے اور بالکل سوکھ جاتا ہے۔ یہ پانی کہاں چلا جاتا ہے؟ دوسری شکل میں بدل کر ہوا میں مل جاتا ہے۔ وہ بالکل ہوا کی طرح ہوتا ہے اس وقت ہم اسے "بھاپ" کہتے ہیں گرمی کے دنوں میں سمندر کا بہت سا پانی بھاپ بن جاتا ہے۔

بھاپ دھیرے دھیرے اتنی زیادہ بن جاتی ہے اور ہوا میں اتنی زیادہ بھر جاتی ہے کہ ہوا کی سب گرمی دھیرے دھیرے دور ہو جاتی ہے۔ اس سے کچھ تو ہوا کے زیادہ گرم نہ رہنے کی وجہ سے اور کچھ اپنے زیادہ اوپر اٹھ جانے کی وجہ سے بھاپ پھر کچھ پانی یا برف کی شکل میں بدل جاتی ہے۔ اس طرح بھاپ جب ہوا میں بہت بھر جاتی ہے اس

وقت اوپر کی طرف اس کا ایک بڑا جھنڈ سا بن جاتا ہے۔ بھاپ کا یہی جھنڈ یا گچھا بادل کہلانے لگتا ہے۔

بادل جب تک بھاری نہیں ہوتے تب تک ہوا ان کو اوپر اٹھائے رہتی ہے لیکن جب وہ بہت بھاری ہو جاتے ہیں تب نیچے گرنے لگتے ہیں۔ گرتے گرتے زمین کے پاس آکر پانی یا بوندوں کی شکل میں بدل جاتے ہیں۔

زمین پر گرا ہوا پانی کچھ تو بھاپ بن کر پھر اڑ جاتا ہے۔ کچھ زمین جذب کر لیتی ہے اور کچھ نالی، نالے، ندیوں اور دریاؤں کے راستے سمندر میں مل جاتا ہے جو بھاپ بنتا ہے وہ پھر بادل بن کر برس جاتا ہے۔ زمین میں جو پانی جذب ہو جاتا ہے وہ بھی کسی نہ کسی طرح گھوم پھر کر سمندر کی ہی طرف چلا جاتا ہے۔ اس سمجھنے کے لئے یہ بات دھیان میں رکھنی چاہئے کہ زمین کے اندر ہی اندر پانی کی کئی نالیاں بہا کرتی ہیں۔ انہی نالیوں سے ہو کر پانی ہمیشہ بہتا رہتا ہے۔ جب ہم زمین کھودتے ہیں تب کچھ دور پر پانی ہمیں ملنے لگتا ہے۔ یہ پانی اور کچھ نہیں ان نالیوں ہی کا بہتا ہوا پانی ہے۔ یہی نالیاں جھرنوں اور کنوؤں یا جھیلوں کی شکل میں ہمیں دکھائی دیتا ہے۔ گھوم پھر کر یہ بھی سمندر ہی میں پہنچ جاتی ہیں۔

جس کو کہرا کہتے ہیں وہ اور کچھ نہیں صرف پاس کا بادل ہے اور بادل کیا ہے؟ یہ ہم پہلے ہی بتا چکے ہیں۔ اوس بھی کچھ نہیں، بھاپ کی دوسری شکل ہے۔ دن میں گرمی کی وجہ سے وہ بھاپ بنی رہتی ہے اور رات میں سردی پاکر دھیرے دھیرے پانی بننے لگتی ہے اور صبح کے وقت جب ہم گھاس، پیڑوں کے پتے اور پودوں پر پانی کے جو قطرے جمے ہوئے دیکھتے ہیں تو انہیں اوس کہنے لگتے ہیں۔

چنانچہ کہرا، پالا، اوس، بادل وغیرہ سب کے سب بھاپ کی دوسری شکلیں ہیں۔ بھاپ ہی ان سب کو بناتی ہے اور یہ سب بھی یا تو پھر سے بھاپ بنتے ہیں یا اور کئی راستوں سے آکر سمندر میں مل جاتے ہیں۔ کہو دیکھا تم نے پانی کا پھیرا۔

ترجمہ

دیکھئے۔ منیجر کو خط لکھئے تو نمبر خریداری ضرور لکھئے

اور

ایڈیٹر کو خط لکھئے تو اپنا پورا پتہ ضرور لکھئے

ہماری سرکار

من موہن گپت

راجیوں کی حکومتیں :-

ہندوستان کے کئی حصے ہیں۔ انہیں راجیہ یا ریاست کہتے ہیں۔ ہندوستان ان راجیوں کا سنگھ ہے۔ ان کی تین قسمیں ہیں۔

کچھ تو وہ جو پہلے پرانت یا صوبہ کہلاتے تھے۔ ان کے نام یہ ہیں۔ اتر پردیش (یوپی) (۲) مدراس (۳) بمبئی (۴) بہار (۵) مغربی بنگال (۶) مدھیا پردیش (۷) اڑیسہ (۸) پنجاب (۹) آسام

ہر ایک راجیہ میں ایک راجیہ پال یا گورنر ہوتا ہے۔ اسے راشٹرپتی (ہندوستانی جمہوریت کا صدر) منتخب کرتا ہے۔ راجیہ پال یا گورنر پانچ سال تک اپنے عہدہ پر رہتا ہے۔

دوسری قسم کے راجیے گنتی میں سات ہیں ان کے نام یہ ہیں (۱) حیدرآباد (۲) راجستھان (۳) ٹراونکور کوچین (۴) میسور (۵) مدھیا بھارت (۶) سوراشٹر (۷) پٹیالہ اور مشرقی پنجاب راجیہ سنگھ ان میں کئی نام تمہیں نئے معلوم ہوں گے

وجہ یہ ہے کہ کچھ سال پہلے بھارت ہندوستان میں ریاستیں یا رجواڑے تھے۔ یہ چھوٹے بڑے لگ بھگ کوئی ساڑھے پانچ سو تھے۔ راجہ یا نواب ان پر حکومت کرتے تھے۔ اب ان میں سے کئی کئی راجیے ملا کر بڑے بڑے راجیے بنا دئے گئے ہیں۔ اور انہی راجوں میں سے ایک ایک راجیہ کا راج پرمکھ بنا دیا گیا ہے۔ راج پرمکھ کا بھی وہی کام ہوتا ہے۔ جو راجیہ پال یعنی گورنر کا ہوتا ہے۔ فرق بس اتنا ہے کہ راج پرمکھ راج پال یا گورنر کی طرح بدلا نہیں جاتا۔

تیسری قسم کے ایسے گنتی میں دس ہیں۔ (۱) وندھیا پردیش (۲) دلی (۳) ہماچل پردیش (۴) بھوپال (۵) اجمیر (۶) تریپورا (۷) کچھ (۸) منی پور (۹) کورگ (۱۰) بلاس پور۔

یہ راجیے بہت چھوٹے ہیں یہاں کا انتظام چلانے کے لئے راشٹرپتی ہر ایک راجیہ میں ایک چیف کمشنر یا اپ راج پال (چھوٹا راج پال)

یا چھوٹا گورنر منتخب کرتا ہے۔ یہ حاکم بھارت کی سرکار کی صلاح اور مشورہ کے مطابق اس چھوٹے راجیہ کی حکومت چلاتا ہے۔ جیسے ان تیسری قسم کے راجیوں کا انتظام بھارت سرکار کی صلاح سے چلتا ہے۔ ایسے ہی بڑے راجیوں میں راجیہ پال یا راج پرمکھ تو ضرور ہوتا ہے۔ لیکن وہاں کا انتظام بھارت سرکار یعنی سنگھ سرکار کی صلاح سے نہیں چلتا۔ وہاں ہر ایک راجیہ میں ایک راجیہ سرکار بھی ہوتی ہے

(۲) راجیہ سرکاروں کے کام

اب تم پوچھو گے۔ کہ سارے بھارت کی ایک بھارت سرکار ہوتے ہوئے اور راجیوں میں الگ الگ راجیہ سرکار کی کیا ضرورت ہے۔ اور ان کے کاموں میں کیا فرق ہے۔ اصل میں بھارت سرکار اور ریاستوں کی سرکار کے کام الگ الگ ہیں

بھارت سرکار تمام بھارت میں ریلوں، ڈاک تار، ٹیلی فون۔ وغیرہ بہت سی چیزوں کا انتظام کرتی ہے۔ بھارت کی حفاظت کے لئے فوج کا انتظام کرتی ہے۔ دوسرے ملکوں کے ساتھ تعلقات قائم کرتی ہے۔ ان کاموں کو سنگھیا ورشیہ (وہ کام جو صرف سنگھ کے ماتحت ہوں) کہتے ہیں راجیہ سرکاریں ان کاموں کے سلسلے میں کچھ نہیں کر سکتیں۔

لیکن کئی اور کام ہیں۔ جو بڑے بڑے راجیوں کی سرکاریں اپنے راجیے میں آپ چلاتی ہیں۔ ان میں خاص کام راجیہ میں امن رکھنے کا ہے۔ جس کے لئے راجیہ کی سرکار پولیس کا انتظام کرتی ہے۔ اسی طرح راجیہ سرکار تعلیم کا انتظام تندرستی کا انتظام اور زمینوں کا انتظام بھی کرتی ہے۔ وہ ان کاموں کو راجیہ کے وشیہ کام کہتے ہیں۔ جو دستور کی راجیہ فہرست میں دیئے گئے ہیں۔

(۳) دستور ساز مجلس

اب تم پوچھو گے۔ کہ بھارت سرکار کے لئے تو ایک چنی ہوئی لوک سبھا (مجلس عوام) ہوتی ہے۔ ایک راج پریشد ہوتی ہے۔ اور منتری منڈل ہوتا ہے۔ کیا راجیوں میں بھی ایسی ہی چنی ہوئی مجلس ہوتی ہے؟ اور منتری منڈل ہوتا ہے؟ ہاں وہاں بھی عوام ہی کی حکومت ہوتی ہے۔ لوک سبھا کی طرح ہر ایک راجیہ میں ایک ودھان سبھا (دستور ساز مجلس) ہوتی ہے۔ یہ لوک سبھا کی طرح چنی جاتی ہے۔ اکیس سال کی عمر کا ہر ایک شہری اس چناؤ میں حصہ لے سکتا ہے یہ ودھان سبھا پانچ سال کے لئے چنی جاتی ہے۔ اور اپنے راجیے کے لئے قوانین بناتی ہو ودھان سبھاؤں میں کتنے ممبر ہوتے ہیں؟

تم جانتے ہو۔ کہ سب راجیے برابر نہیں۔ اس لئے سب کی ودھان سبھائیں بھی برابر نہیں۔ اتر پردیش کی آبادی چھ کروڑ سے بھی زیادہ ہے۔ اس لئے وہاں کی ودھان سبھا میں ۴۳۰ ممبر ہوتے ہیں۔ بمبئی راجیہ کی آبادی سوا تین کروڑ ہے۔ وہاں کے ودھان میں اس سے بہت کم ممبر ( ) ہوتے ہیں۔ دستور میں لکھا ہے کہ کسی ودھان سبھا میں ساٹھ سے کم اور پانچ سو سے زیادہ ممبر نہیں ہوں گے۔

ودھان سبھا میں جس آدمی کے پیچھے سب سے زیادہ ممبر ہوتے ہیں۔ راجیہ پال (گورنر) راج پرمکھ اسے بڑا وزیر یا مکھیہ منتری بنا دیتا ہے وہ اپنی منتری پریشد بناتا ہے۔ جسے راج کا منتری منڈل یا راجیہ سرکار ہی کہتے ہیں۔ راجیہ میں بڑے وزیر کا وہی رتبہ ہوتا ہے۔ جو سنگھ سرکار میں وزیر اعظم کا ہوتا ہے۔ وہ ودھان سبھا کے سامنے ذمہ دار ہوتا ہے۔ ودھان سبھا وزیروں کو بدل سکتی ہے۔ راجیہ پال یا راج پرمکھ راجیہ سرکار اور بھارت سرکار کے درمیان کڑی کی طرح ہوتا ہے۔ راجیہ سرکار کا سب نظام اسی کے نام سے چلتا ہے

۱۵ اگست

۱۵ اگست آنے کی خوشی میں ہمارا دل پھولا نہ سما رہا تھا۔ اسی مبارک دن ہمارا دیش آزاد ہوا تھا۔ اور ہم نے غلامی کا جوا اتار پھینکا تھا۔ دو تین روز قبل ہی سے ہم نے اس کے لئے تیاریاں شروع کر دی تھیں۔ بازار سے مختلف رنگین کاغذ لے آئے ان رنگین کاغذوں سے شاندار خوبصورت جھنڈے اور خوشنما ہری، لال، نیلی، نارنگی، آسمانی اور دھانی بیلیں بنا رکھی تھیں ۱۵ اگست کو جیوں ہی صبح صادق کا ظہور ہوا۔ ہمارا دل بلیوں اچھلنے لگا۔ سچ جانئے اس وقت تو میں جامے سے باہر ہو رہا تھا بہرکیف پروگرام کے مطابق میں اپنے بچوں کی برادری کے ساتھ پربھات پھیری میں گیا۔ پربھات پھیری سے صبح ۸ بجے اپنے گھر واپس آیا۔ اور آتے ہی اپنے گھر کو سجانے میں منہمک ہو گیا۔ کپڑے کا ایک بڑا شاندار ترنگا جھنڈا مکان کی اونچی جگہ پر نصب کر دیا تھا۔ اور کاغذی جھنڈیوں اور رنگین بیلوں سے پورے مکان کو گلزار بنا ڈالا تھا

سارا دن یوں ہی رنگ رلیوں میں گزر گیا۔

انور انصاری ڈیرو ی بچوں کی برادری گیا۔

حُسنہ کی مُرغی

ماسٹر محمود الحسن مسلم یونیورسٹی علی گڈھ

ہرے بھرے کھیتوں اور باغوں کے پاس ایک گاؤں ہے۔ اِس کے بیچوں بیچ ایک گھر اس گھر میں نیم کا پیڑ ہے۔ یہ پیڑ حسنہ کا ہے۔ حسنہ اپنی آپا اور امّی کے ساتھ رہتی ہے۔ اِس کے ابّا اور چچا میاں پڑھنے کے لئے کہیں دور گئے ہوئے تھے۔ حسنہ گھر میں بس اکیلی تھی۔ اس کا جی بچوں میں کھیلنے کو للچاتا۔ لیکن اِس کے کوئی بھائی نہ تھا۔ کس کے ساتھ کھیلتی۔ اس کی امّی محلّہ کے بچوں میں اسے کھیلنے نہ دیتیں ہاں جب وہ اپنی نانی کے یہاں چلی جاتی۔ تو بہت خوش ہوتی۔ یہاں اس کو اپنی خالہ اور ماموں کے ساتھ خوب کھیلنے کو ملتا۔ جو بس اس سے ذرا ہی کچھ بڑے ہوں گے۔ نانا اور نانی بھی اس کو خوب پیار کرتے۔

حُسنہ کا گھر سُونا سُونا سا تھا۔ حسنہ کی آپا نے مُرغیاں پال رکھی تھیں۔ جو تمام دن اِدھر اُدھر پھرا کرتیں۔ ایک دن ایک آدمی بڑے سے چھبڑے میں بہت سی مرغیاں بیچنے کے لئے لایا

اُس نے آواز لگائی۔ تو حسنہ دروازے پر گئی۔ اور کھڑی ہوگئی۔ بھنگی سمجھا کہ شاید اس گھر میں کوئی مرغیاں لے گا۔ اُس نے چھبڑا اُتارا اور بیٹھ گیا۔ حُسنہ نے چھبڑے میں کچھ پچھر مرغیاں دیکھیں تو بھاگتی اندر گئی۔ اور کہا کہ آپا! مرغیاں! حُسنہ کی آپا نے ایک سفید سی خوبصورت سی مرغی لے لی۔ جب اس مرغی کو گھر میں لائے۔ تو وہ چاروں طرف دیکھنے لگی اُداس اُداس غمگین سی نہ جانے کیوں؟ حُسنہ کی آپا نے اِس کو دانہ ڈالا۔ اس نے نہیں کھایا۔ حُسنہ نے پیالے میں پانی لاکر رکھا۔ اس نے وہ بھی نہ پیا۔ وہ سُست تھی شاید اِس لئے کہ نئی جگہ آئی تھی نیم کی جڑ پر اُداس سی بیٹھی رہتی۔ پر ایک دو دن میں اِس کا جی لگ گیا۔ تو دانہ بھی کھایا۔ پانی بھی پیا۔ اور چلی پھری بھی۔ لیکن اور مرغیاں اِس کو بہت ستاتیں

حسنہ کی ماں دانہ ڈالتی تو اور مُرغیاں بھاگ کر آجاتیں۔ یہ دانہ اُٹھاتی تو اِس کو مارتیں۔ یہ بچاری بھاگ کر دُور جا کھڑی ہوتی۔ حسنہ مٹھی میں دانے لے کر اس کے پاس جاتی اور دانے ڈالتی تو مُرغیاں بھاگ کر پھر اس کے پاس پہنچ جاتیں۔

پھر تو ایسا ہوا۔ کہ جب ساری مرغیاں اِدھر اُدھر گھورے پہ پھرنے چلنے چلی جاتیں تو حسنہ اکیلے میں اِس مُرغی کو دانہ ڈالتی، تیج تیج کر کے بلاتی۔ وہ دانہ کھا کر پانی پی کر دوڑ لگاتی۔ حسنہ خوش ہوتی۔ پھر تو وہ حسنہ سے ہل گئی۔ اور حسنہ کی مرغی مشہور ہو گئی۔ جہاں حسنہ جاتی۔ اس کے پاس ہی جا کر بیٹھتی۔ اگر حسنہ صحن میں جاتی۔ تو مرغی بھی ساتھ جاتی۔ حسنہ سہ دری میں پہنچی تو یہ بھی ساتھ ہو لیتی۔ اگر حسنہ چارپائی پر بیٹھتی۔ تو یہ بھی اس کے قریب پر پھیلا کر بیٹھ جاتی۔ جب حسنہ پر اور زیادہ پیار آتا تو چارپائی کی پٹی پر بیٹھ جاتی۔ بعض دفعہ حسنہ کے کپڑوں پر بیٹ کر دیتی۔ تو حسنہ خفا بھی ہو جاتی اور اسے ایک پتلی سی سنٹی سے بنکا کر دور کراتی۔ وہ تھوڑی دیر میں پھر آجاتی۔ حسنہ غصہ میں ہوتی تو کہتی کہ تو نے میرے کپڑے خراب کر دئے۔ میں تجھے اب نہ دانا ڈالوں گی۔ نہ پانی رکھوں گی۔ مرغی خدا جانے حسنہ کی بات سمجھ جاتی۔ یا وہ یہ جان لیتی کہ حسنہ اِس وقت غصہ ہے بار بار اس کے پاس آتی۔ جیسے معافی مانگ رہی ہو۔ حسنہ کو ترس آ جاتا۔ دانہ بھی ڈالتی اور پانی بھی رکھتی۔ حسنہ روٹی کھاتی تو یہ بھی اِس کے پاس جا کھڑی ہوتی۔ کہ اچھی! مجھے بھی تو کھلاؤ۔ حسنہ روٹی میں سے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے توڑ کر اس کے سامنے ڈالتی وہ بھاگ بھاگ کر اُن ٹکڑوں کو اُٹھاتی۔ جلدی جلدی کھا لیتی۔ جب حسنہ اپنے کھانے میں لگ جاتی۔ اور اس کو نہ ڈال پاتی۔ مُرغی کا جی للچاتا۔ اور چھیڑنے کے لئے وہ حسنہ کے ہاتھ سے نوالہ چھین کر مٹکتی ہوئی بھاگ جاتی۔ اور دور جا کر کھانے لگتی۔ حسنہ کو پھر غصہ آ جاتا۔ دل میں کہتی اچھا اب آئیو! میرے پاس میں اب چٹنی برابر تجھ کو روٹی نہ ڈالوں گی۔

جب حسنہ کا غصہ دُور ہو جاتا۔ اور جی گھبراتا تو مُرغی کے ساتھ کھیلتی اس کی دم پکڑ لیتی۔ وہ بھی آپا سے شکایت کر دیتی۔ غیں! غیں!! غیں!!! دیکھو آپا حسنہ نہیں مانتی۔ حسنہ اِس کو گود میں اُٹھا لیتی

بچوں کی کوششیں

دہلی سے قسطنطنیہ

خورشید جمال قدوائی

۲۴ مئی کی صبح کو کوئی ۱۱ بجے ہم لوگ پان امریکن کمپنی کے ہوائی جہاز سے ٹرکی روانہ ہوئے۔ کراچی کے ہوائی اڈے پر والد کے دوست ہم لوگوں کا انتظار کر رہے تھے ان سے ملاقات ہوئی۔ پھر ایک کمرہ میں بٹھایا گیا۔ یہاں ہمارے پاسپورٹ دیکھے گئے۔ کھانا وغیرہ کھایا۔ اپنے کچھ دوستوں کو ٹیلفون کیا۔ میں اُن کا انتظار ہی کر رہا تھا کہ جہاز کے روانہ ہونے کا وقت آگیا۔ بہت افسوس ہوا۔ وہ بے چارے آتے ہوں گے۔ اور ناکام لوٹ گئے ہوں گے۔

بصرہ اور دمشق میں ٹھہرتے ہوئے تین بجے رات کو ہم استنبول پہنچے۔ ہوائی اڈے سے گھر تک کچھ نظر نہ آیا۔ اندھیرا جو تھا۔

ہمارا مکان سمندر کے کنارے بہت خوبصورت جگہ پر ہے۔ ایک طرف پورا شہر دوسری طرف ہرا ہرا سمندر دکھائی دیتا ہے

شام کو بس پانی کے ایک چھوٹے سے اسٹیمر پر بیٹھ کر ریلوے اسٹیشن گیا۔ ہندوستان کے سیفر مسٹر جہانقرہ یا انگورہ جا رہے تھے۔ ہم سے ملاقات ہوئی۔ یہاں ایک خاص بات ہے۔ کہ ریلیں زمین کے اندر بھی چلتی ہیں۔ سب سے دلچسپ چیز یہ ہے۔ کہ اندر جو ٹرینیں چلتی ہیں۔ اُن کے لئے زمین کے اندر جانے کا راستہ ہوتا ہے۔ اندر کی ریلیں بجلی سے چلتی ہیں۔ یوروپ میں عام طور پر اور کہیں کہیں ایشیا میں بھی ایسی زمین دوز ریلیں چلتی ہیں۔ ایک دفعہ میں بھی اس پر بیٹھا بڑا مزا آیا۔

دلی میں پکنک اور سیر کی جگہ اوکھلا ہے یا قطب صاحب یہاں بہت سی جگہیں ہیں اور بہت خوبصورت ہیں۔ ہر اتوار کو پکنک کے لئے جاتا ہوں۔

سمندر یہاں دو ہیں۔ ایک مرمرا دوسرا باسفورس۔ باسفورس کا پانی برف کی طرح ٹھنڈا مرمرا کا وکھلے کی نہر جیسا۔

ترکی مسلمانوں کا ملک ہے۔ حکومت بھی مسلمانوں کی۔ مگر یوروپ کا لباس پہنا جاتا ہے۔ یوروپ کی تہذیب کا سکہ چلتا ہے۔ رہن سہن بھی یوروپ کے انداز کے۔ لوگ بہت فیشن پرست ہیں۔ عورتوں، مردوں بچوں سب کا ایک حال ہے۔ کوئی کرتا پاجامہ پہن کر باہر نکل جائے۔ تو اس کا مذاق اڑاتے ہیں اسے وہ سلیپنگ سوٹ کہتے ہیں۔

ابھی میں نے بہت کم چیزیں دیکھی ہیں باقی پھر لکھوں گا۔

بے موقعہ بات:- حسان غنی جوروی

ایک جگہ کوئی بھکارن رہتی تھی۔ وہ جہاں کہیں بھیک مانگنے جاتی خوش ہو جاؤ کا نعرہ لگاتی۔ ایک دن کہیں موت ہو گئی۔ میت نہلا دھلا کر آنگن میں رکھی گئی تھی۔ اتنے میں یہی بھکارن ادھر آنکلی۔ اور دروازے میں گھسنے سے پہلے ہی نعرہ لگایا۔ خوش ہو جاؤ۔ گھر میں گھسی۔ تو جنازے پر نظر پڑی۔ نہ جانے کتنی آنکھیں اسے غصے سے دیکھ رہی تھیں۔ اور اس کا یہ حال کہ کاٹو تو لہو نہیں بدن میں۔ الٹے پاؤں بھاگی۔ اس دن سے اس نے نعرہ بدل دیا اب وہ کہتی ہے "سکھ سے کھاؤ سکھ سے رہو لیں نے اس بھکارن کو دیکھا ہے۔

لطیفے:

اسلم: کہئے آپ کے بال بچے کیسے ہیں۔
سلیم: بال تو سر پر دیکھ لیجئے۔ بچے گھر پر کھیل کود رہے ہیں۔

ایک شخص: کیا آپ مسافر ہیں۔
مسافر: جی نہیں انسان ہوں، دہلی سے آیا ہوں

استاد: فعل کی تعریف کرو
لڑکا: لڑکا امتحان میں فعل ہو جائے اسے فعل کہتے ہیں۔　　محمد اظہر اشرادی

استاد: ایک بے وقوف ایسے سوال پوچھ سکتا ہے۔ جس کا جواب عقل مند بھی نہیں دے سکتے
موہن: یہی تو بات ہے۔ جو میں امتحان میں فیل ہو گیا۔　　محمد احمد بنارس

مجسٹریٹ: ارے تم روتے کیوں ہو۔
ملزم: میں نے کبھی جیل خانہ نہیں دیکھا حضور!
مجسٹریٹ: اوہو تو گھبرانے کی کیا بات ہے۔ ابھی دکھائے دیتے ہیں۔　　محمد نسیم رائے بریلی

باپ: (غصے میں) الو کے پٹھے۔
بیٹا: ابا جان کیا آپ سچ کہہ رہے ہیں۔
نذیر الدین سیالکوٹ

اِدھر اُدھر سے

مشین کا ہاتھی

انگلستان میں ایک مقام ہے ۔ ایکس وہاں بازاروں میں ایک ہاتھی چلتا پھرتا دکھا دیا۔ اِس پر تمہارے آٹھ ساتھی یعنی بچے بیٹھے تھے ۔ ایک مہاوت بیٹھا تھا۔ لوگ اس ہاتھی کو دیکھ کر حیران اور ششدر رہتے ۔ نہ جانے کیوں ہمارے ہاں تو روز مرّہ ہاتھی اِدھر سے اُدھر آتے جاتے رہتے ہیں کوئی آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتا ۔ بات ایک اور تھی ۔ یہ سچ مچ کا ہاتھی نہیں تھا۔ مشینی ہاتھی تھا ۔ بارہ فٹ لمبا آٹھ فٹ چوڑا وزن ایک ٹن سے زیادہ اِس میں آٹھ گھوڑوں کی طاقت کا ایک انجن لگا ہوا ہے۔ چاروں ہاتھ پاؤں مشین کے ذریعے جڑے ہوئے ہیں جس وقت چلتا ہے تو بالکل سچ مچ کا ہاتھی لگتا ہے ۔ اور بھی ایک گھنٹے میں بیس میل چل لیتا ہے ۔ قیمت بھی سن لو سولہ ہزار روپے بچوں کو اس سواری میں خوب مزا آیا ۔

اس کا موجد اب ایسا ہاتھی بنانے کی فکر میں ہے ۔ جو پانی میں بھی تیر سکے ۔

انگلستان کے مختلف اسکولوں میں تین ہزار سے زیادہ بچوں کا ایک نئے طریقے سے علاج کیا جانے والا ہے ۔ اِس سے دانت خراب ہونے نہیں پاتے ۔ دانتوں پر ایک خاص دوا لگائی جاتی ہے اور بس یہ تجربہ کئی سال جاری رہے گا ۔

ایک انگریز کمپنی نے ایسے ریکارڈ تیار کئے ہیں ۔ جو چھوٹے بچوں کو جنم دن کے موقع پر تحفے میں دئے جا سکتے ہیں ۔ ریکارڈ کے ایک طرف مبارکباد کا گیت ہے دوسری طرف ایسے گیت ہیں ۔ جو اس عمر کے بچوں کو اچھے لگتے ہیں ۔ ریکارڈ خوبصورت لفافوں میں لپٹے ہوتے ہیں ۔

سائنس دان ایک ایسے آلہ کی ایجاد کی فکر میں ہیں ۔ جو مچھیروں یا ماہی گیروں کو یہ بتائے گا ۔ کہ سمندر کے گہرے پانی میں مچھلیاں کس جگہ ہیں ۔ اور کس قسم کی مچھلیاں ہیں ۔



چڑیا اور بلی

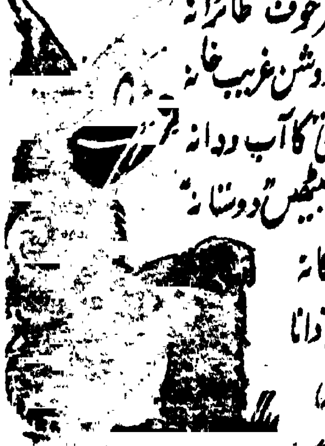
از ابوسلم اعظمی

اک ننھی لال چڑیا، فرزانہ خوش ترانہ ڈالی پہ اک شجر کی ہے جس کا آشیانہ
مسکن میں اپنے بیٹھی وقت سحر خوشی سے شکر و سلامتی کا گاتی ہے وہ ترانہ

نیچے سے ایک بلی، مسکین متیں صورت — للچائی جس کی نظریں ہیں سوئے آشیانہ
پہنچے تو کیسے پہنچے وہ شاخ آشیاں تک — پرواز سے ہے قاصر بے پر ہے اس کا شانہ
باتوں سے اپنی لیکن لاسہ لگا رہی ہے — انداز ساحرانہ ہے چال شاطرانہ
چٹخارہ لیکے بولی "میں بھگت ہو چکی ہوں — بالائی پر گذر ہے روزانہ اور شبانہ
جو ہے نثار مجھ پر چوہیاں مری فدائی — میری میاؤں سے اب ڈرتا نہیں زمانہ
بھڑکو نہ تم بھی مجھ سے اے پیاری لال چڑیا — دل سے نکال دو تم ہر خوف طائرانہ
بام فلک سے اڑ کر فرش زمیں پہ آؤ — اے کاش ہو قدم سے روشن غریب خانہ
طرفہ مزہ چکھاؤں، لذت میں کم نہیں ہے — آکاش کی ہوا سے دھرتی کا آب ودانہ
تم آسماں کی کہنا، سننا زمیں کی مجھ سے — گذرے گی خوب آؤ مل بیٹھیں "دوستانہ"

اے میری خالہ بلی اڑتی ہو تم مجھی سے — ہنس کر یہ بولی چڑیا با نطق زیرکانہ
پھندے میں تیرے آئے الو وہ کوئی ہوگا — دام اور دم میں تیرے مشکل ہے کوئی دانا

(ترجمہ)



मनुष्य के जीवित रहने की औसतन आयु

देश	स्त्री (वर्ष)	पुरुष (वर्ष)
अमरीका	६५	६१
इग्लैण्ड	६४	६०
फ्रांस	५६	५४
जर्मनी	६३	६०
रूस	४६	४२
भारत	२६३	२७
चीन	३५	३५
इटली	५६	५४

मुस्कान

(एक लड़के के गाली दे देने पर)

मास्टर—लड़को अब जो भी गाली दे उसे दस छड़ियां मारा करो।

दूसरे दिन एक लड़का कापी नहीं लाया तो—

मास्टर—क्यों बे गधे कापी क्यों नहीं लाया ?

लड़के ने उठकर १० बेतें मास्टर साहब को लगा दीं।

मास्टर—क्यों बे यह क्या बत्तमीजी है ?

लड़का—सा० आप ही ने तो कल कहा था कि जो गाली दे उसे दस छड़ियां मारा करो।

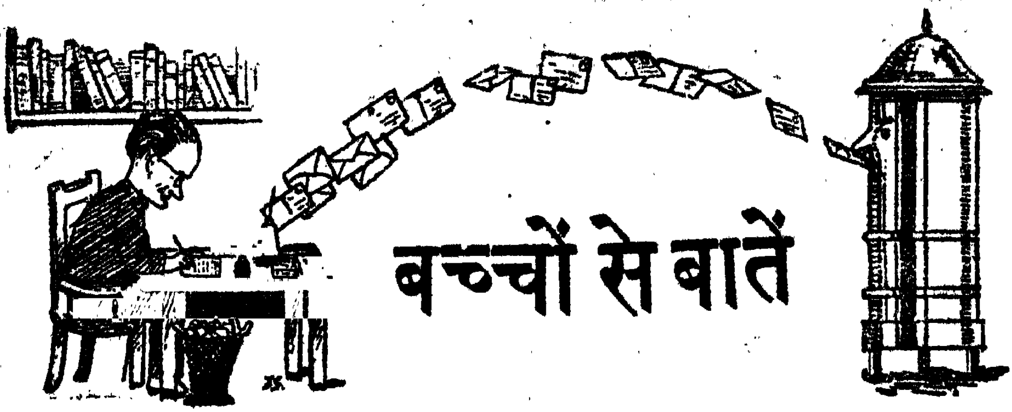
—गोल कृष्ण हैद्राबाद (दक्षिण)

(पृष्ठ १३ का शेष)

सलीम का बेहोश शरीर अस्पताल में लाया गया। डा० ने दवा-दारू की। सलीम ने अल्लाह, कह कर आंखें खोलीं। डा० ने चोटों पर पट्टी बांधी और पीने के लिए दवा दी। रात बुरी तरह से कटी, प्रातः ब्यान लेने के लिए एक अंग्रेज पहुँचा।

अंग्रेज ने कहा, कहो बच्चे ! तुम अपने किये पर पछताते हो ना ? यह तुम्हारा ब्यान मैं लिख लूँ ? या और कुछ कहना चाहते हो ! सलीम ने कराहते हुए अपनी पूर्ण शक्ति से उत्तर दिया……… यह चन्द वाक्य और इसमें जोड़ लीजिये कि कि यदि आपका देश परतन्त्र हो और अल्लाह करे आप मेरी तरह से उस पर कुरबान हों, तब आप अपने किये कर्म पर………और प्राण निकल गये।

ऐसे शहीदों के खूनों से सींचा हुआ हिन्दू मुसलमान का, सिख ईसाई का, स्त्रि पुरुष का, बालक-बालिकाओं का अर्थात हम सब का यह राष्ट्रीय त्यौहार है। यह हमें बहुत प्यारा है और हम सब इसे बहुत शान से मनाते हैं।



बच्चों से बातें

पशु जीवित रहने की अवस्थाएं

पशु	वर्ष
चींटी	१
रीछ	५०
ऊंट	५०
मगर	३०० से ४०० तक
बिल्ली	१५
घोड़ा	५०
शेर	७०
चूहा	२ से ३ तक
बन्दर	३५
सूअर	२५
गाय	२५
कुत्ता	२०
हाथी	१००

पशु	वर्ष
बकरा (बकरी)	१५
भेड़	१२
सांप	१०
चीता	१५ से २० तक
वेल मछली	५००
उल्लू	६ से ८ तक
पक्षी	
कौआ	१००
मुर्गी	१४
तोता	१००
कोयल	१५
सारस	७०
गिद्ध	१००

राष्ट्रीय-त्यौहार

[लेखक—तुलाराम गौड़]

कल १५ अगस्त है ! तो स्वतन्त्रा दिवस की छुट्टी रहेगी ? जरूर कल छुट्टी है । १५ अगस्त को हमारा देश भारत आज़ाद हुआ था ! अब हम सब आजाद हैं । ऐसे आज़ाद कि अपने देश की सभ्यता और संस्कृति की पूर्ण रूप से सेवा कर सकें ।

क्यों भाई ! क्या पहले ऐसे काम करने पर पाबन्दी थी ? मेरे विचार में तो जो आज़ादी पहले थी वही अब है और जो पाबन्दी पहले थी उससे कई गुणा अब प्रतिबन्ध हैं ।

जी नहीं ? आप सदैव बे सिर पैर की हांकते हैं ! ६ अगस्त को इतनी जल्दी भूल गए ! आपको पता होगा कि १२ वर्ष का वह मुसलिम बच्चा, किस तरह उन आततताई गोरे सोलजरों का शिकार बना था ।

६ अगस्त सन ४२ को प्रातः महात्मा गांधी और उनके साथी गिरफ्तार कर लिए गए, साम्राज्यवादियों का यह कदम देश और शासक के लिए बहुत भयंकर था । प्रजा नित्य के ज़ुल्मों से तंग आगई थी । अतः नेता विहीन प्रजा ईंट का जवाब पत्थर से देने लगी। अंग्रेज सोलजर खुले मैदान गांधी टोपी वालों को गोली से उड़ाने लगे ।

सलीम की आयु अभी १२ वर्ष की थी, जब कि उससे पिता की गिरफ्तारी, तथा गांधी टोपी का अपमान उससे सहन न हो सका । उसने छोटे २ बच्चों का एक दल बनाया, और तिरंगा हाथ में लेकर मैदान में कूद पड़ा । जलूस लाल कुएं से फतेहपुरी होता हुआ चांदनी चौक में दाखिल हुआ । लाल मुहं वाले भेड़िये मासूम बच्चों पर झपटे । सलीम ने ललकार कर कहा ········बढ़े चलो बहादुरों माता पिता बार-बार जन्म नहीं देते, बार-बार के मरने जीने से एक बार का मरना कई गुणा बेहतर है ।·········और फिर इस गुलामी की जिन्दगी से तो यह वीरों वाली मौत किसी बिरले वीर को ही मिलती है ।

सलीम अभी अपनी बात पूरी भी न कह पाया था कि लाल भेड़िये बुरी तरह से मुंह फाड़ कर बढ़े । थप्पड़ मुक्का लाठी नेजा न मालूम एक ही बार में कितनों का हमला इस इकहरे शरीर पर हुआ । मौत से बन्दूक की सूई की मौत मरना कितना बड़ा कठिन बलिदान है । धन्य हैं वे शहीद जो सूई की नोक से अपना शरीर छिदा कर अपनी मातृ-भूमि पर क़ुरबान हुए हैं ।

(शेष पृष्ठ १५ पर)

पिल्लू और बिल्ली

पिल्लू दुबका पड़ा हुआ था,
उस पर चूहा चढ़ा हुआ था।
शैतानी करने की धुन में,
नम्बर उसका बढ़ा हुआ था॥

दौड़ी फांद पड़ी चूहे पर,
बिल्ली ने उसको देखा ज्यों।
चूहा भगा और बिल्ली की—
पिल्लू ने गर्दन दाबी त्यों॥

पटका देकर के पिल्लू ने,
बिल्ली को भूमि में गिराया।
बिल्ली मौसी और पकड़ लो,
भगते चूहे ने यह गाया॥

चिल्ला कर भागी झट बिल्ली,
पिल्लू ने सब मजा चखाया।
ज़ालिम बिल्ली का यह हाल,
हम सबको था खूब भाया॥

—शिवलाल शर्मा 'प्रवासी'

ऐसा क्यों कह रहा है ? डाकुओं के दोबारा पूछने पर भी शाबू ने वही उत्तर दिया। डाकुओं ने शाबू को बालक समझकर—मजाक करता होगा—कहकर छोड़ दिया और चले गये।

अपने स्थान वापस पहुँचने के बाद जब तमाम डाकू लूट का माल अपने सरदार के सामने पेश कर रहे थे तो एक डाकू बोला—"सरदार उस काफले में एक ऐसा बालक था जो कहता था कि मेरे पास ४०) रुपये हैं। सरदार ने कहा—"तुमने लूटे नहीं।" डाकू ने उत्तर दिया—"नहीं सरदार।"

क्यों ?

"सोचा कि पूछने पर पर कौन सच्च कहता है। ऐसे मौकों पर लोग झूठ ही बोला करते हैं इसलिये उसके पास कुछ न समझ कर छोड़ दिया है।"

"अच्छा ! जाओ उसे अब पकड़ लाओ।"

बालक को पकड़ कर सरदार के सामने लाया गया।

क्यों तुम्हारे पास क्या है ? सरदार ने पूछा।

मेरे पास ४० रुपये हैं। बालक ने उत्तर दिया।

"क्या तुम सच कह रहे हो"—सरदार ने फिर पूछा।

(निडर होकर) हां !. यह रुपये चलते समय मेरी मां ने दिये थे और कहा था कि बेटा कितनी भी विपत्तियां तुम पर क्यों न आयें हमेशा सच्च बोलना।" यह बालक का उत्तर था।

सरदार पर शाबू के इस उत्तर का बड़ा प्रभाव पड़ा। उसने शाबू को शाबाशी देते हुये तमाम डाकुओं को लुटा हुआ माल वापिस कर देने का हुक्म दिया। शाबू को भी काफले में वापिस पहुँचा दिया गया।

काफले के लोगों ने जब शाबू की यह बात सुनी तो बड़े प्रसन्न हुये और शाबू को आदर की दृष्टि से देखने लगे।



कहानी :~

आज्ञाकारी शाबू

[लेखक—गिरधारी लाल गांधी]

पुराने समय में रेलें नहीं थी। लोग अपना सफर काफले बना-बना कर तय करते थे। स्थान-स्थान पर मंजिलें बनी थीं जहां लोग थक जाने पर विश्राम कर लिया करते थे।

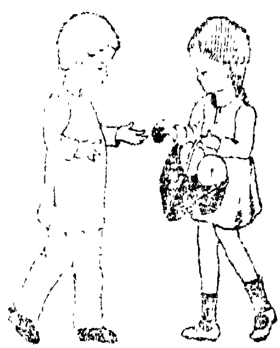
विदेशों से विद्यार्थी शिक्षा प्राप्त करने के लिये भारत आया-जाया करते थे। ईरान शहर में मोहम्मद अली नाम का एक व्यक्ति रहता था। उसका एक लड़का था जिसका नाम शाबू था। शाबू के बड़ा होने के पहले ही उसके पिता की मृत्यु हो चुकी थी। शाबू की केवल अब एक मां थी। शाबू का पालन पोषण बड़े लाड़ प्यार से होता रहा। बड़ा होने पर शाबू बड़ा होनहार और आज्ञाकारी निकला।

एक समय की बात है कि विदेशों से भारत के लिए एक काफला आरहा था। उस काफले में ज्यादातर ऐसे लोग थे जो भारत शिक्षा प्राप्त करने के लिए आ रहे थे। काफला आते समय ईरान शहर में रुका था। शहर के बहुत से लोग काफले के स्वागत के लिये गये हुये थे। शाबू भी उनके साथ था। काफले के लोगों से मिल कर शाबू की इच्छा भी भारत शिक्षा के लिये जाने की हुई। शाबू ने मां से जाने की आज्ञा मांगी। शाबू मां का एकलौता बेटा था इसलिये पहिले तो मां ने मना कर दिया पर फिर जब शाबू बार-बार जिद करने लगा तो आज्ञा दे दी।

शाबू जब जाने के लिये तैयार हुआ तो उसकी मां ने कहा बेटा सदैव मेरी एक बात याद रखना—"तुम पर कितनी भी मुसीबत क्यों न आये पर हमेशा सच बोलना और हाथ का भी सच्चा रहना। इसका पालन करने पर ईश्वर तुम्हारा कल्याण और रक्षा करेगा।"

शाबू का काफला रवाना हुआ। काफला तब कोई दो-चार मंजिलें ही तय कर पाया था कि डाकुओं के एक गिरोह ने उस पर हमला कर दिया। कहा जाता है कि डाकू काफिले को लूटते-लूटते जब शाबू के पास पहुँचे तो डाटकर शाबू से पूछा—"क्यों बे! तेरे पास क्या है?" शाबू ने सच-सच कह दिया—"मेरे पास चालीस रुपये हैं।" डाकू शाबू का यह उत्तर सुनकर अचम्भे में पड़ गये—सोचा कि अजीब बात है और लोगों ने तो इस प्रकार नहीं कहा य

एक ओर भयानक वीर म्लेच्छराज था तो दूसरी ओर सोलह वर्ष का एक वीर बालक। तलवारों की चोटें जमकर हो रही थीं। मगध की जनता बड़ी बेचैनी से इस युद्ध को देखने लगी बड़े बड़े युद्ध के डंके बजाने वाला म्लेच्छराज अशोक पर राहु की तरह टूट कर पड़ रहा था, परन्तु वीर अशोक ने उछल कर म्लेच्छराज के घोड़े पर छलांग लगादी और न जाने कब म्लेच्छराज का सिर धड़ से अलग हो कर भूमि पर आ पड़ा चारों ओर सन्नाटा छा गया। शत्रु की सेना भाग गई। मगध की जनता ने वीर अशोक के नेतृत्व में नगर में प्रवेश किया और वहां चारों ओर अपनी विजय के हर्ष में जनता थिरकने लगी, नगर के सजावटें होने लगी, खुशी के बाजे बजने लगे बालक बूढ़े नारियां अशोक को धन्य-वाद दे रही थीं। अशोक दौड़ा हुआ जेलखाने में पहुँचा और वहाँ से महाराजा और राज कुमारी शुचि को बाहर निकाल कर लाया, उन का स्वागत किया। महाराज मगध ने एक भारी दरबार बुलवाया। उसमें अशोक के स्वर्ग वासी पिता के लिये भगवान से प्रार्थना की गई। महाराज ने घोषणा कर दी कि हमारे बाद सारे राज्य का उत्तराधिकारी अशोक होगा। और राजकुमारी शुचि का शुभ विवाह भी अशोक के साथ होगा। विजय की खुशियों के साथ विवाह की खुशियाँ मिल गई। अशोक का विवाह बड़ी धूम धाम से हो गया। महलों में अशोक और शुचि को पहली बार पता चला कि अशोक महाराजा मगध के ही राजकुमार हैं और शुचि पराजित हुए सरदार की राज कुमारी हैं।



बालक की वीरता......

(पिछले अङ्क का शेष)

इन्हीं चिन्ताओं में सवेरा हो गया, वह झटपट उतरा और अपने नगर की ओर चल दिया, मार्ग में देहातियों से पता चला कि म्लेछराज ने महाराज मगध पर चढ़ाई कर दी है। भयंकर लड़ाई हो रही है। चारों ओर रक्त की नदियां बह रही हैं। अनगिनत शस्त्रों का प्रयोग हो रहा है। हरी-भरी मगध की राजधानी तोपों के गोलों से भूमि पर बिछी जा रही थी—चारों ओर जनता में हाहाकार मचा हुआ था। नागरिक लोग अपनी जान बचाकर भागे जा रहे थे। बच्चों और बूढ़ों का कोई सहारा न दिखाई देता था। इस भयानक लड़ाई को देखकर अशोक से न रहा गया। उसकी नसों में रक्त उबलने लगा, आंखें लाल होगईं। क्रोध के मारे होठ फड़फड़ाने लगा। हाथ बार बार धनुष बाण पर जाने लगे। वह द्रुत गति से चल पड़ा। घर पर पिता जी नहीं मिले। कुछ भय प्रतीत होने लगा। इतने में एक सिपाही दौड़कर आया और बोला, अशोक तुम्हारे वृद्ध पिता इस युद्ध में काम आ गये। अशोक का सिर चकरा गया उसे चारों ओर अंधकार दिखाई देने लगा। थोड़ी देर में सावधान होकर बोला कि महाराज का क्या समाचार है? वह सिपाही बोला महाराज तो राजकुमारी शुचि के साथ शत्रु के जेलखाने में हैं। शत्रु उन्हें बहुत कष्ट पहुँचा रहा है। म्लेच्छराज ने महाराज को कहा है कि चौबीस घंटों में हथियार डलवा दो नहीं तो तुम्हें फांसी देदी जायेगी। परन्तु सेनापति जी हथियार डालने को तैयार नहीं है। दूसरी बात यह है कि कल म्लेच्छराज राजकुमारी शुचि से बलपूर्वक विवाह करने वाला है। कुंवर जी! अब तो आप ही कुछ कर सकते हैं। यह सब सुनते ही अशोक तिलमिला उठा, उसने बिना कुछ साथी लिए शत्रु पर पीछे से अचानक आक्रमण कर दिया। लाखों शत्रु की सेना पर वह बिजली की तरह चमक रहा था, उसकी चलती हुई तलवार दिखाई न पड़ती थी। मुंह में घोड़े की लगाम पकड़े हुये और दोनों हाथों में तलवार पकड़े हुये वह अनोखी शोभा पा रहा था। जिधर भी शत्रु के सिपाही देखते थे, उधर ही उन्हें अशोक दिखाई देता था, इतनी फुर्ती और चतुराई से लड़ रहा था कि शत्रु की सारी सेना सिट्टी पिट्टी भूल गई, रुण्ड मुण्डों से भूमि भर गई, शत्रु की सेना में हाहाकार मच गया और वह चारों ओर को भाग खड़ी हुई अपनी जीत को हार मे पलटता हुआ देखकर म्लेच्छराज थर्रा उठा और वह स्वयं अशोक के सामने आ डटा।

चींटी

देखो, यह नन्हीं सी चींटी
मुंह में दाने का कन लेकर
धीरे धीरे आ पहुँची है
अपने इस नन्हे से घर पर

कितनी दूर दूर से यह चलकर
एक एक कन दाना लाती,
इसी तरह यह अपने घर में
है भोजन के ढेर लगाती

जब वर्षा के दिन आएंगे,
यह बाहर न निकल पाएगी
तब यह इस मेहनत के फल को
घर में रह कर ही खाएगी।

—नगीनचन्द 'प्रदीप'

बात कहीं नहीं लिखी गई है। वकील साहब झुंझलाकर बोले—अरे! यह भी क्या लिखाने की बात है? आज से मैं कह देता हूँ जो काम हो चाहे लिखा हो या नहीं, सब करना होगा।

एक दिन वकील साहब अपने मित्रों सहित कचहरी जा रहे थे कि छकौड़ी ने पीछे से पुकार कर कहा बाबू जी, आते वक्त दो आने के सतू लेते आइयेगा। वकील ने क्रोधित होकर कहा—मूर्ख कहीं का, ऐसा-ऐसा काम धीरे से कहना चाहिए। छकौड़ी ने कहा अब ऐसा ही करूंगा। एक दिन बाबू साहब के घर में आग लगी। छकौड़ीने कचहरी जाकर धीरे से उनके कान में कहा—हजूर घरमें आग लगी है। वकील साहब क्रोधित होकर बोल उठे—बदमाश कहीं का! ऐसे-ऐसे काम में रोते-पीटते आना चाहिये। छकौड़ी ने कहा—हजूर अब ऐसा ही होगा। एक समय वकील साहब के घर लड़का पैदा हुआ। छकौड़ी रोते-पीटते कचहरी पहुँचा और वकील से कहा—हजूर गजब हो गया। वकील ने क्रोधित होकर पूछा—क्या हुआ? हजूर वकिलाइन साहिबा को लड़का हुआ है। यह सुन उनके सभी साथी हंस पड़े। वकील ने हंसकर कहा—अरे मूर्ख! ऐसा काम होने से हंसते हुए आना चाहिए। छकौड़ी ने कहा—हजूरआगे से ऐसा ही करूंगा। दुर्भाग्यवश वकील साहब के पिता का देहान्त हो गया। छकौड़ी हंसते हुए कचहरी गया और वकील से कहा—हजूर बड़ी खुशखबरी है। इनाम दोगे तो कहूँगा। वकील ने कहा—अरे कहो भी तो, इनाम की क्या बात है जितना चाहो ले लेना कहो भी तो! छकौड़ी बोला—आपके पिता का देहान्त हो गया। वकील साहब ने माथे पर हाथ पटक कर—जी तो चाहता है इस नालायक को अभी जवाब दे दूं। पर करें क्या नाक—कान का भी तो डर था। वकील साहब ने उसको भगाने की अनेक धुने बांधी। पर छकौड़ी भी एक ही था। इनका कोई भी कानून काम में न आया। वकील साहब ने उससे क्षमा मांगी और कहा—अब मैं किसी की बुराई नहीं करूंगा। छकौड़ी भी उसके नाक कान की रिहाई देकर चला गया।

बुरा न देखिए आंख से, बुरा न सुनिये कान से।
बुरा काम नहीं कीजिए, बुरी न कहिये जबान से।

कहानी—

"लाला पकौड़ीमल"

(लेखक—अनवार अनसारी देहली)

लाला पकौड़ीमल चटपट गांव के वकील थे। पहिले दर्जे के कंजूस थे। कानी कौड़ी खर्च करना भी उनके लिए हराम था। भाग्य से कोई मुवक्किल हाथ आ जाता तो वे उससे दमड़ी दमड़ी तक का हिसाब लेते थे। सत्य का तो कहना ही क्या विधाता ने उनकी दीनता पर दया कर एक विशेष प्रकार की रेखा खींच दी थी कि सत्य बोलने का उनको अवकाश ही न मिले। धूर्तता की पदवी भी आपने अपने अनवरत परिश्रम से प्राप्त कर ली थी।

कहा जाता है कि हर महीने वह अपने नौकरों को बदला करता था। महीना बीतने पर जब नौकर अपने वेतन के लिए कहता तो लाला जी आज-कल परसों करते हफ्तों घसीट ले जाते—और दो बार मांगने पर डिसमिस का परवाना दे डालते। और वेतन की जगह चोर, बदमाश, नमकहराम कह कर अपने यहां से अलग कर देते। इन्हीं सब गुणों के प्रताप से वकील साहेब के यहां हमेशा नौकरी की जगह खाली ही रहती थी।

एक दिन की बात है कि छकौड़ीमल नामक एक चतुर नौकर उनके यहां नौकरी के लिए आया। वकील साहब ने अपनी शर्तें सुनाई कि यदि तुम नौकरी छोड़ दोगे तो तुम्हें वेतन न दिया जायगा। छकौड़ी ने भी उनसे एक शर्त ले ली कि यदि आप जबाब देंगे तो मैं आपका नाक, कान काट लूंगा। वकील साहब ने यह सोच कर कि मैं वकील हूँ समय आने पर कोई-न-कोई दाव-पेंच निकाल ही लूंगा। वकील साहेब ने छकौड़ीमल की शर्तें मंजूर कर लीं। छकौड़ी ने वकील साहब से कहा कि जो-जो कार्य मुझे करना होगा अनहें कागज पर लिखकर हुजूर मुझे दे दें, मैं बराबर उसी के अनुसार उन्हें पूरा किया करूँगा।

एक दिन की बात है वकील साहब घोड़े पर सवार होकर बाजार जा रहे थे। सामने से एक बारात आ पहुँची। घोड़ा बाजे की आवाज़ सुनकर भिड़का। फिर क्या था वकील साहब धड़ाम से गिर पड़े। छकौड़ी भी वहां मौजूद था। लोगों ने वकील साहब को उठाया। वकील साहब का गर्मी का पारा चढ़ गया। छकौड़ी से पूछा—नालायक, तुमने मुझको उठाया क्यों नहीं? छकौड़ी ने झट कागज निकाल कर कहा—इसपर तो उठाने की

५. संघ और राज्यों के संबंध

हमने तुम्हें बताया है कि संघ और राज्यों के काम अलग अलग हैं और संविधान में उसकी अलग अलग सूचियां दी गई हैं। वे एक दूसरे के काम में दखल नहीं दे सकते। इस प्रकार उनका काम चलाने के लिये धन का अलग अलग प्रबंध कर दिया गया है। तुम जानते हो कि सरकार कर या टेक्स लगा कर धन इकट्ठा करती है। संविधान में लिखा है कि संघ सरकार आय पर कर या इन्कमटेक्स लगा सकती है और विदेशों से आने वाले माल पर कर या सीमित शुल्क लगा सकती है। वह भारत के बनने वाले माल पर उत्पादन कर भी लगा सकती है। यह सब कर के साधन संघ सूची में दिये हुये हैं।

उधर राज्य सरकार को ज़मीन पर कर या लगान लगाने का अधिकार है, शराब आदि पर कर लगाने का अधिकार है। इन सब करों का वर्णन राज्य सूची में है।

अब यह प्रश्न उठता है, कि यदि संघ सूची और राज्य सूची के किसी मामले पर राज्य सरकार और संघ सरकार में विवाद हो जाये तब क्या हो? मानलो कि कोई राज्य सरकार किसी चीज़ पर कर लगा दे और भारत सरकार कहे कि उस पर कर लगाने का अधिकार नहीं है क्यों कि वह संविधान की राज्य सूची में नहीं है तब कौन फैसला करेगा।

राज्यों और संघों सरकार के बीच विवादों का फैसला उच्चतम न्यायालय करता है क्यों कि वही संविधान का रक्षक है। इसी प्रकार दो राज्यों में विचार होने पर भी उच्चतम न्यायालय ही उनका निर्णय करता है।



संविधान सीरीज का तीसरा लेख

राज्यों की सरकारें

[पिछले अंक का शेष]

४. विधान परिषदें—

तुम ने पढ़ा है कि केन्द्र में लोक सभा के अतिरिक्त एक राज्य परिषद् भी होती है जो कानूनों को दोहराती है। क्या राज्यों में भी ऐसा दूसरा सदन होता है? हाँ, कुछ राज्यों ने अपने यहां दूसरा सदन रखा है, पर सब राज्यों ने नहीं रखा। उस दूसरे सदन को विधान परिषद कहते हैं। जो राज्य चाहे वह संसद् से प्रार्थना करके अपने यहां राज्य परिषद बनवा सकता है, और जो राज्य चाहे वह विधान परिषद को हटवा भी सकता है। यह सब वहां की विधान सभा पर निर्भर है। इस समय नीचे लिखे राज्यों में विधान परिषदें हैं।

१. उत्तर प्रदेश २. मद्रास ३. बम्बई ४. बिहार ५. पंजाब ६. मैसूर ७. पश्चिमी बंगाल।

विधान परिषद छोटी सभा होती है। प्रायः वह विधान सभा के चौथाई से भी कम होती है पर उसमें चालीस (४०) से कम सदस्य नहीं होते। उत्तर प्रदेश, मद्रास, बिहार और बम्बई इनमें से प्रत्येक के विधान परिषदों में ७२ सदस्य होते हैं, पश्चिमी बंगाल की विधान परिषद में ५१ सदस्य हैं तथा पंजाब और मैसूर की परिषदों में ४० सदस्य हैं।

विधान परिषद के सदस्य कैसे चुने जाते हैं। उन्हें चुनने के लिये प्रत्येक २१ वर्ष का नागरिक मत नहीं देता। उनके सदस्यों को नगर पालिका और शिक्षा संस्थाएँ आदि चुनती हैं। विधान परिषद पाँच वर्ष बाद विघटित भी नहीं होती है। उसके एक तिहाई सदस्य हर दूसरे वर्ष बदल दिये जाते हैं।

जिन राज्यों में विधान परिषद होती है, वहां सारे कानून दोनों सदनों की मंजूरी से पास होते हैं पर विधान परिषद किसी कानून को पास न करे और विधान सभा उसे दो बार पास करदे तो वह पास समझा जाता है और अधिनियम बन जाता है। इस प्रकार विधान सभा की ही प्रधानता है क्यों कि वह जनता द्वारा चुना हुआ सदन होता है। उसकी मंजूरी के बिना मन्त्री धन खर्च नहीं कर सकते और कर नहीं लगा सकते।

मेरा झण्डा

लाल किले पर लहराता है,
झंडा मेरा फहराता है।

फहराता है निर्भय हो अब,
नित चक्र लिये बलखाता है।
आँधी पानी तूफानों से,
यह नहीं कभी भय खाता है।

सुख शान्ति प्रतीक कहाता है,
झण्डा मेरा लहराता है।

प्रिय बापू की अमर देन है,
वीर 'जवाहर' का प्यारा है।
सेना पति 'नेता सुभाष' का,
यह झण्डा रहा दुलारा है।

इस पर 'पटेल' बलि जाता है,
झण्डा मेरा बल खाता है।

'राजा' कहते हो प्राण तुम्हीं,
'राजेन्द्र' नित्य पूजा करते
हैं 'पन्त' रीझते नित इस पर,
कुछ जयप्रकाश भी बल भरते।

त्रिभुवन तक सीस नवाता है
झण्डा मेरा लहराता है।

—अम्बर

प्याम तालीम

सचित्र मासिक [उर्दू-हिन्दी]

बाल पत्रिका

सितम्बर १९५०, जामिआ नगर, दिल्ली

सम्पादक की ओर से

प्याम तालीम का सम्पादक मंडल 'स्वतंत्रता दिवस' के शुभ अवसर पर अपने बालसमाज के सब साथिओं, लेखकों, तथा शुभचिंतकों को हार्दिक बधाई देता है, तथा अपनी शुभ कामनाएं भेजता है। और आशा करता है कि प्याम तालीम की उन्नति में हमारे समस्त सथी अपना पूर्ण सहयोग प्रदान करेंगे।

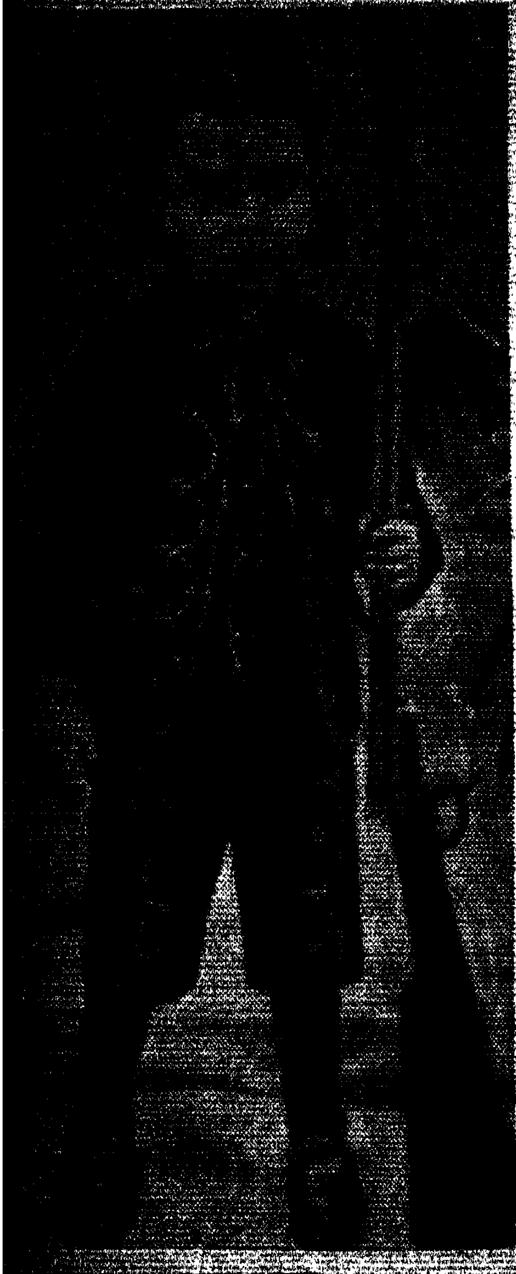
संविधान सीरीज के तीसरे लेख 'राज्यों की सरकारें' का शेष और 'बालक की वीरता' कहानी का शेष इस अंक में दिया जा रहा है। पाठक पढ़ते समय पिछले अंक की सहायता भी लें।

इस अंक में एक और कहानी 'लाला पकौड़ी मल' नाम से दी जा रही है। कहानी बड़ी चटपटी है। उर्दू से इसका अनुवाद किया गया है। पाठक इसे अवश्य पढ़ें।

* * *

प्याम तालीम का उद्देश्य हर प्रकार से बाल समाज को प्रोत्साहित करना है। यही कारण है कि इस पत्रिका में अधिकता बालकों द्वारा लिखी हुई अपनी सामग्री की ही होती है।

होसकता है कि ऐसा करने में हमारे कुछ साथी सहमत न हों पर फिर भी उन्हें यह मानना होगा कि यदि वे निस्वार्थ भाव से आज के बालक की मानसिक कमज़ोरी को दूर करना चाहते हैं तो प्रारंभ से ही बालक को अपनी रुचि के अनुसार हमें उसके लिये क्षेत्र खोलना जरूरी हो जाता है। इसी बात को सामने रख कर आज प्याम तालीम पनप रहा है, और जीवित रहने की सांस ले रहा है।



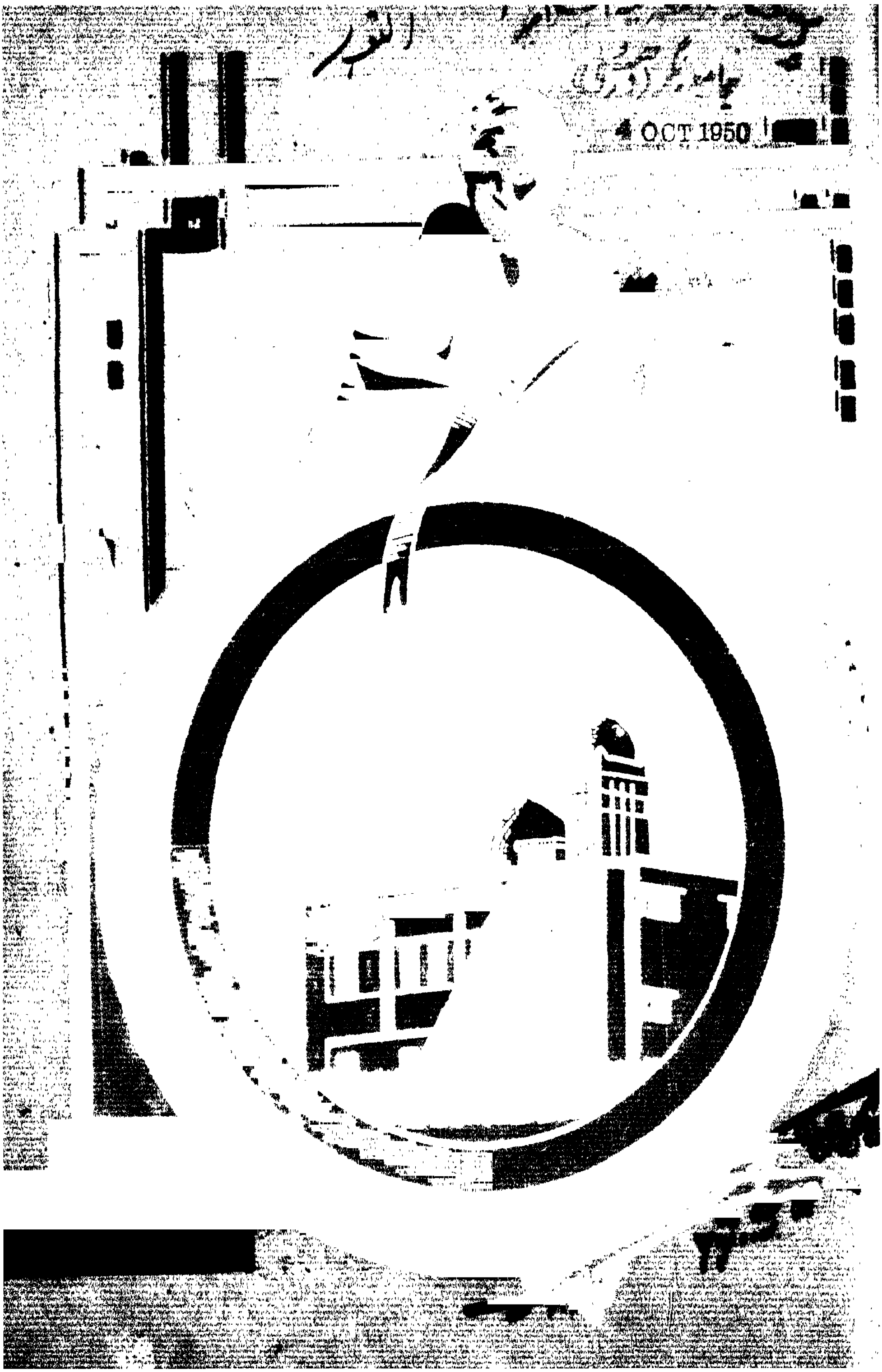


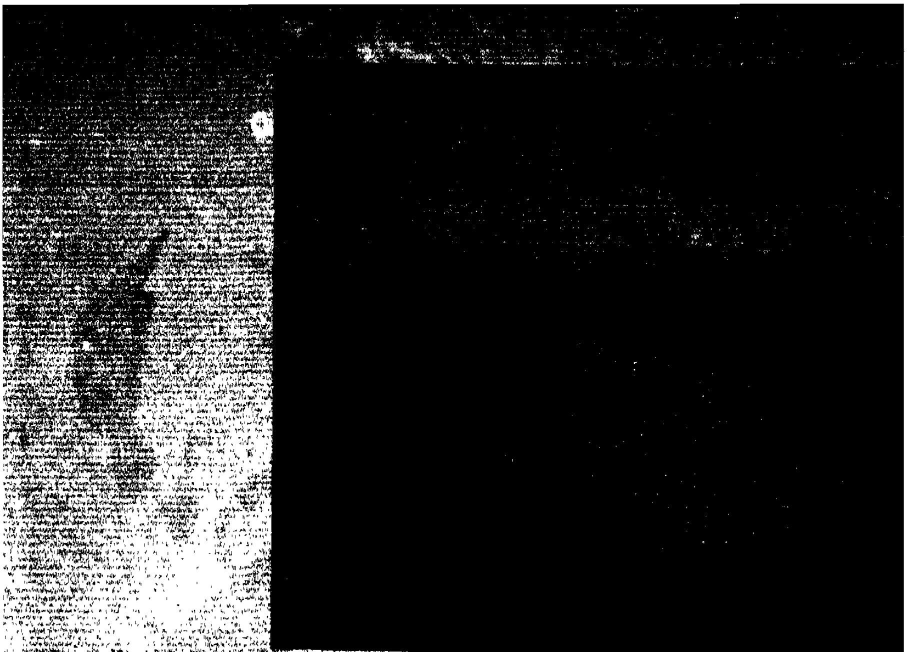
हमारा आज का जवाहर

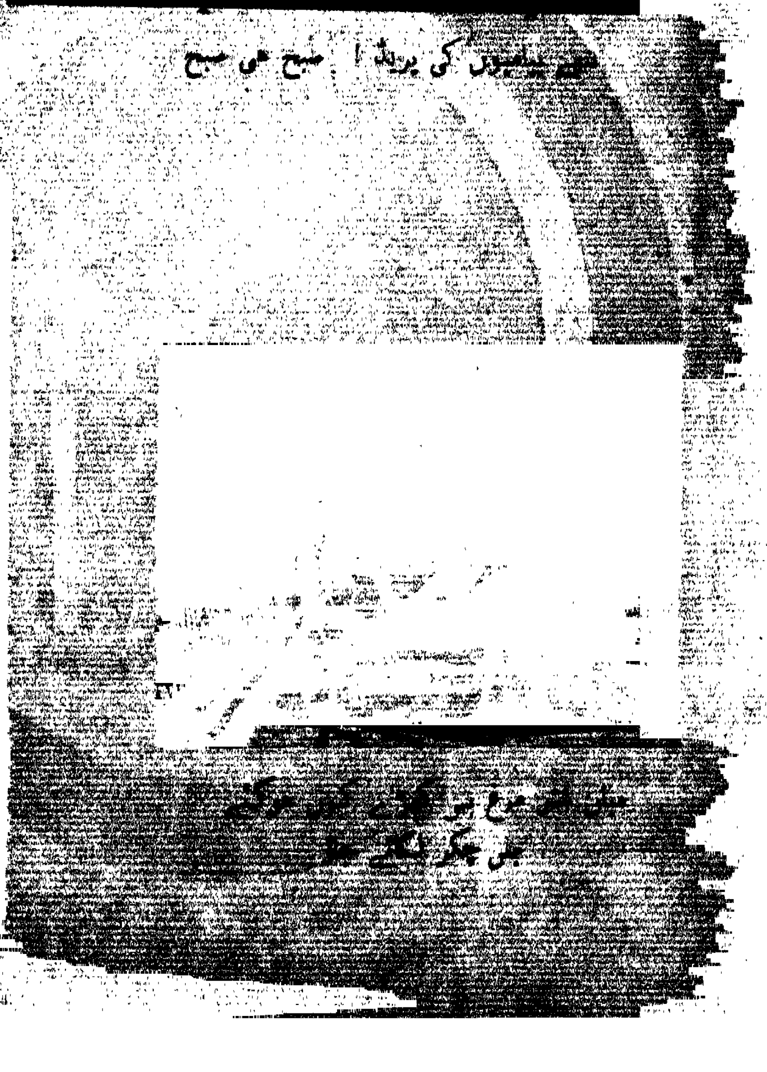
म
ता
ली
म

सितम्ब
१९५०

एक प्रति
(=)
वार्षिक
५)


4 OCT 1950




کی پریڈ! صبح ہی صبح

جلد ۲۴ نمبر ۶

پیامِ تعلیم

فہرست مضامین

چندہ

سالانہ	للعہ ۴ روپے
ششماہی	عہ ۲ روپے
فی پرچہ	۶ر

پرنٹر پبلشر محمد حسین حسان

بچوں سے باتیں

اپنے پیاریوں کو باسی عید کی ہم مبارک باد کیا دیں خدا کرے یہ عید تم نے خوب ہنسی خوشی گزاری ہو۔

برسات کا موسم ہمارے ہاں بہار کا موسم سمجھا جاتا ہے سخت گرمی سخت دھوپ اور لو کے بعد جونہی مینہ کا ایک چھینٹا پڑا کیا انسان کیا حیوان کیا چرند کیا پرند سب میں جان آ گئی۔ چڑیاں چہچہانے لگیں۔ مینڈکوں نے ٹرانا شروع کیا نباتات نے بھی انگڑائی لی اپنا سر زمین سے نکالا۔ درختوں نے نہا دھو کر سبز جوڑا پہن لیا۔ ہر طرف سبزہ ہی سبزہ اور جنگل میں منگل

پر اب کی یہ برسات اپنے ساتھ خزاں بھی لائی کیسی کچھ خزاں! بہار میں سینکڑوں گاؤں سیلاب سے تباہ ہو گئے یوپی میں بھی کم و بیش یہی کیفیت ہوئی۔ آخر میں پنجاب کا نمبر آیا۔ پانچ دریاؤں نے آفت ڈھا دی۔ لاہور میں تو دریائے راوی نے طوفان نوح کی طرح لوگوں کو اچانک آ گھیرا۔ جالندھر کے دیہاتوں میں ساٹھ فی صدی مکان گر گئے یا انہیں نقصان پہنچا۔ دوسرے ضلعوں میں بھی بڑی تباہی ہوئی۔ فصلوں کے نقصان کا تو کچھ اندازہ ہی نہیں۔

پھر آسام کا زلزلہ۔ اُف توبہ۔ زمین کا نقشہ ہی بدل گیا۔ دریاؤں کے رخ پھر گئے۔ پہاڑوں کی چوٹیاں ٹوٹ ٹوٹ کر نیچے آ رہیں۔ دریائے برہم پتر میں سیلاب آ گیا نہ جانے کتنے گاؤں ڈوب گئے نقصان کا اندازہ کیا پوچھتے ہو۔

ہمیں ان سیلاب کے اور زلزلہ کے ستائے ہوئے تمام بھائیوں سے دلی ہمدردی۔ خدا انہیں ان مصیبتوں کو ہنسی خوشی برداشت کرنے کی ہمت دے۔

آسام کے زلزلے پر ہم نے خاص طور پر مضمون لکھوایا تھا۔ افسوس ہے کہ دیر میں ملا۔ اگلے پرچے میں پڑھنا بہت دلچسپ ہے۔

اچھا اب رخصت!

ایک طبیبہ

نعیم الرحمٰن سہارنپور

چاروں طرف پانی ہی پانی۔ گاؤں کے گاؤں برباد ہو گئے۔ باپ بیٹے سے بچھڑ گیا، بہن بھائی سے۔ رہنے کو پیڑ کا سایہ تک نہ ملتا تھا۔ بھوک اور بیماری سے سینکڑوں آدمی تباہ ہو گئے تھے۔ ان کی دکھ بھری پکار باہر بھی پہنچی۔ اور انھیں مدد پہنچانے کی تیاریاں ہونے لگیں۔

اسٹیشن کے پلیٹ فارم پر۔ ناک پر سنہرے فریم کا چشمہ۔ بدن پر ریشمی کرتا۔ ہاتھ میں چاندی کی موٹھ کی چھڑی۔ ان سے خاص مدد کی امید میں ہم ان کی طرف بڑھے۔

"سیلاب سے اس سال کتنا بڑا نقصان ہوا ہے۔ یہ تو شاید آپ کو معلوم ہی ہے۔ ان دکھیاروں کی مدد کے لئے ہم آپ سے درخواست کرنے آئے ہیں۔"

"کیسی مدد! آپ ہیں کون؟" بھویں چڑھاتے ہوئے لاپرواہی سے انھوں نے پوچھا۔

"ہم لوگ طالب علم ہیں۔ سیلاب زدہ لوگوں کی مدد کرنے کے لئے آئے ہیں۔ چندہ اکٹھا کر رہے ہیں"

"خوب آپ کالج میں پڑھنے آئے ہیں یا بیکار باتوں میں اپنا وقت برباد کرنے۔ آپ کو ان جھگڑوں سے کیا مطلب؟"

"اس مصیبت کے وقت اگر ہم آپ کچھ پیسے اکٹھے کر کے مصیبت زدہ لوگوں کی مدد کریں تو اس سے بڑھ کر ہمارے لئے خوش قسمتی کی کیا بات ہے"

"ناک میں دم کر رکھا ہے صاحب ان چندے والوں نے بھی۔ روزانہ چندے والوں کا تانتا بندھا رہتا ہے۔ جائیے کچھ دیں اور کچھ نہ دیں پھر اسٹیشن بھی کوئی چندہ مانگنے کی جگہ ہے۔ سفر میں کوئی خزانہ لے کر تو چلتا نہیں" وہ بولے اور ہٹ کر ایک پھل والے سے مول تول کرنے لگے۔

ہم ایک تیسرے درجے کے ڈبے میں داخل ہو گئے۔ بھائیو اس سال سیلاب سے جتنا زبردست نقصان ہوا ہے آپ کو معلوم ہی ہے سینکڑوں جانیں چلی گئیں۔ ہزاروں بے

گھر بے در ہو گئے۔ بھوک نے بیماری نے اور موت نے انہیں گھیر رکھا ہے۔ ایسی حالت میں ہم آپ سے مدد ملنے کی امید میں آپ کے پاس آئے ہیں"

ایک دبلا پتلا غریب آدمی جس کے جسم پر ایسے چیتھڑے پہنے ہوئے تھے جن کو کوڑے پھینکنے میں بھی شرم محسوس ہوتی تھی۔ ایک کونے میں بیٹھا تھا۔ ہم نے دیکھا کہ اس کی دھندلاتی آنکھوں میں ایک دم چمک پیدا ہو گئی۔ اور جیسے خدا نے اس کی آنکھوں میں رحم بھر دیا ہو۔

ہم نے اس سے مانگنا مناسب نہ سمجھا اور آگے بڑھے۔ مگر اس نے ہمیں روکا اور اپنی پھٹی دھوتی سے ایک پیسہ بڑی محبت سے ہمیں دیا اور ایک عجیب انداز سے ہمارے آگے ہاتھ جوڑے۔ اس کے پاس شائد یہی آخری پیسہ تھا۔ مگر اس ایک پیسے میں ایک غریب کی روح چھپی ہوئی تھی۔

(ہندی کا ترجمہ)

اِدھر اُدھر سے

کہتے ہیں، روسیوں نے ایسی مشین گن ایجاد کی ہے جو ریڈیو سے چلا کرے گی۔ اسے کسی محفوظ جگہ نصب کرنے کے بعد ریڈیو یا بجلی کے ذریعے سینکڑوں گز کے فاصلے سے چلایا جا سکتا ہے۔

کیپ ٹاؤن کے قریب ایک آدمی ایک ٹیکا لگوانے کے بعد ہر چیز دوہری نظر آنے لگی ہے۔ اگر وہ صحیح طور پر کچھ دیکھنا چاہے تو اسے اپنی ایک آنکھ بند کرنا پڑتی ہے۔

ایک مزدور اپنے گھر میں سو رہا تھا۔ منھ کھلا ہوا تھا۔ اچانک چونک اٹھا۔ اور اس کے منھ میں ایک چھوٹا سانپ گھس گیا تھا۔ مزدور نے اسے پکڑنا چاہا۔ مگر سانپ کو حلق کا سوراخ نظر آ گیا تھا۔ وہ اس میں اطمنان سے گھس گیا۔

پنڈت جواہر لال نہرو کی کوٹھی کے میدان میں جو گیہوں بویا گیا تھا۔ اس کا تجربہ بہت کامیاب رہا۔ ۴۴ من فی ایکڑ کے حساب سے گیہوں پیدا ہوا۔

قسطُنطُنیہ میں

خورشید جمال قدوائی

اِس سے پہلے میں اپنے پیامیوں کے لئے دہلی سے قسطنطنیہ تک کا مختصر حال لکھ چکا ہوں۔ آج قسطنطنیہ کا کچھ حال اور سنئے۔ سب سے پہلے میں فلوریا بیچ کا کچھ حال سناتا ہوں۔ میں وہاں پکنک کے لئے گیا تھا۔ صبح گیا شام کو گھر واپس آگیا۔ یہ میرے گھر سے کوئی بارہ چودہ میل ہے۔ بڑی خوب صورت جگہ ہے۔ سمندر کے بیچ میں جزیرے پر سمندر کے کنارے ایک خوبصورت ریستوران بنایا ہے۔ یہاں لوگ دن کو کھانا کھاتے ہیں شام کو چائے پیتے ہیں۔ چائے اور کافی یہاں بغیر دودھ کے پی جاتی ہے۔ کہتے ہیں فلوریا دنیا میں سب سے اچھا بیچ ہے۔

میں ایک روز بیچ دیکھنے گیا تھا۔ ثریا بیچ مگر یہاں کوئی خاص بات نہیں۔ فلوریا میں کنکر پتھر بالکل نہیں۔ ثریا پلاج میں ہیں یہاں چار جزیرے ہیں۔ ہم صرف دو میں جا سکا ہوں۔ پہلے میں اور آخری میں پہلے کا نام ہیلی ادا ——— دوسرے کا بیوک ادا ——— ہے۔ پہلا تو بس یونہی ہے ہاں بیوک ادا بہت اچھا ہے۔ لوگ تو کہتے ہیں سب سے اچھا ہے۔ بیوک ادا میں ایک کلب بھی ہے۔ جس کا کوئی چندہ نہیں۔ ہر جزیرے میں نہانے کے لئے بیچ ہے۔ سیلانی یہاں خوب نہاتے ہیں۔ مگر پتھر بہت ہیں۔ ہاتھ پیر کٹ جاتے ہیں۔ میں تو جہاں گیا ہاتھ پیر کاٹ لئے۔ کیا فلوریا کیا ثریا پلاج۔ فلوریا میں پتھر نہیں وہاں شیشے سے کٹ گیا۔ شیشہ ریت پر تھا۔ میری نظر نہیں پڑی۔ فلوریا کے اس طرف ریت ہی ہے۔

یہاں ایک اور مقام ہے۔ گیک ستو اپنی ہندوستانی زبان یا اردو میں اس کا ترجمہ "چھوٹا پانی" انگریزی میں اسے سویٹ واٹر بھی کہتے ہیں۔ یہاں ایشیا سے ایک نہر آتی ہے جہاں میں ٹھہرا ہوا ہوں۔ اس کا نام تقسیم ہے

قریب ہی ایک پارک ہے۔ اسے تقسیم پارک کہتے ہیں لوگ یہاں دو دو بجے رات تک بیٹھے رہتے ہیں۔

یہاں دو سمندر ملتے ہیں باسفورس اور مرمرا مرمرا کا پانی نہ گرم ہے۔ نہ ٹھنڈا درمیانی ہے یہاں باسفورس کا پانی برف کی طرح ٹھنڈا ہے مرمرا بہت ساکن ہے جیسے ہمارے تالاب کا پانی۔ باسفورس میں ہر وقت لہریں اٹھتی رہتی ہیں فلوریا، ثریا، پلاج اور چار جزیرے سب مرمرا میں ہیں۔

میں یہاں ایک گاؤں دیکھنے بھی گیا تھا۔ وا واہ کیسا اچھا کیسا صاف ستھرا جیسے نینی تال میں پہنچ گئے پر جب اپنے ہاں کے گاؤں کی گندگی کا خیال تو ایسی شرم آئی کہ بس کچھ نہ پوچھئے۔

یہاں سواریوں کا بھی اچھا انتظام ہے موٹر بسیں، ٹرام، پانی جہاز، نابوٹ، بسیں اور موٹریں تو ہندوستان یا دلی جیسی۔ مگر ٹرام ہندوستان، کم سے کم دلی کی ٹرام سے بہت زیادہ آرام دہ سارے شہر میں ان کا جال سا بچھا ہے۔ سب سے قابلِ ذکر جہاز نما کشتیاں ہیں۔ کچھ تو ایسی ہیں جن میں صرف آدمی ہی بیٹھتے ہیں۔ کچھ ایسی بھی ہیں جن میں موٹر رکھ کر اس پار سے اس پار لے جاتے ہیں یہاں پل نہیں ہیں۔

مکان یہاں کے سات سات منزل کے بعض بعض مکانوں میں لفٹ لگے ہیں۔ سب میں نہیں یہ مکان باہر سے کچھ ایسے خوشنما نہیں معلوم ہوتے۔ مگر اندر بہت اچھے اور خوب صاف ستھرے

یہاں فرنیچر کے ساتھ ریڈیو تو ضرور ملتا ہے کہیں کہیں پیانو اور گراموفون بھی۔ اچھا اب رخصت۔

باقی اگلی دفعہ۔

پیارے پیام تعلیم کا پیامی
خورشید جمال قدوائی

وقت کی قدر

خلیل محمودی

تم کو بہت سے کام ہیں کرنے — علم سے خالی جام ہیں بھرنے
بگڑے ہوئے ہیں کام سنورنے — کرنے بند ہیں جہل کے جھرنے
دیکھو گے کب تک عیش کے سپنے
قدر کرو تم وقت کی اپنے

اٹھو اٹھ کر مکتب جاؤ — قصے مزے کے پڑھو پڑھاؤ
خود بھی ہنسو اور سب کو ہنساؤ — یعنی کسی کا دل نہ دکھاؤ
دیکھو گے کب تک عیش کے سپنے
قدر کرو تم وقت کی اپنے

سیکھو نہ ہرگز مکر کی گھاتیں — چین سے کاٹو دن اور راتیں
جائیں خودی کی تم سے باتیں — حاصل علم کی ہوں سوغاتیں
دیکھو گے کب تک عیش کے سپنے
قدر کرو تم وقت کی اپنے

بھولو اب تم گیا زمانہ	حال سے اپنا دِل بہلانا
عاقل دنیا میں کہلانا	بھولے سبق کو پھر دہرانا
دیکھو گے کب تک عیش کے سپنے
قدر کرو تم وقت کی اپنے

مانگو رب سے تم یہ دعائیں	دور حکومت سے ہوں بلائیں
شائق علم سے حصہ پائیں	محنت کا اپنی پھل کھائیں
دیکھو گے کب تک عیش کے سپنے
قدر کرو تم وقت کی اپنے

جاہل ہونا بُری بلا ہے	عِلم ہی کی دولت کو بقا ہے
دینے والا سب کو خدا ہے	یہی خلیل اِک راہِ رضا ہے
دیکھو گے کب تک عیش کے سپنے
قدر کرو تم وقت کی اپنے

حسنہ کی مُرغی

ماسٹر محمود الحسن

حسنہ مُرغی پر ہاتھ پھیرتی وہ دم سادھ لیتی اور گود میں بیٹھی رہتی۔ جب ذرا موقع ملتا۔ تو بھاگ جاتی۔ پھر حسنہ پکڑنے جاتی تو ہاتھ ہی نہ آتی۔ حسنہ بھاگتے بھاگتے ہانپ جاتی۔ مُرغی پاس آکر چڑاتی "بس پکڑ لیا! بڑی آئیں پکڑنے والی" تو جب سورج چھُپ جاتا اور اندھیرا سا ہو جاتا تو حسنہ اس کو دربہ میں بند کرنے جاتی پھر بھی وہ ادھر اُدھر بھاگتی محض حسنہ کے چھیڑنے کے لئے۔ جب حسنہ پریشان ہو جاتی تو کہتی "نیت بند ہو! میری بلا سے، بلّی آئے گی تو کمبخت تجھے ہی لے جائے گی" مُرغی حسنہ کی بات سمجھ جاتی اور پھر ادھر اُدھر دیکھ کر کہ کہیں بلّی بیٹھی تو نہیں ہے۔ آہستہ آہستہ دربے میں چلی جاتی۔ حسنہ دروازہ بند کر دیتی۔ اور اس طرح رات بسر ہو جاتی۔ صبح سویرے حسنہ جاکر دربہ کھولتی۔ تو مُرغی کا جی خوش ہو جاتا۔ نکلتے ہی کبھی ادھر بھاگتی کبھی اُدھر، بیٹ کرتی پیر پھیلاتی۔ پروں کو تناتی، باورچی خانے کی طرف بھاگتی کہ حسنہ لاؤ مجھے دانے کھلاؤ، روٹی کھلاؤ، رات کی باسی بھوک لگی ہے۔ جب تک حسنہ لاتی وہ نیم کے دو چار کیڑے ہی کھاتی۔ پھر جلدی جلدی دانے کھا، پانی پی اور نیم کی ایک ٹہنی پر جا بیٹھتی۔ کہ حسنہ لو اب پکڑ لو نا میں۔ نیم کی ٹہنی پر سے وہ دُور دُور کے کھیت دیکھتی۔ ہرے بھرے باغ اور جنگل دکھائی دیتے۔ بادل کو دیکھتی سوچتی کہ یہ اللہ میاں کی چادر ہے۔ دُور تک تنی ہوئی ہے۔

جب وہ انڈے دینے کو ہوتی تو کونوں میں چھپتی پھرتی کہ کوئی دیکھ نہ لے اور انڈا چرا نہ لے۔ حسنہ پکڑتی تو مرغی کرتی غیں غیں پیٹ پیٹ حسنہ یہ کیا کر رہی ہو مجھے نہ پکڑو۔ میں انڈا دینے جا رہی ہوں۔ حسنہ اس کو پکڑ کر دربے میں بند کر دیتی۔ اگر حسنہ دربے میں جھانکتی تو مرغی پھر کہتی ہیں ہیں حسنہ ادھر مت دیکھو پھر وہ پر پھیلا لیتی۔ انڈا دے چکتی تو کڑکڑاتی۔ حسنہ جاکر دربہ کھولتی تو یہ کڑکڑاتی ہوئی نکلتی کٹ کٹ کٹاک حسنہ اٹھا لو انڈا کٹ کٹ کٹاک اچھی حسنہ اٹھا لو جلدی کٹ کٹ

کٹاک حسنہ کوئی اٹھائے گا! اگر حسنہ کو انڈا اٹھانے میں دیر لگتی تو مرغی غصہ میں کٹ کٹ کٹاک کٹ کٹ کٹاک کہتی ہوئی باہر چلی جاتی کہ مت اٹھاؤ حسنہ میری بلا سے۔ کوئی اٹھائے گا پھر مت کہنا میری مرغی انڈے نہیں دیتی۔ لو میں یہ چلی چاہے اٹھاؤ، چاہے مت اٹھاؤ

حسنہ انڈا اٹھاتی سفید سفید گرم گرم بڑا سا حسنہ آپا سے کہتی۔ آپا! مرغی نے انڈا دے دیا۔ چھینکے پر رکھ آؤں۔ آپا کہتی نہیں! حسنہ تم پھوڑ دو گی۔ آٹے کی ڈولیا میں رکھ آؤ۔ تھوڑی دیر میں مرغی پھر پھرا کر پھر حسنہ کے پاس آتی کہتی حسنہ! اب ہمیں دانہ ڈالو۔ حسنہ ایک مٹھی دانہ ڈالتی مرغی کھاتی اور خوش ہوتی

تھوڑے دنوں بعد حسنہ کی آپا نے کہا۔ لاؤ اس مرغی کے نیچے بچے نکلوائیں کوئی بیس انڈے جمع کر لئے تھے۔ انڈے اچھے تھے پہلے نرم نرم گھاس رکھی اس پر انڈے پھر انڈوں پر مرغی کو بٹھایا مرغی نے پر پھیلا کر انڈوں کو چھپا لیا۔ اس کو انڈے سینا کہتے ہیں۔ اوپر سے بڑا سا چھبڑا رکھ دیا۔ اندھیرا ہو گیا۔ اب مرغی باہر نہ نکلتی نہ ادھر ادھر چلتی پھرتی۔ ایک دو دن میں جب اسے بھوک لگتی تو غیں غیں کرتی یا ٹاپے میں چونچیں مارتی۔ حسنہ کی آپا اسے باہر نکالتیں۔ دانہ ڈالتیں۔ حسنہ پانی رکھتی وہ پھولی پھولی سی نکلتی دانہ کھاتی پانی پیتی اگر حسنہ اس کو پکڑنا چاہتی تو وہ غیں غیں بڑی زور سے کرتی کہ حسنہ مجھے مت چھیڑو۔ میرا جی ماندہ ہے۔ حسنہ مرغی کو پھر ٹاپے میں بند کر دیتی اور پھر وہ انڈوں کو چھپا کر بیٹھ جاتی

کوئی اکیس دن کے بعد انڈے چٹ چٹ پھوٹے پڑے ننھے ننھے خوبصورت پیارے پیارے بچے اس میں سے نکلے ذرا ذرا سا روان روئی سے زیادہ نرم چوں چوں کرتے۔ مرغی کا جی خوش ہو جاتا حسنہ اگر ٹاپے کو اٹھاتی تو مرغی غیں غیں کرتی۔ حسنہ ٹاپا مت اٹھاؤ۔ میرے بچوں کو نظر لگ جائے گی یا کوئی دشمن بیری دیکھ لے گا۔ حسنہ مان جاؤ! میرے بچوں کو تم پکڑو گی تو ان کو تکلیف ہوگی۔ حسنہ ٹاپا بند کر دیتی۔ سولہ بچے نکل آئے۔ تو خوشی کی کیا بات؟ اور انڈوں کو اٹھا اور کان کے پاس رکھا۔ تو کسی قسم کی آواز ہی نہ آئی۔ حسنہ کی آپا نے کہا یہ انڈے گندے ہو گئے ان کو باہر پھینک آؤ۔ جب حسنہ نے ان کو باہر جا کر پھینکا تو سچ مچ ان میں بچے نہ تھے۔ بس پانی پانی سا نکلا۔ ہاں ایک انڈے میں ضرور ایک منا سا ادھ بنا بچہ نکلا۔ حسنہ نے کہا آپا دیکھو! اس میں سے ابھی ایک چھوٹا سا منا بچہ نکلا حسنہ کی آپا نے کہا۔ ہائے یہ گندا نہ تھا۔

باقی

ہماری سرکار

ودھان پریشدیں

مدن موہن گپت

تم نے پڑھا ہے کہ بھارت سرکار میں لوک سبھا کے علاوہ راجیہ پریشد بھی ہوتی ہے۔ جو قانونوں کو دہراتی ہے۔ کیا راجیوں میں بھی ایسا دوسرا ایوان ہوتا ہے؟

ہاں کچھ راجیوں نے اپنے ہاں دوسرا ایوان رکھا ہے۔ مگر سارے راجیوں نے نہیں رکھا

اس دوسرے ایوان کو ودھان پریشد کہتے ہیں۔ جو راجیہ چاہیں وہ سنسد یا ودھان پریشد سے کہہ کر اپنے ہاں راجیہ پریشد بنوا سکتے ہیں یہ سب وہاں کی ودھان سبھا کی مرضی پر ہے۔ اس وقت نیچے لکھے ہوئے راجیوں میں ودھان پریشدیں ہیں۔

۱۔ اتر پردیش
۲۔ مدراس
۳۔ بمبئی
۴۔ بہار
۵۔ پنجاب
۶۔ میسور
۷۔ پچھمی بنگال

ودھان پریشد چھوٹا ایوان ہوتا ہے۔ اکثر تو وہ ودھان سبھا سے چوتھائی سے بھی کم ہوتا ہے۔ مگر اس کے ممبر ۴۰ سے کم نہیں ہوتے اتر پردیش، مدراس، بہار اور بمبئی۔ ان میں سے ہر ایک کی ودھان پریشد میں ۷۲ ممبر ہیں۔ پچھمی بنگال کے ودھان پریشد میں ۵۱ اور پنجاب اور میسور کی پریشدوں میں چالیس چالیس ممبر ہیں۔

ودھان پریشد کے ممبر کیسے چنے جاتے ہیں؟ انہیں چننے کے لئے ۲۱ برس کا ہر ایک شخص ووٹ نہیں دیتا۔ ان کے ممبر میونسپل کمیٹیاں اور تعلیمی ادارے وغیرہ چنتے ہیں۔

ودھان پریشد پانچ برس بعد نہیں ٹوٹتی

مگر اس کے ایک تہائی ممبر ہر دوسرے برس کے ختم ہونے پر بدل دئے جاتے ہیں جن راجیوں میں ودھان پریشد ہوتی ہے وہاں سارے قانون دونو ایوانوں کی منظوری سے پاس ہوتے ہیں۔ لیکن اگر ودھان پریشد کسی قانون کو پاس نہ کرے اور ودھان سبھا اسے دوبارا پاس کر دے تو وہ پاس سمجھا جاتا ہے اور لاگو ہو جاتا ہے۔ اس طرح ودھان سبھا کے ہاتھ میں ہی زیادہ طاقت ہے۔ کیوں کہ وہ جنتا کا چنا ہوا ایوان ہوتا ہے۔ اس کی منظوری کے بغیر روپیہ پیسہ خرچ نہیں کر سکتے۔

راجیہ پال یا راج پرمکھ اور ودھان سبھا اور ودھان پریشد ان تینوں کو ملا کر ودھان منڈل کہتے ہیں۔ جہاں ودھان پریشد نہیں ہوتی وہاں ودھان منڈل میں صرف ودھان سبھا اور راجیہ پال یا راجیہ پرمکھ ہوتے ہیں۔

(۵) سنگھ اور راجیوں کا تعلق۔

ہم نے تمہیں بتایا ہے کہ سنگھ اور راجیوں کے کام الگ الگ ہیں۔ اور سموِدھان میں ان کی الگ الگ فہرستیں بھی دی ہوئی ہیں۔ وہ ایک دوسرے کے کام میں دخل نہیں دے سکتے۔ اسی طرح اس کا کام چلانے میں روپے پیسے کا بھی الگ الگ انتظام کر دیا گیا ہے۔ تم جانتے ہو کہ سرکار ٹیکس لگا کر دھن اکٹھا کرتی ہے۔ سموِدھان (دستور) میں لکھا ہوا ہے کہ سرکار انکم ٹیکس یعنی آمدنی پر ٹیکس لگا سکتی ہے۔ اور دیسوں سے آنے والے مال پر بھی ٹیکس لگا سکتی ہے۔ بھارت میں بننے والے مال پر بھی ٹیکس لگا سکتی ہے۔ ٹیکس کے یہ سب ذریعے سنگھ کے کاموں کی فہرست میں دئے ہوئے ہیں

اِدھر راجیہ کی سرکار کو زمین پر لگان لگانے کا حق ہے۔ شراب وغیرہ پر ٹیکس لگانے کا حق ہے۔ یہ سب ٹیکس راجیہ کے کاموں کی فہرست میں دئے ہوئے ہیں

اب یہ سوال اٹھتا ہے۔ کہ اگر سنگھ کی فہرست اور راجیوں کی فہرست کے کسی معاملے پر راجیہ کی سرکار اور سنگھ سرکار میں جھگڑا ہو جائے تب کیا ہو؟

فرض کیا کوئی راجیہ سرکار کسی چیز پر ٹیکس لگا دے اور بھارت سرکار یہ کہے کہ اُسے اس چیز پر ٹیکس لگانے کا حق نہیں کیونکہ وہ راجیہ کی فہرست میں ہے۔ تب کون فیصلہ کرے گا؟

ہم شائد شروع میں تمہیں بتا چکے ہیں کہ بھارت

یعنی سپریم کورٹ ہے۔ جو دیس کی سب سے بڑی عدالت ہے۔ وہی سمودھان (دستور) کی حفاظت کرتی ہے۔ راجیوں کی سرکاریں اور سنگھ سرکار کے بیچ کے جھگڑوں کا بھی وہی فیصلہ کرتی ہے اسی طرح دو راجیوں میں آپس میں جھگڑا ہونے پر بھی وہی عدالت اس کا فیصلہ کرتی ہے

سپریم کورٹ کے ججوں کو راشٹرپتی مقرر کرتا ہے۔ مگر وہ انھیں ہٹا نہیں سکتا۔

بچوں کی برادری

۳۱ جولائی ۱۹۵۰ء کو ساڑھے چار بجے شام جناب عبدالوہاب نشتر صاحب کی صدارت میں "وائٹ ہاؤس" میں ہم ممبروں کی ایک جنرل میٹنگ ہوئی۔ اس میٹنگ میں برادری کے تمام ممبر شریک تھے۔ صدر صاحب نے پہلے "پیام برادری" سے ہم لوگوں کا تعارف کرایا اور برادری کی شاخ قائم کرنے کی تجویز پیش کی جس کو تمام حاضرین نے بڑی خوشی سے منظور کیا ساتھ ہی ساتھ برادری کے قواعد پر بھی ایک ہلکی سی روشنی ڈالی۔ اس برادری کے بڑھانے کے لئے فوراً ایک کمیٹی بنائی گئی جس کے ممبر حسب ذیل چنے گئے ہیں۔

(۱) جناب عبدالوہاب نشتر صاحب = (صدر)
۲ جناب جمال احمد قادری نسیم ۔ (نائب صدر)
۳ جناب شبیر احمد رضوی صاحب۔ (سیکریٹری)
۴۔ جناب عبدالمتین جوہر صاحب (نائب سیکریٹری)
۵۔ جناب عبدالمغنی حلیمی صاحب (خازن)
۶۔ جناب اکبر حسین خاں صاحب (صدر شعبہ مراسلات)

اس میٹنگ میں ہم لوگوں نے یہ بھی طے کیا۔

۱۔ ہر مہینے کے آخر میں ایک مجلس منعقد کریں گے جس میں برادری کے تمام لوگ اچھے اچھے مضامین، نظمیں اور غزلیں سنائیں گے۔
۲۔ اپنے شہر یا گاؤں کی صفائی کا خاص انتظام کرینگے
۳۔ گاؤں کے بڑے بوڑھے ان پڑھوں کو پڑھائیں گے
۴۔ برادری کے ممبروں کی تعداد بڑھائیں گے

صدر شعبہ مراسلات
اکبر حسین واحدی
ہسوہ (گیا)

بچوں کی کوششیں

عقل مندی

انور انصاری (مبری)

جب کولمبس امریکہ سے لوٹ کر اسپین آیا تو وہاں کے بادشاہ اور شاہزادی نے اس کی بڑی عزت کی اور اسے کئی دعوتیں دیں۔ اس سے دربار کے امیر وزیر کولمبس سے جلنے لگے۔ وہ چاہتے تھے کہ اسے کسی طرح بادشاہ کی نظروں میں گرادیں۔

ایک دفعہ کولمبس چند نوابوں اور امیروں کے ہمراہ ایک دعوت میں شریک تھا۔ وہاں امیروں اور نوابوں نے یہ کہنا شروع کیا کہ کولمبس نے امریکہ معلوم کرلیا تو کیا بڑی بات کی۔ یہ کام تو ہم میں سے ہر شخص کر سکتا تھا۔ جب کولمبس نے یہ سنا تو انہیں شرمندہ کرنے کے لئے ایک ترکیب سوچی۔ اس نے ایک انڈا ان کو دیا اور کہا۔ "کسی طرح اس کو ایک سرے پر کھڑا کر دیجئے۔" سب لوگوں نے باری باری انڈے کو سیدھا میز پر کھڑا کرنے کی کوشش کی۔ مگر یہ بات کسی سے نہ ہو سکی۔ آخر کولمبس نے کہا "لاؤ میں تمہیں ترکیب بتاؤں" کولمبس نے انڈے کے ایک سرے کو آہستہ سے توڑ دیا پھر اس سرے پر انڈے کو میز پر سیدھا کھڑا کر دیا۔ نوابوں اور امیروں نے یہ دیکھ کر کہا "یہ کون سی بڑی بات ہے۔ یہ تو ہم بھی کر سکتے تھے" کولمبس نے جواب دیا۔ "جب کوئی کام ہو جائے تو یہ کہنا بہت آسان ہو جاتا ہے کہ یہ ہم بھی کر سکتے تھے۔ لیکن شروع شروع میں نہ کسی کو اس کے کرنے کی ترکیب سوجھتی ہے اور نہ کرنے کی ہمّت ہوتی ہے"

کسی شخص نے خواب میں شیطان کو دیکھا یہ بڑی سی داڑھی مولویوں کی سی شکل بنائے اسے بڑا تاؤ آیا۔ کم بخت اتنی

بڑی داڑھی رکھ کر تو لوگوں کو دھوکا دیتا
ہے. اور اس کی داڑھی پکڑ کر ایک طمانچہ
ارا۔ دوسرا مارنا چاہتا تھا کہ آنکھ کھل گئی
بے چارا اپنی داڑھی پکڑے ہوئے تھا،
طمانچے کی چوٹ سے گال سرخ ہو گیا تھا

سید رضوان غنی دیوبندی

آج سے کوئی دو یا تین سال پہلے
کی بات ہے۔ ایک چھوٹا سا گاؤں تھا۔ منو
و چھنو دو لڑکے اس میں رہتے تھے بچپن کا
زمانہ تو کھیل کود میں بیتا۔ بڑے ہوئے تو اسکول
میں داخل کئے گئے۔ دونوں کا داخلہ ایک ساتھ ایک
ہی کلاس میں ہوا۔ منو بڑا محنتی اور وقت کا پابند
تھا۔ اپنا قیمتی وقت وہ کتابوں کے مطالعہ میں
صرف کرتا تھا۔ وقت پر اسکول جاتا۔ گھر کا
سبق یاد کر ماسٹروں کو سناتا۔ لیکن چھنو ان
باتوں سے بالکل علیحدہ تھا۔ اور اپنا
سارا وقت کھیل کود میں گنواتا تھا۔
سالانہ امتحان نزدیک آیا منو کی تیاری
پہلے سے ہی اچھی تھی تھوڑی محنت کی امتحان
دیا اور اچھے نمبروں سے کامیاب ہوا
لیکن چھنو وقت کم ملنے کی وجہ سے پوری تیاری
کر ۔۔۔ اور امتحان میں ناکامیاب رہا جس
میں چھنو کو اپنی ناکامیابی کا زبردست صدمہ
ہوا۔ لیکن اب کیا ہوتا ہے۔ پہلے سے تو
اس نے اپنے قیمتی وقت کی قدر نہ کی

امین صاحب کی جب کوئی چیز گم ہو
جاتی تو وہ اپنا کوئی ضروری خرچ روک
لیتے۔ یوں پیسے جمع کر کے وہ چیز پھر لے
آتے۔ ایک دفعہ امین صاحب کی چادر
گم گئی پھر کیا تھا۔ فوراً انھوں نے ارادہ
کیا کہ اب اپنی داڑھی نہیں بناؤں گا
جب تک اس کے دام جمع نہ کر لوں
گا۔ جب وہ اٹھارویں دن داڑھی بنوانے
شہر جا رہے تھے تو ان کو ایک آدمی ملا
جس کی داڑھی بہت لمبی تھی۔ امین صاحب
نے کہا "کیا آپ کا بستر کھو گیا ہے"

محسن حامد خاں

ایک قلعہ میں برج ہزار برج برج میں پہرے دار
کیسا عمدہ گھر ہے بنایا نا مالی نا چونا لگایا۔

نٹ چڑھے بانس بڑھے نٹ اترے گھٹ جائے
اور انوکھی بات سنو نٹ میں بانس سمائے
(۱) بھڑیوں کا چھتا (۲) مکڑی۔　　　تحسین حامد خاں

خط کتابت

آپ رسالے میں ان کتابوں کا اعلان کیا کریں تو اچھا ہے۔ جو آپ کے یہاں چھپتی ہیں تاکہ ہم کتابیں منگا سکیں
اقبال مراد آباد

بہت مناسب تجویز ہے آئندہ اس پر عمل ہوگا۔ ایڈیٹر

آپ کے رسالے میں مضامین چھپنے کی کیا شرائط ہیں۔ مہربانی فرماکر بتا دیجیے۔ مراد آباد

مضمون خود بچوں کے لکھے ہوئے ہوں مختصر ہوں استاد نے اصلاح بھی لے لی گئی ہو۔ - ایڈیٹر۔

آپ کے رسالے میں صفحے بہت کم ہیں چند صفحے اور بڑھا دیجیے اس طرح اشاعت بھی بڑھ جائے گی۔ - محمد احمد مراد آباد

بات تو ٹھیک ہے۔ پر بھئی محمد احمد صاحب ایسا کیوں نہ ہو آپ اس کے خریدار بڑھائیں اور ہم صفحے بڑھائیں۔ ایڈیٹر

سوال کلکتہ اور بمبئی کس وجہ سے دنیا بھر میں مشہور ہیں۔ فرخ آباد

دونوں صنعت اور تجارت کا مرکز ہیں خصوصاً سمندری تجارت کا۔ اور تمہیں یہ بھی معلوم ہے کہ کلکتہ بالکل نیا شہر ہے۔ اب سے ۲۷۰ برس پہلے ایک انگریز سوداگر نے دریائے ہگلی کے بائیں کنارے پر ۱۶۹۰ء میں اس کی بنیاد رکھی تھی پہلے دو تین گاؤں آباد تھے۔ ان میں سے ایک کالی کٹ تھا۔ آبادی برابر بڑھتی رہی اور کالی کٹ سے کلکتہ ہو گیا۔ یہ شہر سمندر سے کل اسی میل ہے۔ ہگلی کے ذریعے جہاز آتے جاتے ہیں۔ ہگلی کی بندرگاہ دنیا میں سب سے مصروف بندرگاہ ہے۔ کلکتے میں بہت سے صنعتی کارخانے ہیں۔ جیوٹ کی ملیں ہیں۔

اور بھئی بمبئی اصل میں جزیرہ ہے۔ پہلے مچھیروں کی آبادی تھی پھر یہ ہندو حکومتوں کے قبضے میں آیا۔ پہلا شہر وہاں آباد ہوا جہاں الفنٹا کے غار ہیں پھر ماہم میں پھر یہ جزیرہ مسلمانوں، پرتگیزوں، آخر میں انگریزوں کے قبضے میں آیا بس تبھی سے اس کی ترقی شروع ہوئی۔ یہ بہترین قدرتی بندرگاہ ہے۔ یورپ اور ایشیا کی تجارت کا مرکز ہے سوتی کپڑوں کی بہت سی ملیں اور دوسرے صنعتی کارخانے ہیں۔ ایڈیٹر

سوال پیام تعلیم کا سب سے پہلا پرچہ کب نکلا تھا۔ ٹیشال جامعہ نگر

جواب۔ تمہارا پیام تعلیم اب سے کوئی چھتیس سال پہلے اپریل ۱۹۲۶ء میں نکلا تھا۔ اس وقت اس کا سائز ڈیوڑھا تھا اور پندرہ روزہ نکلتا تھا۔ اس زمانے میں حکیم اجمل خاں مرحوم امیر جامعہ تھے اور عبدالمجید خواجہ صاحب (موجودہ امیر جامعہ) شیخ الجامعہ تھے۔ ان دونوں کے پیام رسالے میں چھپے تھے۔ افسوس ہے کہ پیام تعلیم کے پرانے فائل ۱۹۴۷ء کی گڑبڑ میں ضائع ہو گئے یہ قیمتی اور تاریخی پرچے تھے۔ - ایڈیٹر

हमारे बालोपयोगी प्रकाशन !

१—धूल-भरे-हीरे (कविता संग्रह)

[लेखक—श्री० अशोक बी० ए० 'विशारद']

जिन्होंने अपने जीवन में अनेक बालोपयोगी पुस्तकों की रचना की है। धूल-भरे हीरे आपका नवीन बालोपयोगी कविता संग्रह है। बिल्कुल अनोखा है। इस संग्रह में बालकों के मनोविज्ञान को ऊपर उठाने वाली कविताएं हैं। रचनाओं से जहां बालकों की मानसिक भूख मिटेगी, वहां दूसरी ओर उनका यथेष्ट मनोरंजन भी होगा। कविताएं भारत के सभी बालोपयोगी पत्रों में प्रकाशित हो चुकी हैं। मूल्य केवल १)। अपनी प्रति के लिए जल्दी लिखें।

२—ईमानदारी

[लेखक—डा० ज़ाकिर हुसेन]

शिक्षाप्रद नाटक। मूल्य छः आना।

३—बिजली की कहानी

[लेखक—अलीअहमद खां]

सरल भाषा में आजकल के सब से महत्वपूर्ण आविष्कार की कहानी। मूल्य छः आना।

४—एवरेस्ट की कहानी

[लेखक—प्रो० आल अहमद सरूर]

संसार के सब से ऊंचे पर्वत की चढ़ाइयों की रोचक और साहस बढ़ाने वाली कहानियाँ।
मूल्य छः आना।

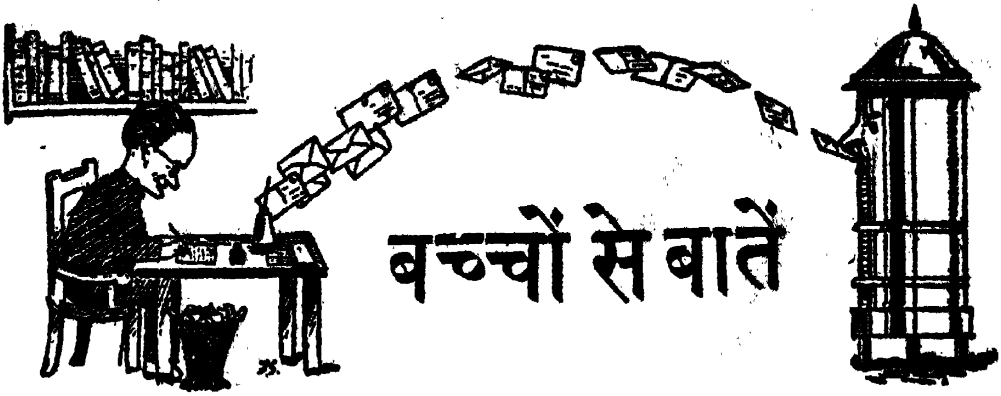
५—साहस के फल

[लेखक—श्री अब्दुल वासे बसरी]

बच्चों का उत्साह बढ़ाने वाली सच्ची मनोरंजक कहानियां। मूल्य छः आना।

मिलने का पता—

मक्तबा जामिआ लि०, जामिआ नगर देहली



भारत के बड़े बड़े नगरों की आबादी

(१६४१ की जनगणना के अनुसार)

अहमदाबाद	५६१,२६७	मुरादाबाद	१४२,४१४
आगरा	२८४,१४६	मैसूर	१५०,५४०
इलाहाबाद	२६०,६३०	लखनऊ	३८७,१७७
कलकत्ता	२,६२३,०००	शोलापुर	२१२,६२०
कानपुर	४८७,३२४	श्री नगर	२०७,७८७
गया	१०५,२२३		
जयपुर	१७५,८१०		
जमशेदपुर	१४८,७११		
जब्बलपुर	१७८,३३६		
झांसी	१०३,२५४		
देहली	१,५१३,१७७		
नागपुर	३०१,६५७		
पटना	१७५,७०६		
पूना	२५८,१६७		
बनारस	६२३,१००		
बड़ौदा	१५३,३०१		
बम्बई	१,४८६,८८३		
मद्रास	७७७,४८१		

(५वें पृष्ठ का शेष)

करोड़ इन्सान, जिनमें मर्द भी थे और औरतें भी, बच्चे भी थे और बूढ़े भी, मुसल्मान भी थे और हिन्दू भी, ब्राह्मण भी थे और हरिजन भी, राजा भी थे और भिखारी भी, सब उसके लिये एक थे। उसके दिल में सब के लिए एक सा प्रेम था—

हरि मूरत बना कहानी सुन रहा था। माता जी को यह देख कर बड़ा आनन्द हुआ कि उस पर इतना असर है जैसे एक एक बात उसके दिल में उतर गई हो। उन्होंने उठ कर खिड़की बंद की जिसमें से बड़ी ठंडी हवा आ रही थी।

मेरा देश

मेरा देश मेरा देश !
चांदी सोने वाला देश,
मोती माणिक वाला देश,
हीरे पन्नों वाला देश,
मेरा देश मेरा देश !

बाग़ बगीचों वाला देश,
हँसते फूलों वाला देश,
तितली भौंरों वाला देश,
मेरा देश मेरा देश !

वही हिमालय वाला देश,
गंगा यमुना वाला देश,
दिल्ली, मथुरा वाला देश,
मेरा देश मेरा देश !

ऋषियों मुनियों वाला देश,
तुलसी नानक वाला देश,
प्यारे बापू वाला देश,
मेरा देश मेरा देश !

—श्री सुधीर

हमारा पड़ौसी—तिब्बत

यदि हम भारतवर्ष के नक्शे को ध्यान से देखें तो हम उत्तर में हिमालय पर्वत से भी ऊपर की ओर तिब्बत का नाम लिखा देखेंगे। तिब्बत मध्य एशिया का एक मुख्य देश है। यह संसार का सबसे ऊँचा देश है। यह उत्तर में सिंक्याँग पूर्व में चीन, पश्चिम में काश्मीर और लद्दाख, और दक्षिण में भारतवर्ष से घिरा है। यहाँ की आबादी लगभग ३०००-००० है। इनमें धार्मिक नेता, साधु, पशु-पालक, किसान आदि सम्मिलित हैं।

ऊँचाई पर स्थित होने के कारण तिब्बत में सरदी अधिक होती है। सरदी में पश्चिम की ओर बर्फ अधिक पड़ती है और गरमी में दक्षिण पूर्व की ओर वर्षा अधिक होती है।

तिब्बत में सोना बहुत अधिक पाया जाता है। पूर्वी तिब्बत में लोहा और पश्चिमी प्रदेश की झीलों में नमक आदि भी पाए जाते हैं। नदियों की घाटियों में अंगूर, सेब आदि फलों के बाग और अनेक प्रकार की लकड़ी के बन भी पाए जाते हैं। इन बनों में अनेक प्रकार के पशु मिलते हैं। दक्षिण पूर्व की घाटियों के खेतों में गेहूँ, जौ आदि की खेती भी की जाती है।

यहाँ के कुछ निवासी पशुओं का पालन करते हैं और कुछ खेती करते हैं। ऊन कातने और बुनने का काम भी इन्हें अत्यन्त प्रिय है। यहाँ के अधिकतर निवासी बौद्ध हैं। बुद्ध धर्म के प्रभाव के कारण ही यहाँ के निवासियों ने सब कलाओं में बहुत उन्नति की है। चित्र पत्थर धातु तथा लकड़ी की मूर्तियें बनाने में तिब्बत वासी किसी देश से भी पीछे नहीं।

तिब्बत पर दालाई लामा राज्य करता है। वह लासा के निकट एक महल में रहता है। नागरिक और धार्मिक बातों में उसकी ही आज्ञा मानी जाती है।

तिब्बत निवासी अत्यन्त प्रसन्न चित्त हैं। घोड़े की सवारी उन्हें अधिक प्रिय है। भोजन में दूध से बनी चीजें, माँस, जौ का आटा, पनीर और चाय का प्रयोग अधिक करते हैं। यहाँ सरदी इतनी अधिक होती है कि बौद्ध धर्म को मानने पर भी इन लोगों को माँस खाना पड़ता है। धार्मिक उत्सवों पर यह लोग नाच गा कर और अनेक प्रकार के नाटक करके अपना मनोरंजन करते हैं। यहाँ के लोग आपस के व्यवहार और शिष्टाचार का बहुत ध्यान रखते हैं। छोटे और बड़े सब से बातचीत करने के लिये इनके कुछ नियम होते हैं जिनका पालन धनी और निर्धन सब को करना पड़ता है।

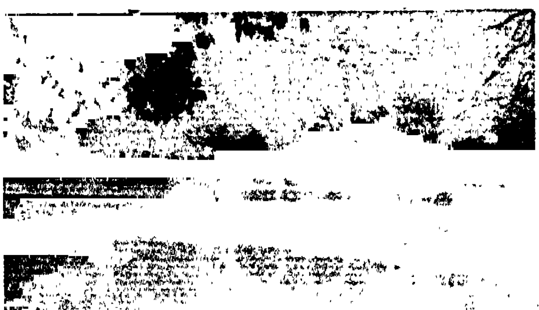
—श्री नगीन चन्द

गोबर जो विशेष रूप की खाद है बना दी जाती है। यदि गोबर को जलाया न जाय और खाद के काम में लिया जाये तो अन्न की कमी कमी हो ही नहीं सकती।

वृक्ष का जीवन तो प्राणी मात्र की सेवा में अर्पण हुआ है। यह फल, फूल तथा पत्ते देता है जिनसे प्राणी अपना पेट भरते हैं। ठंडक तथा छाया देता है। वायु मण्डल को साफ तथा लाभदायक बनाता है। आक्सीजन गैस पैदा करता है जिस पर मनुष्य जीवित है और विशैली गैसों से अपना पेट भरते हैं। इसकी जड़ें तथा छालें औषधियां बनाने के काम आती हैं। इसकी छालें रंगाई के काम आती हैं और जानवरों की खालों को इसी से साफ किया जाता है। पशु पक्षियों को बसेरा देता है। इसी लिये हमारे शास्त्रों में पेड़ उगाना प्रत्येक व्यक्ति के लिये धर्म रूप समझा गया है और मत्स्य पुराण में यह कह दिया गया है कि एक पेड़ उगा कर मनुष्य देश का उतना उपकार करता है और पुण्य प्राप्त करता है जितना १० नेक पुत्र पैदा करके।

प्रकृति का सौन्दर्य तो उन्हीं पर निर्भर है। इन्हीं के द्वारा वह अपने यौवन से मनुष्य को अपनी ओर आकर्षित करती है। कवियों तथा लेखकों ने तो प्रकृति के वर्णन से संसार को मुग्ध कर दिया है।

—श्री शिवचरण सिंघल



वन महोत्सव

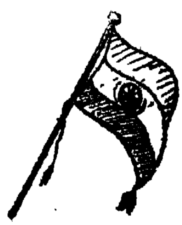
हमारे देश में "वृक्ष लगाओ आंदोलन" हो रहा है। इस आंदोलन के नेता केन्द्रीय सरकार के खाद्य मन्त्री माननीय श्री के. एम. मुंशी हैं। यह देखा गया है कि पिछले कई वर्षों में देश में वृक्षों की संख्या काफी गिर चुकी है और यही गति रही तो वृक्षों की संख्या बहुत कम हो जायगी। इस घटती हुई वृक्षों की संख्या ने भारतवर्ष की दो समस्याओं पर बड़ा प्रभाव डाला है। उनही दोनों समस्याओं का प्रभाव देश पर पड़ा है। यह समस्यायें आर्थिक तथा भोजन की कमी के रूप में हमारे सामने खड़ी हैं।

खाद्य समस्या ने हमारी सरकार का कई वर्ष से नाक में दम कर रखा है। देश में प्रति वर्ष अन्न की कमी पाई जाती है। अन्न इतनी अधिक मात्रा में उत्पन्न नहीं होता कि जिससे देश का काम चल सके। इसका मूल कारण है वर्षा का न होना, अथवा ठीक समय पर न होना। श्री मुंशी जी ने यह बतला ही दिया है कि वृक्षों से वर्षा होती है, वर्षा से अन्न और अन्न के ऊपर जीवन निर्भर है (Tree means water, water means bread, and bread is life.) वृक्षों से वायु मण्डल कुछ ठण्डा रहता है। जिससे बादल ठण्डक पाकर बरसते हैं। यदि वृक्ष न होते तो अक्सर बादल पहाड़ों पर ही बरस कर रह जाते। इसके अतिरिक्त वृक्षों की जड़ें पृथ्वी की उपजाऊ मिट्टीको इतनी कस कर पकड़े रहती हैं कि वह मिट्टी वर्षा के पानी से सिमट कर नदी नालों में नहीं बह सकती। इसको हम अंग्रेजी में Erosion कहते हैं। दूसरे वृक्ष जमीनों में खांचे भी नहीं पड़ने देते। इसके पश्चात् वृक्ष जो नदियों के किनारे उगे होते हैं या पहाड़ों पर जहां से नदियां निकलती हैं, नदियों में बाढ़ों को आने से रोकते हैं और हजारों गांवों और शहरों को डूबने से बचाते हैं।

अब मैं यह बतलाता हूँ कि इनके न होने से आर्थिक स्थिति कैसे बिगड़ रही है। भांति भांति के द्रव्यों की खानों के समान जंगल भी देश के धन को बढ़ाते हैं। वृक्षों की लकड़ी मनुष्य के हजारों कामों में आती है। इसको जला कर मनुष्य अपने पेट को भरने के लिए रोटी पकाता है। लकड़ी की कमी ने यह दशा लादी है कि देश की बहुमूल्य वस्तु पानी

के पास पहुंचता है तो तमाम दुनिया उसके पैरों के नीचे आ जाती है। मगर होता तो यही है कि अगर आप अपने प्रेम, जिसे आप अहिंसा भी कह सकते हैं, को इस तरह प्रकट करें कि उसका गहरा प्रभाव आप नामी दुश्मन पर पड़े तो वह भी आपसे प्रेम करनेको लाचार हो जायगा।

इस बात से एक बात और निकलती है कि इन सिद्धांतों में दिन दहाड़े की जाने वाली हत्याओं के लिये कोई गुंजायश नहीं है। न किसी और तरह की हिंसा का चाहे वह देश के लिये हो या उन गरीबों के मान और आदर की रक्षा के लिए की जाय जिनके आप रक्षक हैं। अहिंसा का सिद्धान्त तो हमें यह सिखाता है कि जो हमारी रक्षा में हैं उनकी इज्जत और आबरू को बचाने के लिए हमें अपने को हत्यारे के हवाले कर देना चाहिए और स्पष्ट है कि इसके लिए घूंसा मारने से कहीं अधिक शरीर और चरित्र की शक्ति की जरूरत होती है। हो सकता है कि आपके शरीर में कुछ ताक़त हो और आप इस ताकत का इस्तेमाल भी कर सकते हों मगर उसकी एक हद होती है। इस के बाद क्या होगा? हिंसा के प्रयोग के बदले में आपकी हिंसा आपके सामना करने वाले के गुस्से को और भी बढ़ा देगी और आपको समाप्त करने के बाद वह अपनी हिंसा का शिकार उनको बनाती है जिनकी रक्षा का भार आप पर है। लेकिन अगर आप बदला न लें बल्कि सामना करने वाले और अपने आधीन रहने वालों के बीच में आ कर अपने ऊपर चोट सह लें तो इसका नतीजा क्या होगा? मैं आपको यकीन दिलाता हूँ कि उसकी सारी हिंसा आप पर ही खर्च हो जायगी और आप जिनकी रक्षा करना चाहते हैं वे साफ़ बच जावेंगे।



अहिंसा का सिद्धान्त

महात्मा गांधी जीवन भर अहिंसा और सत्य का पाठ पढ़ाते रहे। अहिंसा का रहस्य पूज्य बापू के ही शब्दों में यहां दिया जा रहा है। —सम्पादक

अहिंसा शब्द का अर्थ है 'वध न करना' परन्तु मेरे समीप तो इसका अर्थ बहुत बड़ा है। यह अर्थ मुझे उन ऊंचाइयों तक ले जाता है जहां तक, यदि मैं अहिंसा का अर्थ केवल 'हत्या न करना' समझता, तो कभी न पहुँच पाता। असल में अहिंसा का अर्थ तो यह है कि आप से किसी को दुख न पहुँचे, आपके दिल में ऐसे आदमी के लिए भी बुरा विचार न आए जो आपको अपना दुश्मन समझता है। देखिए मैं शब्दों के प्रयोग में कितना चतुर हूँ। मैंने यह नहीं कहा आप जिसे अपना दुश्मन समझते हैं बल्कि जो आपको अपना दुश्मन समता है। जो अहिंसा के सिद्धांत पर चलता है उसके लिए दुश्मन की गुंजाइश ही बाक़ी नहीं रहती। मगर हो सकता है कि कुछ व्यक्ति ऐसे भी हों जो अपने को उसका दुश्मन समझते हों। स्पष्ट ही है कि इसका इलाज उसके पास नहीं। हो तो हमें अपने दिलों में ऐसे लोगों की तरफ से भी कोई बुरा भाव पैदा न होने देना चाहिए। अगर हम बुराई का जवाब बुराई से ही दें तो हम अहिंसा के सिद्धान्त से हट जाते हैं। मैं तो इससे भी कुछ आगे बढ़ना चाहता हूं। अगर हम अपने किसी मित्र अथवा नामी दुश्मनके किसी काम से क्रोधित होते हैं तो वह भी अहिंसा के सिद्धांत से गिर जाने के ही बराबर है। जो लोग आश्रम में आना चाहते हैं उनको अहिंसा का यह अर्थ स्वीकार करना होगा। इसका यह मतलब नहीं कि हम वास्तव में अहिंसा के सिद्धांतों का पालन करते हैं। इसके विपरीत यह तो एक आदर्श है जिस तक हम पहुँचना चाहते हैं। हां अगर हममें इसकी योग्यता होती तो हम अभी इस उद्देश्य को पा लेते। अगर आप इन सिद्धांतों का पालन करना चाहते हैं तो इसके लिए भारी कोशिश करनी होगी। यह होने पर भी मुझे और आप को इस मंजिल तक पहुँचना ही है। मैं इन सिद्धांतों के बारे में इससे अधिक कुछ नहीं कहूंगा कि वह इन्सान जो इन सिद्धांतों की सच्चाई में विश्वास रखता है जब अपनी मंजिल

राष्ट्र वन्दना

कांटों पर से चलने वाले
हम छोटे नादान नहीं हैं
कष्टों में मुसकाने वाले,
हम भोले अनजान नहीं हैं।

हमें न आंधी पानी से डर
हम तो पथ पर बढ़ने वाले,
हम ही थे वे वीर बहादुर
भारत माता के रखवाले।

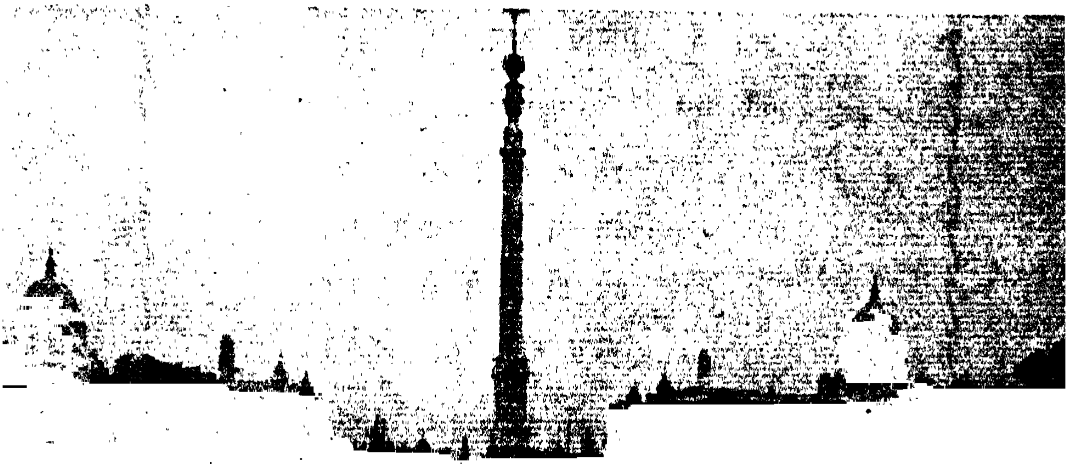
हम बापू के प्यारे बालक
सुन लो सुन्दर ध्येय हमारा।
हम स्वदेश के वीर सिपाही
सुन लो सुन्दर गेय हमारा

जब तक रग में खून बहेगा,
जब तक तन में प्राण रहेगा।
मेरा झंडा, यही तिरंगा,
नहीं झुकेगा, नहीं झुकेगा।

—श्री 'आदर्श'

चुनने के लिए लोक सभा, राज्य परिषद और सारे राज्यों की विधान सभाएं सब एकत्र होती हैं। उनके सदस्य जनता के प्रतिनिधि होते हैं और जनता की ओर से वे राष्ट्रपति को चुनते हैं। लोक सभा का सदस्य सात लाख लोगों का प्रतिनिधि होता है, इसलिए वह सात लाख मत देता है। विधान सभा का सदस्य कम लोगों का प्रतिनिधि होता है, इसलिए वह उतने ही मत देता है जितने लोगों का वह प्रतिनिधि होता है। इस प्रकार सब सदनों के सदस्य मत देते हैं और हिसाब लगाकर राष्ट्रपति को चुना जाता है।

—श्री मदन मोहन गुप्त



राष्ट्रपति डा० राजेन्द्र प्रस
का जुलूस

संविधान सिरीज़ का चौथा लेख

राज्यों की सरकारें

[पिछले अंक से आगे]

उच्च न्यायालय—

जैसे सारे भारत के लिए एक उच्चतम न्यायालय होता है वैसे ही प्रत्येक राज्य में एक उच्च न्यायालय भी होता है। उसके आधीन हरेक जिले में जिला न्यायालय और छोटे न्यायालय भी होते हैं। छोटे न्यायालयों की अपील जिला न्यायालयों में और फिर उच्च न्यायालयों में की जाती है। अन्तिम अपील उच्चतम न्यायालयों में भी जाती है।

६. राष्ट्रपति और राज्य परिषद के चुनाव

हमने तुम्हें बताया है कि लोक सभा, विधान सभा, विधान परिषद आदि कैसे चुनी जाती हैं। पर हमने तुम्हें यह नहीं बताया था कि राष्ट्रपति को कौन चुनता है और संसद की राज्य परिषद् को कौन चुनता है।

राज्य परिषद के सदस्यों को सीधे जनता नहीं चुनती। उन्हें राज्यों की विधान सभायें चुन कर भेजती हैं। इसलिए वह राज्य परिषद् अर्थात् राज्यों की परिषद कहलाती है। राज्य परिषद के लिए उत्तर प्रदेश की विधान सभा ३१ सदस्य चुनती है, राजस्थान की विधान सभा ६ सदस्य चुनती है। इसी प्रकार बाकी राज्यों की विधान सभाएं भी सदस्य चुनती हैं जो कुल मिला कर २०५ होते हैं।

इन २०५ सदस्यों के अतिरिक्त उसमें १२ सदस्य और होते हैं जिन्हें राष्ट्रपति नाम-निर्देशित करता है। वे सदस्य ऐसे होते हैं जिन्हें साहित्य, विज्ञान, कला और सामाजिक सेवा का विशेष ज्ञान होता है या अनुभव होता है। इस प्रकार राज्य परिषद में १२ योग्य व्यक्ति रख दिए जाते हैं।

अब हम तुम्हें राष्ट्रपति के चुनाव का तरीका बताते हैं। राष्ट्रपति ऐसा व्यक्ति होना चाहिए जिसे सब राज्य चाहते हों और संसद के सदन भी चाहते हों। इसलिए उसे

जान कर उस पर तीर चला दिया। बेचारा घायल हो कर दर्द से तड़फने लगा। उस वक्त भी उसे अपने बूढ़े माता पिता का ख्याल सता रहा था। मरने से पहले उसने दशरथ ही के हाथ उन्हें पानी भिजवाया और कहा जब पानी पिला चुको तब मेरे मरने की खबर सुनाना। दशरथ ने वैसा ही किया। जब वह पानी पी चुके तब दशरथ ने श्रवण कुमार के मरने की खबर दी। बेचारे बूढ़े और कमजोर तो थे ही, इतने रोए और इतना रंज किया कि वहीं ठंडे हो गए। दशरथ ने श्रवण कुमार की चिता के साथ ही उसके मां बाप की चितायें भी तैयार की और तीनों को आग के सुपुर्द कर दिया।

हरि—अम्मा, फिर दशरथ को क्या हुआ?

मां—हां बेटा, दशरथ भी अपने बेटे के शोक में मरा।

हरि—अच्छा अम्मा, बाबा ने यह कहानी सुन कर क्या किया?



मां—बालक मोहन ने यह कहानियां सुन कर हरिश्चन्द्र की तरह सदा सच बोलने और श्रवण कुमार की तरह सदा दुखियों की सेवा करने की ठान ली। हरिश्चन्द्र और श्रवण कुमार अब हमेशा उसकी आंखों के सामने रहने लगे। श्रवण कुमार ने तो मां बाप ही की सेवा की पर मोहन दास ने बड़े हो कर करोड़ों इन्सानों की सेवा में अपना तन, मन, धन सब कुछ तज दिया। चालीस

शेष पृष्ठ १५ पर

भिखारी डोम के सामने हाथ फैलाये। इस बात को सुनते ही राजा हरिश्चन्द्र साधु के साथ डोम के घर गया और उसने अपने आप को डोम के पास गिरवी रख कर साधु का सवाल पूरा किया। साधु ने तो अपने घर की राह ली और डोम ने राजा को मरघट पर नौकरी बजाने भेज दिया। वहां वह चिता के लिये आग देता था और जो लोग मुर्दे लेकर जलाने आते थे उनसे टैक्स लिया करता था।

कुछ दिन बाद हरिश्चन्द्र का इकलौता बेटा रोहिताश्व मर गया। उसे जलाने के लिये रानी मरघट पहुँच कर चिता तैयार कर रही थी कि डोम के नौकर राजा ने बढ़ कर टैक्स मांगा।

रानी ने आंखों में आंसू भर कर कहा, "स्वामी, मेरे पास तो तन की इस धोती के सिवाय और कुछ भी नहीं।" राजा का दिल हिल गया पर उसके पांव नहीं डगमगाये। वह हिम्मत से काम लेकर बोला, "रानी, मैं मजबूर हूँ। मेरे स्वामी का हुक्म है कि चिता के लिए आग देनेसे पहिले टैक्स वसूल करो। यह धर्म निभाना मेरे लिए जरूरी है।" जैसे ही रानी ने धोती के आंचल पर हाथ डाला वैसे ही राजा और रानी की सच्चाई, उनका व्रत, और हिम्मत देख कर देवता काँप उठे। वे फौरन उड़नखटोले पर बैठ कर आपहुंचे। उन्होंने राजा के बेटे में फिर से जान डाल दी और राजा रानी और बेटे को डोम सहित वह वैकुण्ठ ले गये।

बेटा हरि, यह कहानी मोहन दास के दिल में घर कर गई। उसका जी चाहता था कि परमात्मा उसे हिम्मत दे कि वह भी सच्चाई की कसौटी पर हरिश्चन्द्र की तरह पूरा उतरे। बड़े होकर मोहनदास ने सचमुच सच्चाई के लिये अपनी जान की बाजी लगा दी और कसौटी पर ऐसा उतरा कि दुनिया दंग रह गई।

कहानी सुनाते सुनाते हरि की माता की आवाज भर्रा गई, थोड़ी देर बाद रुक कर फिर उन्होंने यों कहना शुरू किया।

श्रवण कुमार की कहानी

"दूसरों की सेवा करो"

दूसरी कहानी श्रवण कुमार की थी जिसे पढ़ कर मोहनदास ने लोगों की सेवा करना सीखा। श्रवण कुमार के मा बाप दोनों बूढ़े व अंधे थे। वह उन्हें हर जगह बहंगी में उठाये उठाये फिरता। मेहनत मजदूरी करके वह उनका पेट पालता और हर तरह सेवा करता। किस्मत का लिखा, दशरथ महाराज एक दिन जंगल में शिकार खेलने निकले। श्रवण नदी के किनारे अपने मां बाप के लिये पानी भर रहा था। दशरथ ने दूर से श्रवण को हरिण

गांधी बाबा

मिसेज़ क़ुदसिया ज़ैदी (रामपुर) ने बच्चों के लिये पूज्य बापू की एक बड़ी सुन्दर और रोचक कहानी लिखी है। यह कहानी बहुत बड़ी है और उसे मक्तबा जामिआ की ओर से पुस्तक के रूप में बहुत सुन्दर चित्रों के साथ छापा जा रहा है।

लेखिका ने गांधी बाबा की यह कहानी एक मां से अपने बच्चे हरी को सुनवाई है। इस लम्बी कहानी में बहुत से क़िस्से कहानियां भी आ गये हैं जो बापू को बहुत पसन्द थे।

नीचे हम बापू को बहुत पसन्द आने वाली दो कहानियां दे रहे हैं। देखो, उन्हें पढ़ने में कितना आनन्द आता है। सम्पादक

महाराजा हरिश्चन्द्र की कहानी

"सदा सच बोलो"

मां ने कहा : मोहनदास पर दो कहानियों का बड़ा असर पड़ा। उन में से एक राजा हरिश्चन्द्र की कहानी थी जिसका नाटक मोहनदास बार बार जाकर देखा करता था। कहानी यह है।

कहते हैं, हज़ारों वर्ष पहले हमारे देश में एक बहुत सच्चा और दानी राजा था। एक बार उसकी नगरी में बड़ा भारी अकाल पड़ा। राजा ने अपना सब कुछ बेच कर प्रजा की सेवा में लगा दिया और खुद कौड़ी कौड़ी को मोहताज हो गया। ईश्वर की करनी कि देवताओं को भी उसी घड़ी राजा के धर्म और सच्चाई को परखने की सूझी। एक देवता साधु का वेष बदल कर राजा से भीख मांगने आया। घर में जो कुछ था, राजा ने ला कर भिखारी को दे दिया। भिखारी ने फिर सवाल किया। तब राजा ने अपने दास दासी बेच कर दाम भिखारी के हाथ पर रख दिये।

भिखारी ने फिर कहा······राजा, मेरा काम इतने में नहीं चलेगा। तुम कहो तो पास ही जो डोम रहता है उससे भीख मांगूं। पर मुझे शर्म आती है कि राजा के दर का

सुमन की चाह

चाह नहीं, कोमल हाथों से,
संचित आज किया जाऊं।
चाह नहीं है, सुन्दरता से,
किसी हृदय को हर्षाऊं।
चाह नहीं है किसी गले में,
मैं मस्ती से मुसकाऊं।
चाह नहीं है, इष्टदेव की
प्रतिमा पर मैं चढ़ जाऊं।
चाह नहीं है, तोड़ा जा कर,
कुछ भी गौरव पाने की
चाह नहीं है, उन्नत होकर,
इस विधि नाम कमाने की।
भारत का सन्देशा लेकर,
शान्ति-दूत जो जाते हैं,
सब दुनिया को, बंधु-भाव का
पावन पाठ पढ़ाते हैं,
उन्हीं भारतीयों के पथ पर—
इच्छा है बिछ जाने की,
आज चाह है मुझको, माली,
जीवन सफल बनाने की।

—श्रीमती कृष्णा सहगल

प्याम तालीम

सचित्र मासिक [उर्दू-हिन्दी]

बाल पत्रिका

अक्टूबर १९५०, जामिआ नगर, दिल्ली

सम्पादक की ओर से

२ अक्टूबर को पूज्य बापू का जन्म दिन है। हम चाहते हैं कि हमारे प्यामी उस दिन महात्मा गांधी के जीवन और उनके आदर्शों के बारे में जानकारी प्राप्त करें। इसी लिए हमने इस अंक में ऐसे लेख दिए हैं जिनसे बापू के सिद्धान्तों पर प्रकाश पड़ता है। हम चाहते हैं कि उस दिन हमारे प्यामी कम से कम एक ऐसा छोटा या बड़ा नेक काम जरूर करें जो महात्मा गांधी के सिद्धान्तों और आदर्शों के अनुसार हो।

× × ×

कविताओं के चुनने में इस बात का ध्यान रक्खा गया है कि इस अंक की सब कवितायें राष्ट्रीय भावनाओं से भरी हों।

× × ×

संविधान सिरीज के लेख में नए संविधान के अनुसार राष्ट्रपति के चुनाव का तरीका बताया गया है। 'बन महोत्सव' में श्री सिंघल ने सरकार की "अधिक पेड़ लगाओ" नीति पर प्रकाश डालते हुए वृक्षों का महत्व और उनके लाभों की चर्चा की है।

× × ×

हम अपने प्यामी बन्धुओ, लेखकों और शुभचिन्तकों को हार्दिक धन्यवाद देते हैं जिनके सहयोग और शुभ कामनाओं से प्याम तालीम बराबर उन्नति कर रहा है और सर्वप्रिय होता जा रहा है।

[illegible] करने में कैसा आनन्द आया।

सम्पादक–मण्डल

मोहम्मद हसीन हसान

श्रीमती शाहिदा आबिद हुसैन

[illegible]

[illegible]

तालीम



अक्टूबर

१९५०

एक प्रति

।=)

वार्षिक

४)

OCT

लिमिटेड



جالی داشته کرمی-

جلد ۲۴ نمبر ۷

فہرست مضامین



چندہ

سالانہ للعہ/۴ روپے

ششماہی ۲/۲ روپے

فی پرچہ ۶/

پرنٹر پبلشر۔ محمد حسین حسان — جید پریس۔ دہلی



بچوں سے باتیں

"اکتوبر آگیا۔ جامعہ کا یوم تاسیس اس ہی مہینہ میں تو منایا جاتا ہے۔ پیامیوں کو یہ سن کر خوشی ہوگی کہ امسال جامعہ میں بچوں کا میلہ ۲۸ر اور ۲۹ر اکتوبر کو بڑے زور شور سے ہو رہا ہے اس میں ہمارے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو بھی تشریف لا رہے ہیں۔ آج کل جامعہ میں ہرطرف اس کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ جدھر دیکھو میلے کی باتیں سنائی دے رہی ہیں۔ ہم چاہتے تو یہ تھے کہ اس میلے کا سب حال ہم اپنے پیامیوں تک اسی دفعہ پہنچا دیں اور ہمارے وہ پیامی جو اس میلے میں نہ آسکیں گے وہ اسے پڑھ لیں۔ مگر میلے کی تاریخ کچھ ایسی پڑ رہی ہیں کہ ہمارے لئے یہ ممکن نہ ہوگا۔ لیکن ہم اگلے مہینے میلے کا پورا حال لکھیں گے۔

پیامیوں کے لئے یہ بڑی خوشخبری کی بات ہے کہ میسی صاحب پھر پیام تعلیم سے دلچسپی لے رہے ہیں اور اب خوب اچھی اچھی تصویریں بنائیں گے۔ اس مرتبہ دیکھو کتنی اچھی اچھی تصویریں بنی ہیں۔

اس مہینے کے پیام تعلیم کے بارے میں اپنی رائے لکھو۔

شریر کون

اشفاق

بہت دنوں کی بات ہے کہ افریقہ کے ریگستان میں دو شریر بچے تھے ایک لڑکا اور ایک لڑکی۔

یہ دونوں اپنے ماں باپ کو بہت پریشان کرتے تھے۔ کبھی وہ اپنے دادا کی عینک چھپا دیتے تھے اور کبھی جب اُن کے گھر کا کتا کھانا کھاتا ہوتا تو اس کے پیچھے سے اُس کی دُم زور سے دبا دیتے تھے جس سے وہ بھونکنے لگتا تھا اور اس طرح کتے کے منھ میں جو کچھ بھی ہوتا تھا وہ گر جاتا تھا۔ پھر دوسرا بچہ اس کو چھین کر بھاگ جاتا ـــ اور کتے بیچارے اپنا سا منھ لے کر رہ جاتے۔ ان بچوں کی مائیں باورچی خانہ کی بڑی دیکھ بھال رکھتی تھیں اس لئے کہ یہ بچے موقع پاکر سب کھانا چٹ کر جاتے تھے۔



ان کے ماں باپ انھیں شرارت کرنے پر مارتے تھے۔ سزا دیتے تھے، کبھی قفل لگا کر کسی کوٹھری میں بند کر دیتے تھے اور کبھی کبھی تو دن بھر کھانا ہی کھانے کو نہیں دیتے تھے لیکن ان کی شرارت میں کوئی کمی نہ آتی تھی۔

جب وہ اسکول جاتے تھے تو وہاں بھی اس قدر شرارت کرتے کہ بیچاری اسکول ماسٹرنی تنگ آجاتی تھی۔ اور یہ لوگ اپنی ہوشیاری، چالاکی سے سزا پانے سے بھی

بچ جاتے تھے۔

آخرکار ایک دن غریب اسکول ماسٹرنی کو انھوں نے اس قدر پریشان کیا کہ وہ اسکول کے باہر چیختی چلاتی اور بال نوچتی ہوئی نکل پڑی۔ اچانک سامنے ہی کالی دیوی آپہونچی۔۔۔ کالی دیوی نے بڑے تعجب سے پوچھا۔ تمھیں کیا ہوا۔۔۔

اسکول ماسٹرنی نے کہا کہ ارے مجھے ان بدمعاش۔ شریر بچوں نے بہت پریشان کر رکھا ہے۔ آپ انھیں پکڑ کر لیجائیں۔ اور سزا دیں۔

اسکول ماسٹرنی خود آگے بڑھی اور دونوں کو پکڑ کر گھسیٹتی ہوئی کالی دیوی کے سامنے لے آئی۔

اور کہا بدمعاشو! اب تمھیں سزا دی جائے گی۔۔۔ کالی دیوی نے انھیں یہ سزا دی کہ ان دونوں کے منھ پر کوئلہ مل کر کوّا بنا کر چھوڑ دیا۔۔۔

اس کے بعد ابھی تک کوّوں نے اپنی شرارتیں نہیں چھوڑیں اور آج بھی وہ اسی طرح سب کو پریشان کرتے ہیں جیسا کہ اس زمانے میں جب کہ وہ صرف دو شریر بچے تھے

بقیہ صفحہ ۱۶ سے آگے

"واہ بھائی خوب۔ کیسا شکار رہا۔ کیا مار کر لائے؟"

احمد نے بے ساختہ جواب دیا۔

"شیر جس کی دُم ۱۰۰ فٹ کی ہوگی"

"سو فٹ کی دُم"۔ لطیف نے دہرایا۔

رفیق نے احمد کو یاد دلانے کے لئے آہستہ سے کھانسنا شروع کر دیا احمد کو خیال آگیا کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے۔ چنانچہ اس نے کہا۔۔۔ "سو فٹ تو نہیں میں نے ذرا بڑھا کر بات کہی ہے۔

مگر ۷۵ فٹ سے کم تو نہ ہوگی۔

اس پر رفیق پھر سے کھانسا۔

احمد مسکرایا اور کہنے لگا۔

بھائی ۷۵ فٹ بھی ذرا زیادہ ہے لیکن ۵۰ فٹ سے تو کسی حالت میں کم نہ ہوگی۔

اب جو رفیق کھانسا تو احمد کو غصہ ہی آگیا۔۔۔ اور کہنے لگا۔

"میاں رفیق اب تم چاہے کھانستے کھانستے گلا پھاڑ دو مگر شیر کی دُم ۵۰ فٹ سے کم نہیں ہو سکتی بھلا یہ بھی کوئی بات ہوئی پچاس فٹ کم کر دی اور آپ کو تسلی نہیں ہوئی"

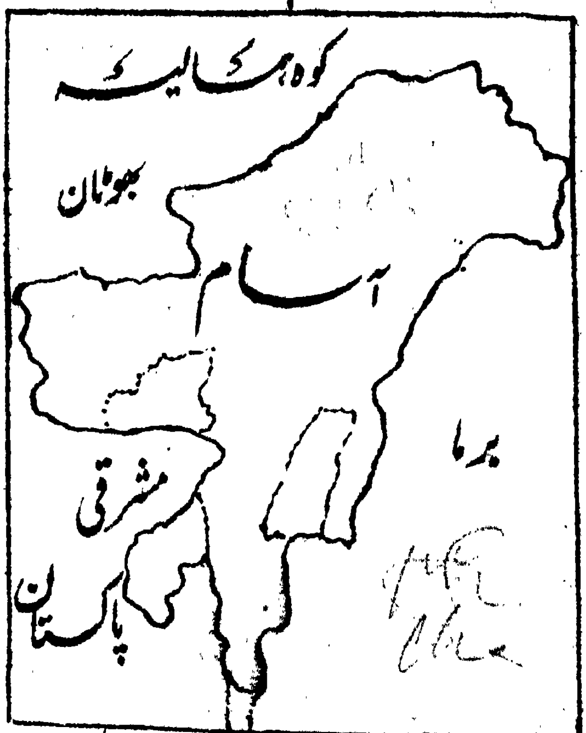
محمد اقبال احمد الٰہ آباد

آسام کا زلزلہ

محمد امین اعظمی

ہماری زمین لاکھوں کروڑوں سال پرانی ہے اور سائنس دانوں کا خیال ہے کہ اب وہ بڈھی ہو چلی ہے لیکن آسام کے زلزلہ نے یہ ثابت کر دیا کہ بہر حال اب بھی اس میں زندگی کافی ہے۔ اور ایک ذرا سے جھٹکے میں وہ پتہ نہیں کیا سے کیا کر سکتی ہے۔

۱۵ اگست کو جب کہ سارا ہندوستان یوم آزادی کی خوشی منا رہا تھا آسام زلزلہ کا شکار ہو گیا۔ یہ زلزلہ اتنا بڑا اور ہنگامہ خیز تھا کہ دیکھتے دیکھتے سارے صوبہ کا جغرافیائی نقشہ بدل گیا۔ خوش قسمتی سے یہ زلزلہ شام کو ۸ بج کر ۴۰ منٹ پر آیا جب کہ لوگ گھروں کے اندر کم رہتے ہیں اس لئے جان کا نقصان زیادہ نہیں ہوا۔



زلزلہ سے نقصان بہت پہنچا ہے۔ ۱۵ اگست کی رات کو رسل و رسائل اور ذرائع آمد و رفت ٹوٹ جانے سے آسام سارے ہندوستان سے منقطع ہو گیا۔ ڈبرو گڑھ، شمالی لکھیم پور، سہدیا اور دوسری جگہوں پر ہزاروں مکانات منہدم ہو گئے۔ زمین پر جگہ بہ جگہ بڑے بڑے گڑھے بن گئے اور بہت سے حصوں میں پوری پوری سڑک اور ریلوے لائن کافی فاصلہ تک زمین کے اندر دھنس گ

کئی جگہوں پر نئی نئی پہاڑیاں اور پہاڑ بن گئے دھان کی فصل کا بہت بڑا رقبہ زمین کے اندر گڑ گیا اور ہزاروں ایکڑ کاشت شدہ علاقہ خراب ہو گیا جگہ بہ جگہ گڑھے اور شگاف پڑ گئے اور پانی نکل آیا۔

آسام کے پہاڑی علاقہ میں تباہی اس سے زیادہ ہے۔ بہت سے پہاڑ اور پہاڑیوں کی چوٹیاں، پورے پورے پہاڑ اور پہاڑیاں اور چٹان کے بڑے بڑے ٹکڑے ٹوٹ ٹوٹ کر نیچے گر گئے۔ پہاڑ اور پہاڑیوں کے اس طرح ٹوٹنے سے دریائے برہمپتر اور اس کے بہتیرے معاون دریاؤں کا تہس نہس ہو گیا۔ کوئی دریا خشک ہو گیا، کسی نے اپنا راستہ بدل دیا، کسی میں بہت سا اکٹھا پانی خطرناک سیلاب کی شکل میں پھوٹ نکلا۔ غرض جتنے دریا اتنی ہی نئی مصیبتیں۔ دریائے برہمپتر میں بہت بڑا سیلاب آیا ہوا ہے۔ آنے والی مصیبتوں میں سے ایک مصیبت یہ بھی ہے کہ دریائے برہمپتر کے پانی میں کوئی نامعلوم بدبودار تلخ اور زہریلی شے شامل ہو گئی ہے جس سے ساری مچھلیاں مر مر کر کناروں پر جمع ہو گئیں ہیں۔ ڈگ بائی سے ۱۴؍ میل کے فاصلہ پر مٹی کا تیل اُبل پڑا۔ برہمپتر کے شمال میں آسام کی چراگاہ ہے جہاں بہت سے ہاتھی اور گینڈے سیلاب کی وجہ سے گھر گئے ہیں۔ چائے کے باغوں کو بھی بہت نقصان پہنچا ہے اور کئی جگہوں پر سیلاب آجانے سے وہاں کے مزدور گھر گئے ہیں۔

زلزلہ دو گھنٹے سے زائد عرصہ تک جاری رہا۔ بعض مقامات میں ۱۹؍ اگست تک جھٹکے محسوس ہوتے رہے بلکہ بعض مقامات اب بھی ایسے ہیں جہاں جھٹکے پہ جھٹکے محسوس ہو رہے ہیں اور لوگوں پر برابر دہشت طاری ہے۔ اب تک کل ۲۱۰ جھٹکے لگ چکے ہیں۔

آسام میں ذرائع آمد و رفت کی یوں ہی قلت ہے لیکن زلزلہ اور سیلاب نے موجودہ سہولتوں کو بھی تہہ و بالا کر دیا۔ لکھیم پور اور سب گڑھ میں بہت نقصان پہنچا۔ ڈبرو گڑھ میں لوگ سڑکوں پر پڑے ہوئے ہیں۔ لکھیم پور میں ۵۰۰ مربع میل کا آباد اور زیر کاشت علاقہ بالکل ختم ہو گیا ہے۔ متعدد مقامات پر اچھی خاصی زرخیز مٹی الٹ پلٹ کر ریتیلی بن گئی ہے۔ ہزاروں انسان اس وقت بھوکے ننگے اور خانہ بدوش ہیں۔ بے شمار ایسے ہیں جو پانی کے بیچ میں گھر کر پہاڑیوں اور اونچے اونچے ٹیلوں پر پناہ گزین ہیں۔ حکومت ہند

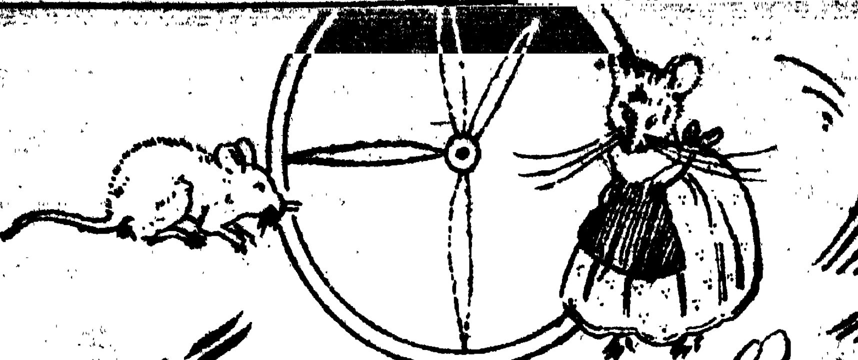
جا رہے ان کو غذا پہنچا رہی ہے ۔ گوہاٹی کو چھاؤنیوں کا مرکز بنا دیا گیا ہے جہاں سے کھانے پینے کا سامان مصیبت زدہ علاقوں کو پہنچایا جا رہا ہے ۔ حکومت کافی مستعدی سے کام کر رہی ہے اور ابھی حال میں وزیر اعظم پنڈت جواہر لال خود بھی آسام کے زلزلہ اور سیلاب کی لائی ہوئی مصیبت کو دیکھنے اور اس کا اندازہ لگانے کے لئے گئے تھے ان کی اپیل ہے کہ آسام کے مصیبت زدوں کی ہمیں امداد کرنی چاہیئے ۔

بچو! تمہارے ذہن میں اب سوال پیدا ہوگا کہ یہ زلزلے آخر کیوں آتے ہیں؟ اور پھر آسام میں یک بیک اتنا زوردار اور تباہ کن زلزلہ کیوں آیا؟ یعنی دیکھو! زلزلے کے اسباب کئی ایک ہیں لیکن زیادہ تر تین دلائل مانے جاتے ہیں :۔

پہاڑ اور پہاڑیوں کے دباؤ اور ان کے زور سے نچلی زمین کا دھنسنا اور پھر پہاڑ پہاڑیوں اور چٹانوں کا ٹوٹنا ۔ آتش فشاں پہاڑ زمین کی بہت گہرائی میں ہلچل اور اندرونی حصہ میں چٹان اور مٹی کی حرکت ۔ آسام کے زلزلہ کے متعلق لوگوں کا خیال تھا کہ وہاں کوئی آتش فشاں پہاڑ پھٹ پڑا ہے لیکن بعد کی تحقیق سے یہ بات غلط ثابت ہوئی ۔ پکی بات تو پوری چھان بین کے بعد معلوم ہوگی لیکن حکومت کے ماہرین زمین کا کہنا ہے کہ ہمالیہ پہاڑ کے اس حصہ میں اوپر کے پہاڑوں کا بوجھ اور دباؤ زیادہ بڑھ گیا تھا اور نیچے کی سطح جب اس کا بوجھ نہ برداشت کر سکی تو کمزور جگہ سے یک بیک وہ زمین کے اندر دھنس گئی ۔ پہاڑ اور پہاڑیوں کی توڑ پھوڑ اور زلزلہ کا اصلی مرکز تبت اور ہمالیہ کا غیر آباد علاقہ ہے آسام حالانکہ وہاں سے ذرا دور ہے لیکن پھر بھی یہ زلزلہ کی تباہی سے نہ بچ سکا ۔

اس زلزلہ میں غذائی اور مالی نقصان کا اندازہ دس بارہ کروڑ ہے اور ۵ ہزار کے قریب موتیں ہوئی ہیں ۔ اسی قسم کا ایک اور زلزلہ آسام میں ۱۸۹۷ء میں بھی آ چکا ہے جس میں ۱۶۰۰ آدمی مرے تھے ۔ اب کی دفعہ کا زلزلہ اس قدر شدید اور تباہ کن تھا کہ اس کا شمار دنیا کے پانچ چھ بڑے زلزلوں میں ہے ۔

حکومت ہند کے ماہر زمین کا کہنا ہے کہ زلزلہ کی بنا پر ہمالیہ پہاڑ اور اونچا ہو گیا ہے کیوں کہ خیال کیا جاتا ہے کہ زلزلے کے علاوہ میں زمین کی سطح میں عرصہ سے ایک قسم کی حرکت

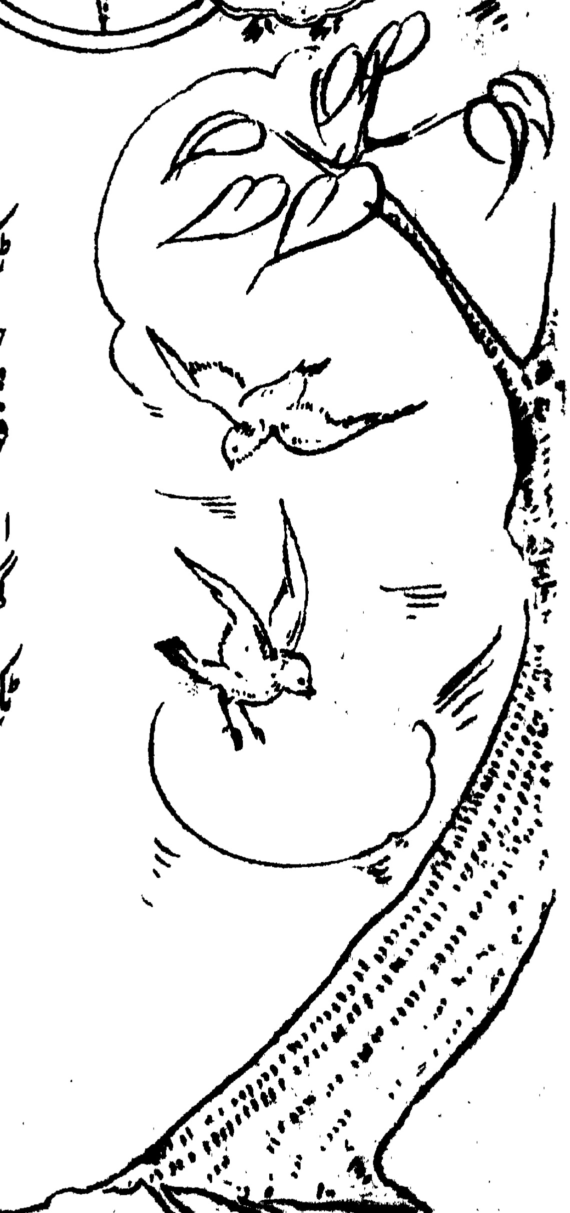


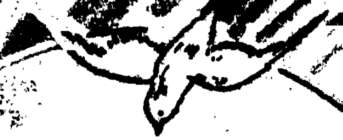
نرالی گنتی

ٹِک ٹِک ٹکوری ٹِک ٹکی
چوہیا گھڑی پر چڑھ گئی
فوراً گھڑی ٹن سے ہوئی
اور ایک کی گھنٹی بجی
گھبرا کے چوہیا گر پڑی
ٹِک ٹِک ٹکوری ٹِک ٹکی

(۲)

ننھّی منّی دو چڑیاں
چھوٹی چھوٹی دو چڑیاں
ایک دیوار پہ بیٹھی ہیں
اور پھدکتی پھرتی ہیں





ننھی اُڑ گئی چیں کر کے
منّی اُڑ گئی چوں کر کے
کیسی اُڑتی پھرتی ہیں
چھوٹی چھوٹی دو چڑیاں

ننھی آئی چیں کر کے
منّی آئی چوں کر کے
پھر دیوار پہ بیٹھی ہیں
اور پھدکتی پھرتی ہیں
ننھی منّی دو چڑیاں
چھوٹی چھوٹی دو چڑیاں

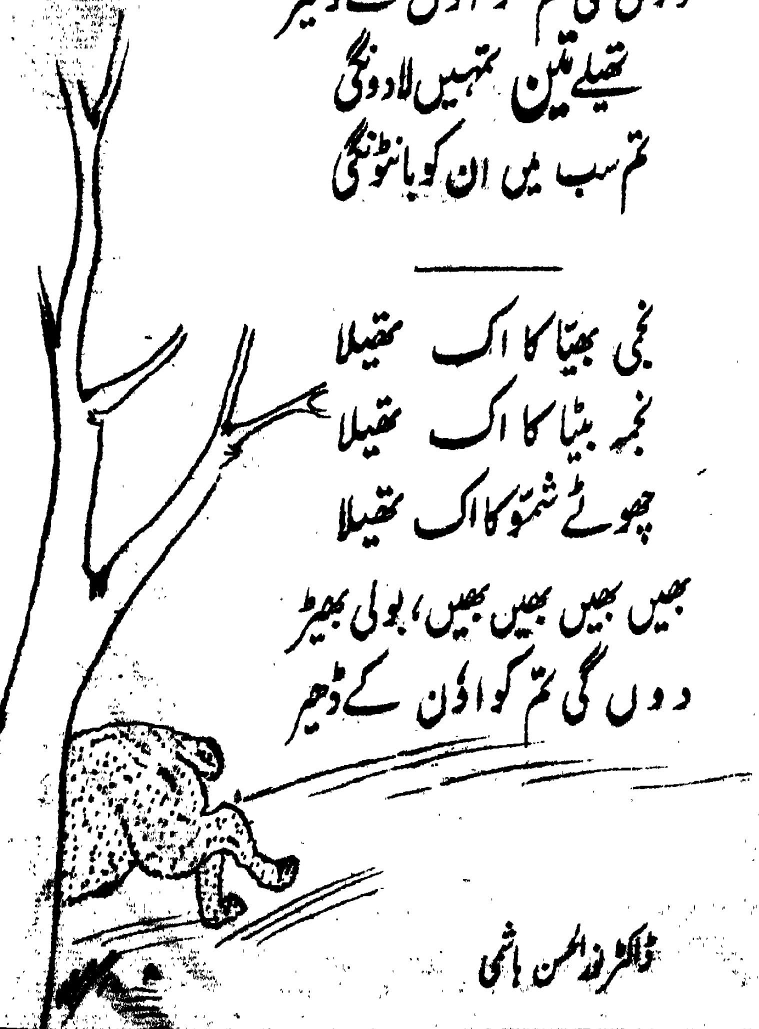
(۲)

بھیں بھیں بھیں بھیں کالی بھیڑ



دیدے ہم کو اون کے ڈھیر
بھیں بھیں بھیں بھیں، بولی بھیڑ
دوں گی تم کو اون کے ڈھیر
تھیلے تین تمہیں لادوں گی
تم سب میں ان کو بانٹوں گی

نجی بھیّا کا اک تھیلا
نجمہ بٹیا کا اک تھیلا
چھوٹے شمّو کا اک تھیلا
بھیں بھیں بھیں بھیں، بولی بھیڑ
دوں گی تم کو اون کے ڈھیر



ڈاکٹر نور الحسن ہاشمی

حسنہ کی مرغی

ماسٹر محمود الحسن

اب مرغی سارے بچوں کو گھر کے آنگن میں لئے پھرتی، کٹ کٹ کر کے بچوں کو بلاتی چگنا سکھاتی۔ دھوپ ہوتی تو اپنے پروں میں ان کو چھپاتی۔ بڑے بچے اس کے پروں کے نیچے سے نکل نکل آتے۔ کوئی اس کی پیٹھ پر بیٹھ جاتا۔ کوئی اس کے پاس۔ حسنہ دانہ ڈالتی تو بھاگ بھاگ کر پہنچ جاتے۔

مرغی جب چیل یا کوّے کو اڑتے دیکھتی تو بڑے زور سے "ہوں" کرتی۔ حسنہ دیکھو یہ بیری آ رہے ہیں۔ "ہوں" "غوں" آؤ کمبختو! تمہیں چونچوں ہی سے ماروں گی۔ اگر میرے بچوں سے بولے۔ بچوں سے کہتی پیارے کہیں بھاگ کر چھپ جاؤ یا آجاؤ میرے پروں میں۔ جب کبھی چیل جھپٹا مارتی بھی تو یہ بس تھوڑی دور اُڑ کر اس کو مارنے جاتی۔ پھر جلد ہی بچوں میں آجاتی کہ کوئی اور اُن کو صدمہ نہ پہنچا دے۔

مرغی بھی خوشی کے مارے پھولی نہ سماتی، اور حسنہ بھی۔ جب حسنہ روٹی کھاتی تو یہ اپنے بچوں سمیت اس کو گھیر لیتی۔ کہتی حسنہ! کھلاؤ میرے بچوں کو یہ بڑے ہو جائیں گے تو جو مرغ ہوں گے۔ وہ صبح صبح ککڑوں کوں، ککڑوں کوں! کیا کریں گے۔ تمہیں سوتے سے جگایا کریں گے۔ کہ حسنہ! اچھی اب اُٹھ جاؤ سویرا ہو گیا۔ مرغیاں تم کو انڈے دیں گی۔ تم ان کا حلوہ بنانا۔ خاگینہ بنانا۔ پکا کے کھانا۔ اُبال کے کھانا۔ جیسے جی چاہے۔ ہاں حسنہ! میرے لڑکوں کے بڑی سی لال کلغی ہوگی سپاہیوں جیسی، یہ میرے سپاہی! بلی آئے گی تو کڑکڑا کے ہمیں ہوشیار کر دیا کریں گے اور ہم تمہیں بلا لیا کریں گے۔ کہ حسنہ مارو اس ڈائن کو۔



حسنہ ایک آدھ بچے کو پکڑ لیتی۔ اس پہ ہاتھ پھیرتی، پیار کرتی۔ مرغی حسنہ سے کہتی حسنہ!

چھوڑ دو میرے لال کو اس کا جی گھبرا جائے گا۔ بچوں سے کہتی منہ تجھے پیار کر رہی ہے بلی ڈائن اور کوے چیل سے بچاتی ہے رات میں دربے میں بند کرتی ہے۔ اور دن میں تجھے دانے ڈالتی، پانی رکھتی ہے ارے بھولا سا بن جا۔ دم سادھ لے!

حسنہ اسے چھوڑ دیتی وہ بھاگ کر اپنی ماں کے پاس چلا جاتا۔ یہ بچے بڑے ہو گئے مرغوں کے لال لال کلغی نکلی صبح سویرے دربے میں بولتے، ککڑوں کوں، لوگو! اُٹھ جاؤ اپنے اللہ کو یاد کر لو، ککڑوں کوں پھر اپنے کام دھندوں میں لگ جاؤ ککڑوں کوں! حسنہ تم بھی اٹھ بیٹھو، ککڑوں کوں، منہ ہاتھ دھو ڈالو سویرا ہو گیا، اپنے سپارے کا سبق یاد کر لو، ککڑوں کوں! حسنہ کی اتی تم بھی اٹھ جاؤ۔ نماز پڑھ لو پھر حسنہ کے لئے ناشتہ پکاؤ۔ ککڑوں کوں! کسانو اٹھ جاؤ! بیلوں کے گلے کی گھنٹیاں بج رہی ہیں۔ ککڑوں کوں حسنہ اب تم دربہ کھول دو۔ تاکہ ہم نیم پر چڑھ کر بولیں۔ اور سست لڑکے جو بستروں پر اینڈ رہے ہیں ان کو بھی جگا دیں۔ کہ وہ منہ ہاتھ دھو کر مدرسہ جائیں۔ ککڑوں کوں! اگر وہ جلدی نہ اٹھے تو مدرسہ کو دیر ہو جائے گی۔ اُن کی بدنامی ہوگی۔ ساتھی کہیں گے یہ ہمیشہ دیر سے آتے ہیں۔ استاد پوچھیں گے کیوں دیر کر دی

ککڑوں کوں دربہ کھلا سب اپنے اپنے کاموں میں لگ گئے۔

مرغیوں نے انڈے دئے، سب نے جی بھر بھر کے کھائے۔ کالج کی چھٹیاں حسنہ کے ابا میاں گھر آئے۔ انھوں نے بھی خوش ہو ہو کر کھائے۔ دیکھو! حسنہ کی مرغی کتنی اچھی!۔

(ختم)

ہماری سرکار

مدن موہن گپت

"راشٹرپتی اور راجیہ پریشد کے چناؤ"

ہم نے تمہیں بتایا ہے کہ لوک سبھا ودھان سبھا اور ودھان پریشد وغیرہ کیسے چنی جاتی ہیں مگر ہم نے تمہیں یہ نہیں بتایا تھا کہ راشٹرپتی کو کون چنتا ہے اور پارلیمنٹ کی راجیہ پریشد کو کون چنتا ہے راجیہ پریشد کے ممبروں کو سیدھے جنتا نہیں چنتی۔ انھیں راجیوں کی ودھان سبھائیں چن کر بھیجتی ہیں اسی لئے وہ راجیہ پریشد یعنی راجیوں کی پریشد کہلاتی ہیں۔ راجیہ پریشد کے لئے اتر پردیش کی ودھان سبھا ۳۱ ممبر چنتی ہے۔ بمبئی راجیہ کی ودھان سبھا ۱۷ ممبر چنتی ہے اور راجستھان کی ودھان سبھا ۹ ممبر چنتی ہے اسی طرح باقی راجیوں کی ودھان سبھائیں بھی تھوڑے تھوڑے ممبر چنتی ہیں اس طرح سارے راجیہ کل ملا کر ۲۰۵ ممبر چنتے ہیں۔

ان ۲۰۵ ممبروں کے علاوہ راجیہ پریشد میں ۱۲ ممبر اور ہوتے ہیں جنھیں راشٹرپتی نامزد کرتا ہے۔ وہ ممبر ایسے ہوتے ہیں جنھیں ادب سائنس، شہر اور سماج سیوا کا خاص علم یا تجربہ ہوتا ہے اس طرح راجیہ پریشد میں ۱۲ قابل آدمی رکھ دئے جاتے ہیں۔

اب ہم تمہیں راشٹرپتی کے چناؤ کا طریقہ بتاتے ہیں۔ راشٹرپتی ایسا آدمی ہونا چاہئیے جسے سارے راجیہ چاہتے ہوں اور پارلیمنٹ کے ایوان بھی چاہتے ہوں اس لئے اسے چننے کے لئے لوک سبھا راجیہ پریشد اور سارے راجیوں کی ودھان سبھائیں اکٹھی ہوتی ہیں۔ ان کے ممبر جنتا کے نمائندے ہوتے ہیں اور جنتا کی طرف سے راشٹرپتی کو چنتے ہیں۔ لوک سبھا کا ہر ممبر قریب سات لاکھ لوگوں کا نمائندہ ہوتا ہے۔ اس لئے وہ سات لاکھ کی طرف سے ووٹ دیتا ہے۔ ودھان سبھا کا ممبر اس سے کم لوگوں کا نمائندہ ہوتا ہے اس لئے اس کے ووٹ اسی نسبت سے گنے جاتے ہیں جتنے لوگوں کا وہ نمائندہ ہوتا ہے اس طرح سب ایوانوں کے ممبر ووٹ دیتے ہیں

اور حساب لگا کر راشٹرپتی کو چنا جاتا ہے۔

ہمارے قومی نشان

قومی جھنڈا دنیا کے سب دیشوں کا اپنا اپنا جھنڈا ہوتا ہے۔ ہمارا بھی ایک قومی جھنڈا ہے وہ جھنڈا ہماری آزادی، ایکتا اور ہماری قومیتا کا نشان ہے۔ اس جھنڈے کے لئے ہمارے دیش کے بہادر میدان جنگ میں اپنی جان قربان کرتے ہیں۔ وہی جھنڈا ہماری سرکاری عمارتوں پہ لہراتا ہے۔ ہمارے جہازوں پر بھی یہی لہراتا ہے۔ اور دنیا کے سب حصوں میں ہمارے سفیروں کی عمارتوں پر لہراتا ہے۔

پہلے انگریزوں کا جھنڈا ہی ہماری سرکاری عمارتوں پر لہراتا تھا کیوں کہ پہلے ان کا ہی راج تھا۔ مگر بھارت کی آزادی ملنے پر ہمارا اپنا قومی جھنڈا لہرانے لگا۔ تم نے ہمارا قومی جھنڈا دیکھا ہی ہوگا اس میں سب سے اوپر گہرا کیسری رنگ بیچ میں سفید رنگ اور نیچے گہرے ہرے رنگ کی تین برابر کی پٹیاں ہیں۔ سفید پٹی کے بیچ میں نیلے رنگ کا ایک چکر ہے کتنا سندر جھنڈا ہے ہمارا۔

کیا تم جانتے ہو کہ ان رنگوں اور چکر کا کیا مطلب ہے کیسری رنگ کا مطلب ہے قربانی۔ تیاگ اور ضبط۔ اسے دیکھ کر ہمارے دل میں یہ خواہش پیدا ہوتی ہے کہ ہم اپنے دیش کے لئے قربانی کریں اور ضبط کے ساتھ اپنی زندگی بتائیں۔ سفید رنگ کا مطلب ہے کہ امن، دل کی صفائی اور سچائی ہے۔

ہرا رنگ ہمارے دیش کے ہرا بھرا ہونے کا نشان ہے تم جانتے ہو کہ ہمارے دیش میں کھیتی سب سے بڑا پیشہ ہے۔

جھنڈے کا بیچ کا چکر اشوک کی لاٹ میں سے لیا گیا ہے جو کہ سارناتھ میں ہے یہی چکر ہمارے چرخے کا نشان ہے۔ یہ چکر ہمیں اچھے کام کے لئے آگے بڑھاتا ہے۔ اس لئے جھنڈے کا یہ مطلب ہوا کہ ہم قربانی کے لئے سدا تیار رہیں۔ ہمارے یہاں شانتی رہے ہمارا دیش ہرا بھرا رہے۔ اور ہم نیکی کے راستے پر چل کر ترقی کریں۔

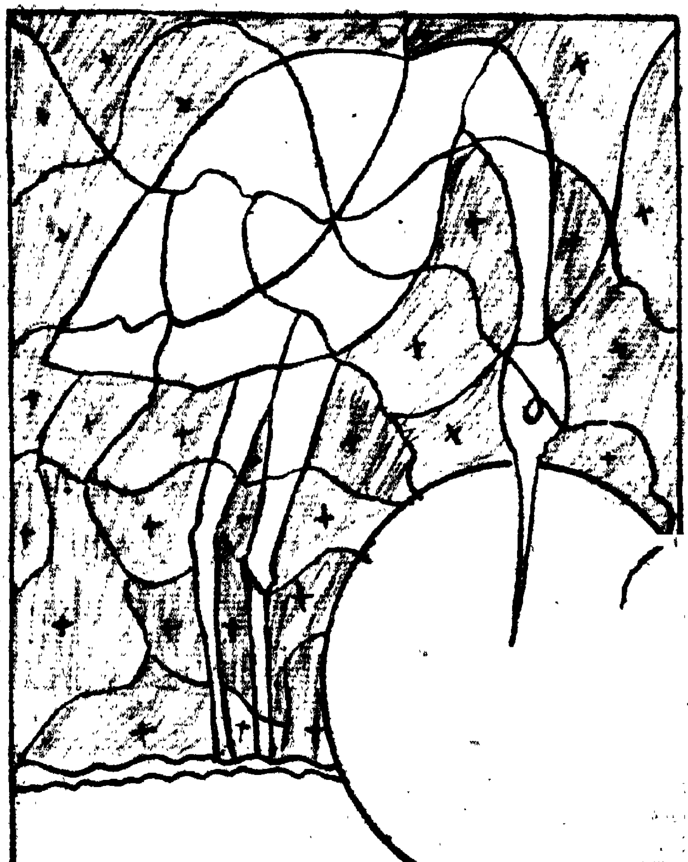
بقیہ آسام کا زلزلہ

ہو رہی تھی۔ مشاہدات بتلاتے ہیں کہ تقریباً دو سو سال سے اس علاقہ میں ہمالیہ کی بلندی میں اضافہ ہو رہا ہے مثلاً ایورسٹ کی چوٹی پہلے ۲۹۰۰۲ فٹ تھی اور اب اس کی بلندی ۲۹۲۰۰ فٹ ہو گئی ہے۔

بچّوں کی کوششیں

جن خانوں میں (×) نشان بنے ہیں اُن میں مختلف رنگ بھر دیکھو کیا بنتا ہے

(از:۔ شبیر احمد بو بیرے جماعت پنجم)
اردو اسکول نمبر ۱۰ اکلیان



ایک روز چنّو اور منّو ٹہلنے کو نکلے راستے میں بہت زور کی بارش آئی۔ چنو منو پانی سے بچنے کے لئے ایک گھر کے برآمدے کے نیچے ٹھہر گئے. چنو کے جسم پر کچھ بوندیں پڑ رہی تھیں ـــ وہ جلدی سے منو سے کہنے لگا۔ میں چھتری گھر چھوڑ آیا ہوں۔ اگر ساتھ لے آتا تو کتنا اچھا

لطیفے

(۱)

...قا۔ جاؤ یہ ...روپئے بھنا ...اؤ۔ ...ر نوکر تھوڑی ...یر میں آتا ہے) ...قا۔ ہائے یہ ...م روپیہ واپس ...لے آئے اور ...کالا کیسے ہو ...ا ہے! ...کر۔ آپ ہی نے تو کہا تھا ...بھنا لاؤ۔ میں بھنا لایا۔

۲۔ انجان کیا تم مسافر ہو
مسافر ہی نہیں! بمبئی سے آیا ہوں۔

ہوگا۔" منو فوراً بول اٹھا "کوئی بات نہیں بارش رکنے کے بعد گھر سے چھتری لے آنا ۔۔

ایک دن شام کے وقت میں پیام تعلیم خریدنے جا رہا تھا۔ راستے میں ایک دوست سے ملاقات ہوئی۔ میں نے پوچھا کہاں جا رہے ہو بھائی؟ اس نے جلدی میں جواب دیا "روشنائی کی قلم لانے جا رہا ہوں" اور یہ کہہ کر چل دیا۔ کچھ دیر کے بعد ایک اور دوست سے ملاقات ہوئی۔ میں نے پوچھا "بھائی کہاں چلے" اس نے بھی جلدی میں جواب دیا "پگڑی کی سر خریدنے جا رہا ہوں۔ اب میں ہنسی کو نہ روک سکا تمام راستے ان لوگوں کی بات پر ہنستا گیا ۔۔!

اتنے میں ایک اور آدمی سے ملاقات ہوئی۔ اس نے مجھ سے کہا کہ "تم کہاں جا رہے ہو؟" میں نے جلدی میں جواب دیا۔ پیام تعلیم پڑھنے کے لئے بچہ خریدنے جا رہا ہوں" حالانکہ مجھے کہنا تھا۔ بچہ کے پڑھنے کے لئے پیام تعلیم خریدنے جا رہا ہوں ....!

ظہیر الدین احمد

احمد اور رفیق بڑے گہرے دوست تھے۔ احمد بہت جھوٹ بولتا تھا۔ ایک دن رفیق نے کہا کہ "بھائی احمد تمہارے ساتھ رہنے میں یہ بڑی تکلیف ہوتی ہے کہ تم بہت جھوٹ بولتے ہو۔ مجھے بڑی شرمندگی ہوتی ہے۔

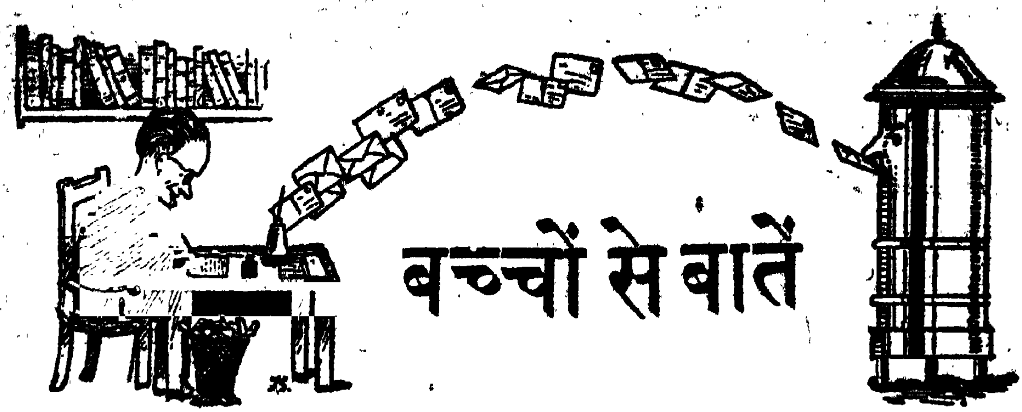
احمد "ارے بھائی شرمندگی کی کیا بات۔ بات یہ ہے کہ جھوٹ بولنے کی عادت کچھ ایسی پڑ گئی ہے کہ مجھے یاد نہیں رہتا کہ میں کب جھوٹ بولتا ہوں۔ اب جب میں جھوٹ بولوں تو تم ہلکے سے کھانس دیا کرو"

چنانچہ رفیق اس پر راضی ہو گیا۔ اس کے تھوڑی ہی دیر کے بعد دونوں دوست اپنے ایک اور دوست لطیف کے یہاں گئے۔

وہاں محفل جمی ہوئی تھی۔ احمد نے جاتے ہی اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد کہا۔

"بھائی کیا بتاؤں کئی روز سے یہاں آنا چاہتا تھا مگر شکار میں چلا گیا تھا اس لئے نہ آسکا"

لطیف نے کہا:- (بقیہ صفحہ ۴۴ پر)



बच्चों से बातें

संसार की बड़ी नदियां

गंगा	(भारत)	१५०० मील
ब्रह्मपुत्र	(भारत)	१६८० ,,
एमेजोन	(दक्षिणी अमरीका)	४००० ,,
नील	(अफ्रीका)	३६०० ,,
यांगत्जी	(चीन)	३४०० ,,
मिसिस्सिपी	(अमरीका)	३१६० ,,
कांगो	(अफ्रीका)	३००० ,,
लेना	(रूस)	३००० ,,
वोल्गा	(रूस)	२४०० ,,
डेन्यूबी	(यूरोप)	१७२५ ,,

संसार प्रसिद्ध पर्वत चोटियाँ

माउन्ट एवरेस्ट	(भारत)	२६१४१ फुट
गाडविन आस्टिन	(भारत)	२८२५० फुट
कंचनचंगा	(भारत)	२८१४६ फुट
नन्दादेवी	(भारत)	२५६४५ फुट
कामत	(भारत)	२५४४७ फुट
चंबलहारी	(भूटान)	२३६४४ फुट
मेकिनले	(एलास्का)	२०३००० फुट
देमावन्द	(ईरान)	१८६०० फुट
केन्या	(अफ्रीका)	१७०४० फुट
माउन्ट ब्लान्क	(फ्रांन्स)	१५७८२ फुट

(शेष पृष्ठ ६ का)

हरी—अम्मा सचमुच राम नाम के जपने से उन के दिल का डर जाता रहा ?

माँ—इस नाम में बड़ी बरकत है। अगर कोई भगवान को सच्चे दिल से पुकारे तो भगवान उसकी जरूर सुनते हैं।

हरी—मैं भी राम नाम जपा करूँगा। मुझे भी तो अंधेरे कमरे में जाते डर लगता है।

—मिसेज कुदसिया जैदी

६, ७ पन्ने की पहेलियों के उत्तर

१ आकाश और तारे २ ताड़ ३ पतंग ४ औरत ५ मुट्ठा ६ पान ७ हुक्का ८ दीपक ९ रुपया १० मुट्ठा

मेजों पर सफेद और साफ सुथरा दस्तर खान बिछा हुआ था। इस दस्तर खान पर सोने चांदी की रिकाबियों और प्लेटों में तरह २ का मजेदार खाना चुना हुआ था। खाने पीने की हर चीज मौजूद थी। मगर खाना था अनोखा। और जो चीज थी निराली। यह तीनों हाथ धोकर कुर्सियों पर बैठ गये और यह खाने मजे लेले कर खूब खाए।

शीशे की सुराहियों में से शीशे के ग्लासों में ठंडा २ और मीठा २ पानी खूब जी भर कर पिया। खाना खा पी चुके तो एक और कमरे में जाकर थोड़ी देर आराम किया।

यहाँ उनकी आंख लग गई। जागे तो दो-पहर ढल चुकी थी और तीसरे पहर का समय था।

खैर साहब! यह तीनों उठे और मुंह हाथ धोकर फिर उसी कमरे में गये। चाय पी। कुछ ताजा ताजा और मीठे मीठे मजेदार फल भी खाए। अब शाम होने वाली थी। और यह यहां से वापस जाना चाहाते थे। इतने में एक देव तख्त पर बैठ कर यहां आया। और उनको खदेकर उसको ताव आ गया। उसने उनको खूब बुरा भला कहा।

बात यह थी कि इस बाग और इस महल का मालिक यह देव ही था। उसको यह बात बहुत बुरी लगी कि यह लोग बे पूछे गछे इस बाग और इस महल में घुस आये और उस का खाना खा गए।

उसे इतना गुस्सा आया कि वह लड़ने मरने को तय्यार हो गया। यह देख कर मोहन और मोहनी बहुत डरे। मगर बौना जरा भी न डरा। इतने में यह क्या देखते हैं कि बौने का कद एक दम बहुत बढ़ गया। और वह भी देव के बराबर बड़ा हो गया। अब क्या था यह दोनों आपस में भिड़ गये, कभी उसने इसको रेला। कभी इसने उसको ढकेला। कभी इस को उसने जमीन पर दे पटका। और कभी इसने उसको धमसे गिरा दिया बड़ी देर तक इन दोनों में लड़ाई होती रही।

आखिर बौना जीत गया और देव दुम दबा कर भागा। देव बौनेसे इतना डरा कि उसे पीछे मुड़कर देखने तक की हिम्मत न हुई।

अब शाम हो गई थी। बच्चों ने अपने घर जाना चाहा।

बौना फिर उनको बटुए में ले गया। थोड़ी देर के बाद उस में से निकल कर हंसी खुशी यह अपने घर आ गए।

मोहन और मोहनी घर आए। उन्होंने अपने पिता माता और भाई बहन को इस बौने और बाग का हाल कह सुनाया। देव और बौने की लड़ाई का ज़िक्र किया। और उन से भी किसी दिन उस बाग़ में चलने के लिये कहा।

बौना भी देव से लड़ कर थक चुका था।

उसने जाने की इजाजत चाही। और इन सब को किसी और किसी दिन उस बाग़ में ले जाने का इकरार करके चलता बना।

यह बौना देखते ही देखते पूरे एक फुट का हो गया। बौने ने डिब्बे में से निकलते ही एक कहकहा लगाया और कहा।

बच्चो! तुमने आज मुझे इस डिब्बे की क़ैद से छुड़ाया है। मैं तुम्हारी इस भलाई का शुक्रिया अदा करता हूँ।

मैं यह भी चाहता हूँ कि इस भलाई का कुछ न कुछ बदला तुम को दूं।

देखो यह मेरे पास चमड़े का एक बटुआ है। यह बटुआ जादू का है।

यह दिखाई तो छोटा सा देता है। मगर है बहुत बड़ा। इस के अन्दर अनोखी २ और अच्छी २ चीजें हैं। चलो! इस के अन्दर चलो।

मोहन ने पूछा इस बटुए में हम ही जाएं या अपने पिता अम्मा और बहन भाई को भी लेजाएं?

बौना बोला इस समय अब्बा अम्मा और बहन भाई को अपने साथ ले जाना ठीक नहीं।

पहले तुम आप चल कर देख आओ। अगर तुम्हें बटुए के अन्दर की चीज़ें सचमुच अनोखी २ और अच्छी नज़र आएं और तुम्हारा जी उनको देखकर खुश हो तो फिर वापिस आकर अपने अब्बा अम्मां और भाई बहन सब को भी वह चीजें दिखाने के लिये अपने साथ लेजाना।

मोहन और मोहनी ने कहा अच्छी बात है।

पहले हम आप ही देख आते हैं। यह कहकर वह बटुए में घुसने लगे या तो वह बटुआ इतना छोटा था या इतना बढ़ गया कि यह दोनों और बौना तीनों बटुए में दाखिल हो गए।

देखते क्या हैं कि इस में एक बहुत ही अच्छा और सुहाना बाग़ है हर तरफ़ तरह २ के फलों के पेड़ और फूलों के पौदे हैं। नाना प्रकार के फूल अपनी अपनी बहार दिखा रहे हैं। खूब सूरत २ पखेरू अपनी प्यारी २ अदाओं और अपनी मीठी मीठी बोलियों से सबका दिल लुभा रहे हैं।

हर तरह सुथरे पानी की नहरें बह रही हैं। इन नहरों की लहरें बहुत ही भली मालूम होती है। इस बाग की बहार और पेड़ों और पौदों का निखार देख २ कर मोहन और मोहनी का दिल बाग २ हो गया। और वह बाग की हरी भरी पत्तियों पर इधर उधर खेलते कूदते, रङ्ग विरङ्ग के अनोखे फूलों को देखते, उनकी भीनी २ खुशबू सूंघते, परिन्दों का गाना सुनते, उन का कुदकना और फुदकना देखते चले जा रहे थे कि सामने एक बहुत बड़ा महल दिखाई दिया। यह महल इतना ऊंचा था कि आसमान से बातें करता था।

यह महल संग मरमर का बना हुआ था। इसकी दीवारों पर सोने चांदी का पानी फिरा हुआ था। यह तीनों एक साथ दरवाजे में घुसे कुछ दूर चल कर एक बड़े से कमरे में आये। इस कमरे फ़र्श बिछा था। फ़र्श पर सोने चाँदी की कुर्सियाँ और मेजें सजी हुई थीं।

बौने का बटवा



(एम० शफीकउद्दीन नय्यर)

एक था लड़का। एक थी लड़की। लड़के का नाम था मोहन। और लड़की का मोहनी। यह दोनों किसी गांव में रहा करते थे। एक दिन का ज़िक्र है, मोहन और मोहनी दोनों अपने बाप के साथ शहर गए। वह शहर के बाजार से तरह २ की खाने पीने की चीज़ें तरह २ के अच्छे २ खिलौने और तरह २ के बढ़िया बढ़िया कपड़े खरीदकर लाये। जब वह यह सब चीजें खरीदकर अपने घर ले आये तो खिलौने को देखने के लिये एक चारपाई पर बैठ गये, इतने में उनकी नजर एक डिब्बे पर पड़ी। यह डिब्बा बहुत सुन्दर और मनोहर था। इस पर रंग २ के प्यारे २ नए फूल बहुत थे। मोहन मोहनी ने उसका ढकना खोलना चाहा। मगर देखा उसमें ताला लगा हुआ था वह कुछ देर सोचते रहे कि इसे कैसे खोलें। अचानक उनकी नज़र एक कुंजी पर पड़ी। यह कुंजी ताले के साथ ही एक धागे में बंधी हुई थी। उन्होंने झटपट उस कुंजी से उस डिब्बे का ताला खोल लिया। जब डिब्बे का ढकना खुला तो उस में से एक बौना निकला।

देव ने नुकीले दांत निकाले और ज़ोर हंसने लगा। मुझे गुस्सा आ गया। मैंने कहा तितली को छोड़ दो वरना मैं तुम्हें मार दूंगा।" देव ने मेरी ओर लाल लाल आंखों से देखा और मेरे सारे खिलौने छीन लिए। मैं डर कर वहां से भाग खड़ा हुआ। देव मुझ पर झपट पड़ा और मैं चीख कर गिर पड़ा। जब मैं उठा तो चारपाई के नीचे पड़ा हुआ था और मेरे सारे खिलौने बिखरे पड़े थे और मुझे बहुत चोट आई—यह देखो रमी ने अपने घुटने पर चोट का निशान दिखाया और रोने लगा। सब बच्चे चुप हो गए वह उसके डरे हुए चेहरे की ओर देख रहे थे। यकायक मालूम नहीं, बेला को क्या सूझी वह चुटकी बजा कर कहने लगी। वाह वाह मैंने भी कल ऐसा ही सपना देखा था। मैं बाग में फूल तोड़ रही थी कि उस देव ने सब फूल अपने भारी पांव के नीचे रौंद मसल डाले। मैंने उसे रोका तो वह मेरे ऊपर झपटा। जैसे ही वह मेरी ओर बढ़ा कि आकाश से एक सफेद चकमदार परों वाली फाखता (Done) उतरी। उस के मुंह में गुलाब का फूल था। फाखता ने देव को उसकी लम्बी चोटी से पकड़ लिया और आकाश की ओर ले उड़ी। मैं बहुत हैरान हुई कि यह छोटी से फाखता कैसे इतने भारी भरकम देव को उठाए लिए जा रही थी। मैं फाखता और देव की लड़ाई को देखती रही। देव अपने तेज नाखूनों से फाखता पर हमला कर रहा था। लेकिन फाखता ने अपनी चोंच मार मार कर उसे अधमुआ कर दिया और बहुत दूर ले जाकर एक पहाड़ की चोटी से नीचे फेंक दिया। देव ने जोर की चीख मारी और वह टुकड़े टुकड़े होकर धरती पर आ गिरा और मर गया। इसी छीना झपटी में गुलाब का फूल फाखता के मुंह से गिर पड़ा।

सब बच्चे हैरानी से बेला की ओर देखने लगे। क्या देव मर गया? रमा को यकीन नहीं आ रहा था। तो क्या मैं झूठ कह रही हूँ? यकीन न आये तो मेरी अम्मी से पूछ लो देखो यह है वह गुलाब का फूल जो फाखता के मुंह से गिरा था। बेला ने अपने बालों से गुलाब का फूल निकाल कर सबके सामने फेंक दिया। सब बच्चों के मुंह पर खुशी की लहर दौड़ गई। सभी के होटों पर मुस्कान फैल गई। उसने फूल को अपने गालों से लगा लिया जैसे यह उसकी घायल तितली है। उसका डर दूर हो गया था और वह सब बच्चों के साथ हंसी खुशी खेलने लगा।

देवेन

रमी का सपना

मुन्नू के घर पर सब बच्चे इकट्ठे हो रहे थे—बेला, काका, बिल्लू, सीमा और नन्हा सभी चले आ रहे थे। लेकिन रमी अभी तक नहीं आया था। रमी सब बच्चों को एक नई कहानी सुनाने वाला था। समय जल्दी जल्दी बीते जा रहा था। सब बच्चे बड़ी बेताबी से रमी की प्रतीक्षा कर रहे थे। काफी समय बीत गया और रमी न आया तो बेली ने कहा शायद रमी आज कहानी सुनाने न आए" बिल्लू ने पूछा क्यों ? "कल तुमने उसका यों यों जो तोड़ दिया था' बेला ने उसकी ओर घूरते हुए कहा। बात बात में फैसला हो गया कि रमी के घर चला जाए। रमी एक कमरे में उदास बैठा किसी गहरा सोच में पड़ा था। उसके आस पास बिखरे हुए खिलोनों का ढेर लगा हुआ था। सभी बच्चे शोर मचाते कमरे में अचानक दाखिल हो गए। लेकिन रमीं ने कोई उत्तर न दिया।

"क्या आज तुम कहानी नहीं सुनाओगे बेला ने कहा रमी ने कोई बात न की। वह बहुत डरा हुआ मालूम होता था।

"क्या बात है ?" बिल्लू ने उसे गुदगुदी करते हुए कहा रमी ने सब की ओर भयभीत दृष्टि से देखा जैसे कोई बात उसे डरा रही है।

आज तुम मुन्नू के घर क्यों नहीं आए रमी ने प्यार से पूछा

रात मैंने बड़ा भयानक सपना देखा है। सभी बच्चे चौकन्ने हो गए। "क्या देखा था ?" सब एकदम चिल्ला उठे।

"मैंने देखा कि मैं एक बाग में खड़ा तितरी के पीछे दौड़ रहा हूँ। तितरी कभी इस फूल पर बैठती कभी उस फूल पर। एक बार वह मेरे कन्धे पर आकर बैठ गई। उसे पकड़ने के लिए मैंने हाथ बढ़ाया कि वह फिर उड़ गई। बहुत देर तक ऐसे ही आंख मिचौनी होती रही। आहिस्ता आहिस्ता अंधेरा बढ़ने लगा। मैंने अपने खिलौने समेटे और घर की ओर चलने लगा कि एक काले डरावने देव मेरा रास्ता रोक लिया। उसके काले काले हाथों में तितली बुरी तरह तड़प रही थी। वह उड़ने के लिए तड़फड़ा रही थी। लेकिन देव के लम्बे लम्बे तेज नाखुन तितली के खून में डुबे हुए थे। मैंने देव से डरते डरते पूछा। तुम ने तितली को क्यों पकड़ रखा है ? इसे छोड़ दो

मैला लड़का

नन्हा लड़का एक बुद्धूराम था,
खुद भी भद्दा और भद्दा नाम था
उसको नफरत थी सफाई से बहुत
हाथ पांव मैले रखता था बहुत ॥
माँ पकड़ कर उसको नहलाती थी जब
सोचता था भाग जाने के वह ढब !
खेलता था खाक में वह सुबह शाम
मैले रहते थे सदा कपड़े तमाम
बढ़ गये नाखुन तो कटवाता न था !
सर कभी खुश हो के धुलवाता न था
ऐसी हालत में वह जाता था जहाँ
भिनभिनाती उसके मुँह पर मक्खियाँ
करता था पगड़ी से अकसर नाक साफ
किस तरह रहती वह पगड़ी पाको साफ
भागते थे लड़के उसके नाम से,
दूर ही रहते वह बुद्धूराम से,
पास जिसके भी वह जाकर बैठता
उस जगह से वह उसे देता उठा
हाथ में लिखने को जब लेता कलम
सर खुजाता था उसी से दम बदम
मेल जोल उससे न रखता था कोई
दूर ही रखता उसे उसताद भी ॥
लिखना पढ़ना होगया उसका वबाल
इक जमाअत में रहा वह तीन साल !!

(त्रिलोक चन्द महरूम)

अंधेरे कमरे में नहीं जाता पर चाहता यह है कि किसी प्रकार बड़ा बलवान और बहादुर बन जाए। उसने मोहनदास से कहा "मोहनह बादुर बनने का बस एक ही तरीका है और वह यह कि तुम गोश्त खाना शुरू कर दो। देख लो अंग्रेज हिन्दोस्तानी से कहीं बढ़ कर हट्टा कट्टा होता है और गोश्त खाने ही के कारण निर्बल हिन्दोस्तानियों पर राज करता है" भोले भाले और बहादुरी की धुन के मतवाले मोहनदास ने उसे सच मान लिया और वह गोश्त खाने को तय्यार हो गया।

यह तो तुम जानते हो हरी, कि वैष्णव धर्म में गोश्त खाना मना है। मोहनदास गोश्त खाता तो कैसे? उस के घर में तो गोश्त न आता बस उसके दोस्त ने यह तै किया कि वह कहीं मोहनदास की दावत करेगा और उसके घर वालों से छुपा कर मोहनदास को गोश्त खिलायगा।

दावत के दिन शाम को मोहनदास अपने दोस्त के घर पहुँचा और सब खाना खाने बैठे उसने हजार प्रयत्न किये कि गोश्त की बोटी उस के गले से उतर जाए पर न उतरी। आखिर बेचारे को उलटी हो गई और वह मजबूर हो कर उठ खड़ा हुआ। घर पहुंच कर मोहनदास का बुरा हाल था, सोते जागते उसे ऐसा लगता मानो बकरी उसके पेट के अन्दर मिमिया रही है। उस के बाद मोहनदास ने कई बार गोश्त खाने की कोशिश की पर उसे कभी गोश्त नहीं भाया।

गोश्त के नेवते के बाद वह देर से घर जाता और हर बार उसे अपने घर वालों से झूठ बोलना पड़ता। दो चार बार तो देर से घर आने की झूठी सच्ची वजह बता दी पर एक दिन उसे एकाएकी सूझा कि माता पिता से झूठ बोल कर और उन को धोका देकर अगर मैं बहादुर और बलवान हो भी जाऊँ तो किस काम का? यह सोचते ही उस ने ठान लिया कि गोश्त कभी न खाऊँगा और हमेशा सच बोलूंगा चाहे मैं कितना ही कमजोर और डरपोक क्यों न हो जाऊं! माता पिता से झूठ बोल कर और उन्हें धोका देकर निडर और बलवान होना बेकार है।"

हरी ने हैरान होकर पूछा, "तो फिर माँ! बापू इतने निडर और बलवान बहादुर कैसे बन गए?"

माँ—झूट बोलना तो मोहनदास ने छोड़ दिया पर निडर और बहादुर बनने की लगन उसके दिल में लगी रही।

मोहनदास के घर में रम्भा नाम की एक धाय थी। वह जानती थी कि मोहनदास को अंधेरे से कितना डर लगता है। रम्भा ने एक दिन बातों बातों में मोहनदास से कहा "जब भी तुम को अंधेरे में डर लगे या कोई मुशकिल आन पड़े तो फौरन राम नाम जपने लगो। इस नाम की बरकत से तुम्हारा डर जाता रहेगा।"

(आगे पृष्ठ १६ पर)

गांधी बाबा

मिसेज कुदसिया ज़ैदी

(पिछले परचे से आगे)

मोहनदास के माता पिता ने उस की शादी, लड़कपन ही में पोर बंदर की एक लड़की कस्तूरा बाई से कर दी। उस समय तो मोहन दास के मन में लड्डू फूट रहे थे कि शादी के बाद अच्छे अच्छे कपड़े पहनने को मिलेंगे और एक नई लड़की के साथ खेलने को, पर जब मोहनदास बड़ा हो गया तो उसने लड़कपन की शादी को बुरा बताया और हमेशा बताता रहा।

शादी होते ही मोहनदास ने बिचारी भोली भाली कमसिन कस्तूरा बाई पर सख्ती और कड़ाई शुरू कर दी। यहाँ मत जाओ, वहाँ मत जाओ इस सहेली से मत मिलो, उस से मत मिलो। मोहनदास की इन उलटी पुलटी बातों से कस्तूरा बाई का नाक में दम आ गया! जितना वह कस्तूरा बाई को बेजा दबाना चाहता उतना ही वह उसका मुकाबला करती। कई बार तो इन बातों पर ही खटपट हो जाती और खिचाओ इतना होता कि दोनों की बोल चाल बंद हो जाती।

हरी—"अम्मा! मोहनदास ऐसा क्यों करता था?"

माँ—"बात यह थी कि वह उस लड़ाई झगड़े ही को प्रेम की निशानी समझता था।"

शादी के झंझट में फँस कर भी मोहनदास का स्कूल जाना बन्द नहीं हुआ। इतना ही नहीं ऊपर के दर्जे में पहुँच कर वह क्लास के होशियार लड़कों में गिना जाने लगा। उसने सदा यह कोशिश की कि लोग उसे सच्चा और अपनी बात का धनी समझें। अगर कभी हँसी में भी कोई उसे झूठा कह बैठता तो उस के दिल पर चोट लगती और वह घन्टों रोया करता था।

मोहनदास को एक यह भी शौक था कि वह अपने भटके हुए साथियों को खेंच कर सच्चाई और नेकी के सीधे रास्ते पर लाने की कोशिश किया करता। कभी कभी वह सफल भी हो जाता। इसी शौक के कारण बचपन में उस ने एक बहुत ही बुरे और आवारा लड़के से दोस्ती कर ली। कस्तूरा बाई ने, यहांत क कि मोहनदास के माता पिता ने भी हजार रोका कि वह इस लड़के से मिलना छोड़ दे पर मोहनदास ने सुनी अनसुनी कर दी।

उस का दोस्त अच्छी तरह जानता था कि मोहनदास बड़ा डरपोक और दब्बू है। कभी

पहेलियाँ

६

एक गुनी ने यह गुन गाया,
हरियल मार पिंजरे में दिया।
देखो जादूगर का कमाल,
डाले हरा निकाले लाल।

७

गागर तेरी जल भरी,
सिर पे लागी आग।
बाजन लागी बांसरी,
निकले काले नाग।

८

बेल पड़ी तालाब में,
फूल खिलता जाए।
अजब तमाशा मैंने देखा,
फूल बेल को खाए॥

९

सब तन जख्मो,
बिन पैरों वह चलता है।
राज दुलारा, सब का प्यारा
किस्मत से वह मिलता है।

१०

हरी थी मन भरी थी,
नौ लाख मोती जड़ी थी।
राजा जी के बाग में,
दुशाला ओढ़े खड़ी थी।

उत्तर पृष्ठ १६ पर

म नो रं ज क

१

एक थाल मोतियों से भरा।
सबके सर पर औंधा धरा॥
चारों ओर वह थाल फिरे।
मोती उससे एक न गिरे॥

२

पाताल कुंआ आकाश पानी,
यह पनिहारी मैं पहिचानी।
सर पर हाथ कमर पर घड़ा,
ऐ पनिहारी कैसे भरा।

३

एक पहेली मैं कहूँ,
तू सुनले मेरे पूत।
बिना परों वह उड़ गई,
बाँध गले में सूत।

४

औघट घाट खड़ा नहीं डूबे,
हाथी खड़ा नहाए।
पीपल पेड़ फुनंग तक डूबे,
चिड़िया प्यासी जाए॥

५

कद है सरूका सब्ज है रंग,
खुले बाल और मोती अंग।
शौक का मारा आग लगाए,
तब वह पी के मुँह तक आए॥

आदर है। वह है 'वन्देमातरम्'। इसका कुछ अंश नीचे दिया जाता है :

वन्दे मातरम्

सुजलां सुफलां मलयजशीतलां शस्यश्यामलां मातरम्। शुभ्रज्योत्स्ना पुलकितया मिनीं फुल्लकुसुमितद्रुमदलशोभिनीं। सुहासिनीं सुमधुरभाषिणीं सुखदां वरदां मातरम्। वन्दे-मातरम्॥

इसे भी पढ़ कर याद करो। यह बंगला के प्रसिद्ध कवि बंकिम चटर्जी की पुस्तक आनन्द मठ से लिया गया है। बड़े होकर तुम उसे पढ़ना, वह बहुत सुन्दर उपन्यास है।

राष्ट्रध्वज और राष्ट्रगीत के समान हमारी एक राष्ट्रभाषा भी है। वैसे तो हमारे देश में बहुत सी बड़ी बड़ी भाषाएं हैं जैसे कि गुजराती, मराठी, बंगाली, उड़िया, तामिल, तेलुगु, कन्नड़, आदि। वे बहुत मीठी बोलियां हैं। पर हमारे देश में सबसे अधिक बोली जाने वाली भाषा हिंदी है। हिंदी देश के बहुत बड़े भाग में बोली जाती है। इस कारण हिंदी को देश की राष्ट्रभाषा कहते हैं, इसी को भारत की राज भाषा बनाया गया है।

राष्ट्रभाषा किसे कहते हैं और इसकी क्या आवश्यकता है। जैसा कि तुम्हें बताया जा चुका है भारत में बहुत सी भाषाएं हैं। अब यदि कोई गुजराती भाषी सज्जन किसी बंगाली से मिले, तो वे एक दूसरे की भाषा नहीं समझ सकेंगे, अतः एक ऐसी भाषा की आवश्यकता होगी, जिसे सारे भारतवासी समझ सकें। वह भाषा हिंदी है।

अब तक हम अपना काम अंग्रेजी में चलाते थे, पर वह विदेशी भाषा है और हमारे लिये कठिन है, अतः अब भारत के सब भागों में हिंदी पढ़ाई जाने लगी है। शीघ्र ही हम अपना काम काज हिंदी में करने लगेंगे।

संविधान में लिखा है कि १५ वर्ष के अंदर ही भारत सरकार का भी काम हिंदी में होगा। अब भी कई राज्यों की सरकारें हिंदी में काम करती हैं।

संविधान में लिखा है कि हिंदी भाषा का विकास और प्रचार करना भारत सरकार का कर्तव्य है।

श्री मदन मोहन गुप्त





द्योतक है। इसे अशोक चक्र या धर्म चक्र भी कहते हैं। यहचक्र हमें अच्छे कार्य करने की प्रेरणा देता है।

अतः झंडे का यह अर्थ हुआ कि हमारे देश में शान्ति रहे, हम बलिदान के लिये सदा तैयार रहें, हमारा देश हरा भरा रहे और हम धर्म पर चल कर उन्नति करें।

२ राज्य मुद्रा

झंडे के अतिरिक्त हमारी राज्य मुद्रा अर्थात सरकारी चिन्ह भी अशोक के सारनाथ स्तम्भ अर्थात् त्रयसिंह के ऊपरी भाग का ही चित्र है। त्रयसिंहों के नीचे चक्र बना हुआ है, जो हमारे झंडे में भी है। इस चिन्ह के नीचे एक वाक्य भी लिखा है "सत्यमेव जयते"। इसका अर्थ है कि सत्य की ही जय होती है। यही मंत्र हमें गांधी जी ने दिया था। यही हमारी राष्ट्रीय नीति का आधार है। यही मंत्र हमें उपनिषदों से प्राप्त हुआ है।

३ राष्ट्रगान

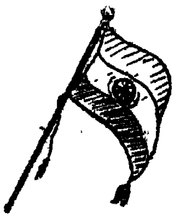
गाना किसे अच्छा नहीं लगता। बड़े बड़े उत्सवों और समारोहों पर गीत गान होते हैं। उनसे उत्सव की शोभा बढ़ती है और आनन्द प्राप्त होता है।

हमारे राष्ट्रीय त्योहारों तथा समारोहों पर गाने के लिये एक विशेष गान चुना गया है जिसे राष्ट्र-गान कहते हैं। उसे बैंड पर भी बजाया जाता है। उसकी ध्वनि भी इतनी ही सुन्दर है, जितने कि उसके भाव। यह कवीन्द्र रवीन्द्र की रचना है। इसे पढ़ो और याद करो :

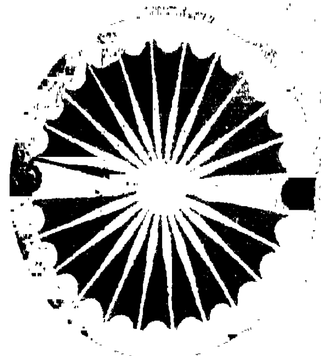
जन गण मन अधिनायक जय हे,
भारत भाग्य विधाता।
पंजाब, सिन्धु, गुजरात, मराठा,
द्राविड़, उत्कल, बंग।
विन्ध्य, हिमाचल, यमुना, गंगा,
उच्छल जलधि तरंग।
तव शुभ नामे जागे,
तव शुभ आशिष मागे।
गाहे तव जय गाथा।
जन गण मंगल दायक जय हे,
भारत भाग्य विधाता।
जय हे! जय हे! जय हे।
जय जय, जय, जय हे।
अहरह तव आह्वान प्रचारित,
शुनि तव उदार वाणी।
हिन्दु, बौद्ध, शिख, जैन, पारसिक,
मुसलमान, ख्रिस्तानी।
पूरब पश्चिम आसे,
तव सिंहासन पासे।
प्रेमहार होय गाथा।
जन गण ऐक्य विधायक जय हे,
भारत भाग्य विधाता।
जय हे! जय हे! जय हे!
जय जय जय जय हे।

जन गण मन के अतिरिक्त हमारा एक और राष्ट्रगीत भी है। उसका भी इतना ही

संविधान सिरीज़ का अन्तिम लेख



हमारे राष्ट्र चिह्न



१ राष्ट्र ध्वज

संसार के सब देशों का अपना अपना झंडा होता है। हमारा भी अपना राष्ट्र ध्वज है! वह झंडा हमारी स्वतन्त्रता का, हमारी एकता का और हमारी राष्ट्रीयता का निशान या प्रतीक है। उसी ध्वज के लिये हमारे देश के वीर युद्ध क्षेत्र में अपने प्राणों का बलिदान करते हैं। वही ध्वज हमारे सब सरकारी भवनों पर फहराता है, हमारे जलपोतों पर लहराता है और संसार के सब भागों में हमारे राजदूतों के भवनों पर फहराता है।

पहले अँग्रेजों का झंडा ही हमारे सरकारी भवनों पर फहराता था, क्यों कि भारत में उनका राज था। पर भारत को स्वतन्त्रता मिलने पर हमारा राष्ट्र ध्वज फहराने लगा।

तुमने हमारा राष्ट्रध्वज तो देखा ही होगा उसमें गहरा केसरी, सफेद और गहरे हरे रंग की तीन बराबर की पट्टियां हैं। सफेद पट्टी के बीच में नीले रंग का एक चक्र है। कितना सुन्दर झंडा है हमारा!

क्या तुम जानते हो कि इन रंगों का और चक्र का क्या आशय है? केसरी रंग का अर्थ है बलिदान, त्याग, संयम। यह रंग हमें प्रेरणा देता है कि हमें अपने देश के लिये सदा बलिदान और त्याग करने के लिये तैयार रहना चाहिये। सफेद रंग का अर्थ है शांति, हृदय की शुद्धि और सत्य। हरा रंग हमारे देश के हरा भरा होने का प्रतीक है। तुम जानते हो कि हमारे देश में खेती ही मुख्य पेशा है। झंडे के बीच का चक्र विधि चक्र है, धर्म चक्र है। यही चक्र महात्मा गौतम बुद्ध ने अपने शिष्यों को दिया था, यही चक्र अशोक ने सारनाथ के त्रयसिंह के नीचे खुदवाया था, यही चक्र भगवान कृष्ण धारण करते थे, यही चक्र हमारे चरखे का प्रतीक है, यही हमारी प्राचीन संस्कृति का भी

"धरती पर अधिकार हमारा"

हम छोटे छोटे बच्चे हैं !
नादान उमर के कच्चे हैं !!
पर अपने प्रण के सच्चे हैं !!!
जय–हिन्द हमारा है नारा !
धरती पर अधिकार हमारा !!

यही हमारी मातृ-भूमि है !
यही हमारी पितृ-भूमि है !
यही हमारी मातृ-भूमि है !!!
इसमें जीवन-सार हमारा !
धरती पर अधिकार हमारा !!

आगी पानी से खेलेंगे !
हम दंड वहां भी पेलेंगे !!
हम नादिरशाही मेटेंगे !!!
है स्वदेश प्राणों से प्यारा !
धरती पर अधिकार हमारा !!

देखें कौन यहां है आता !
है वह कौन क्रूर मद माता !!
कैसे वह अधिकार जमाता !!!
हरे प्राण हथियार हमारा !
धरती पर अधिकार हमारा !!

इस धरती मा के कण २ में !
खेल किया हमने बचपन में !
प्यार समाया है तन मन में !!
इस में डूबा प्यार हमारा !
धरती पर अधिकार हमारा !!

जीते जी हम लाज रखेंगे !
इस धरती पर नाज करेंगे !!
हिल मिल कर हम राज करेंगे
झंडा ऊंचा रहे हमारा !!
धरती पर अधिकार हमारा !!

अशोक बी० ए०

प्याम तालीम

सचित्र मासिक [उर्दू-हिन्दी]

बाल पत्रिका

नवम्बर १९५०, जामिआ नगर, दिल्ली

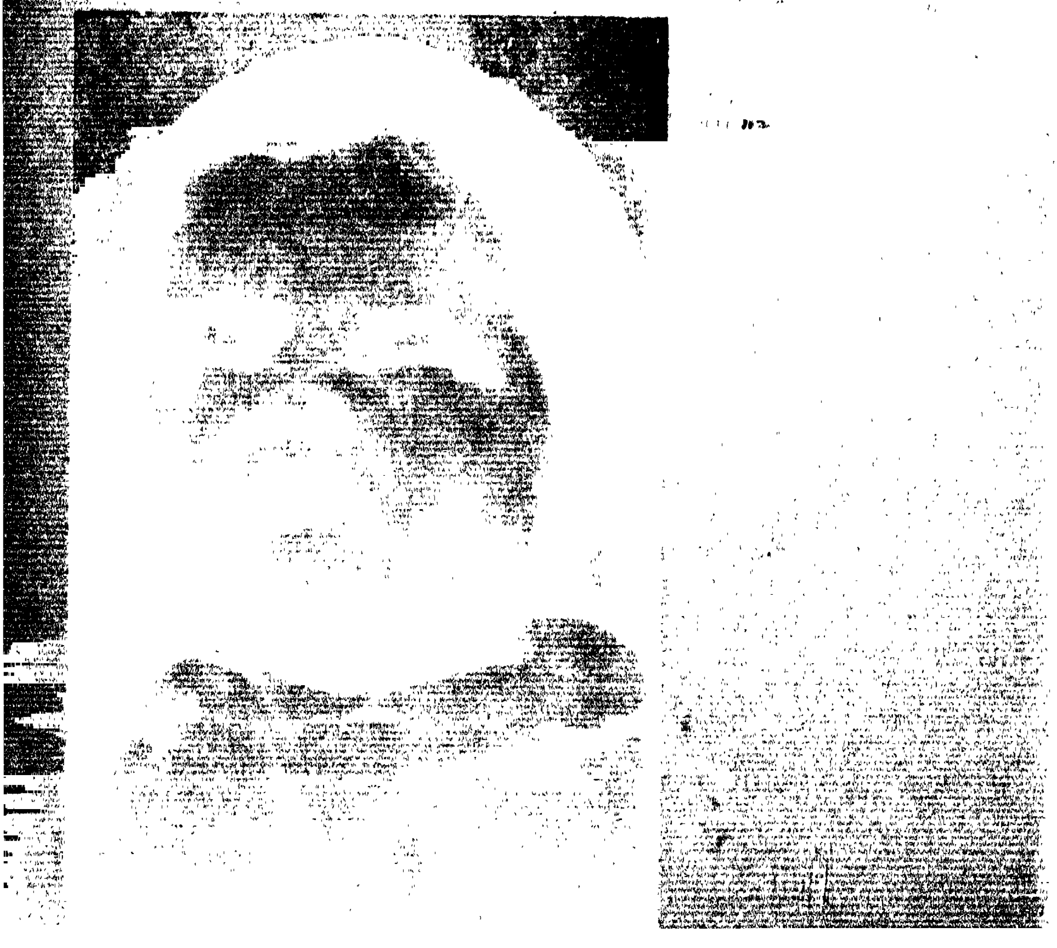
सम्पादक की ओर से

अक्तूबर की आखरी तारीखों में जामिआ में बड़ी धूम धाम है। हर तरफ चहल पहल हो रही है। इसी महीने जामिआ की नींव डाली गई थी। इसी लिये यह बच्चों का मेला हो रहा है। बच्चे इस मेले में बड़ी दिलचस्पी ले रहे हैं और सारा काम खुद कर रहे हैं। आशा है कि दिल्ली और आस पास के स्थानों से भी बच्चे और बड़े आएंगे। इसी मेले में यु० एन० ओ० दिवस भी मनाया जाएगा और उसी रोज बच्चों का एक सम्मेलन भी हो रहा है।

हम प्याम तालीम के अगले परचे में बच्चों के इस मेले के बारे में लिखेंगे। इस तरह वह बच्चे जो इस मेले में नहीं आ सके उस का समाचार पढ़ लेंगे।

* * *

हम में से हर एक यह चाहता है कि वह अपने जीवन में बहुत ऊंचा उठे, बड़े बड़े काम करे। कोई डाक्टर बनना चाहता है। कोई बैरिस्टर, और कोई प्रोफेसर बनने की इच्छा करता है। हम चाहते हैं कि हमारे प्यामी बन्धु, " मैं क्या बनना चाहता हूँ " इस शीर्षक से लेख लिख कर भेजें। हम उन लेखों को प्याम तालीम में छापेंगे भी और प्याम तालीम के अगले परचे में उन्हें यह भी बताएंगे कि जीवन में सफलता पाने के लिए क्या करना चाहिये।



रजिस्टर्ड नं० डी० ७५१

पयाम तालीम

नवम्बर

१९५०

एक प्रति

=)

वार्षिक

४)



बापू

मकतबा जामिआ
लिमिटेड द ली

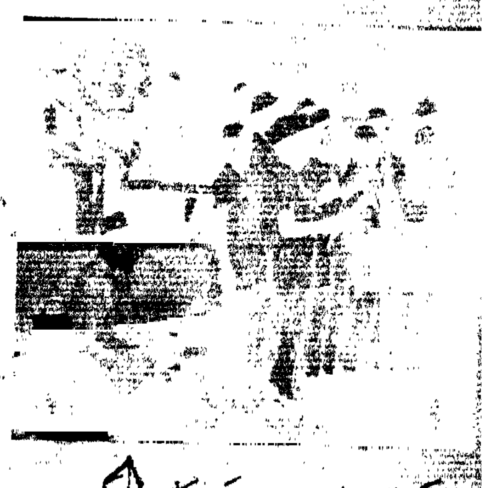
پیام تعلیم



جامعہ دہلی



بچوں کے میلے کا ایک منظر



...کمشنر صاحب بچوں کی دکانیں دیکھ رہے ہیں



بچوں کی کان فرنس میں ترانہ پڑھا جارہا...

جلد ۲۴ نمبر ۸

پیام تعلیم



فہرست مضامین

چندہ

سالانہ للعہ روپے

ششماہی ۲ روپے

فی پرچہ ۶ آنہ



بچوں کی باتیں

جامعہ کا یوم تاسیس بڑے دھوم دھام سے منایا گیا ۲۸، ۲۹ اکتوبر کو بچوں کا میلہ ہوا جو اپنی قسم کا پہلا میلہ تھا ہر طرف بچے ہی بچے نظر آرہے تھے۔ اس میں بڑی اچھی اچھی دکانیں تھیں۔ بچے چیزیں بیچ رہے تھے اور بچے ہی خرید رہے تھے اگر ایک طرف قوالی، مشاعرے اور بیت بازی نے جان ڈال دی تھی۔ تو دوسری طرف سیکورٹی کونسل اور بچوں کی کانفرنس نے میلے میں چار چاند لگا دئے تھے۔

بچوں کی کانفرنس اتنی کامیاب ہوئی کہ باہر کے لوگ عش عش کر اُٹھے۔ اس میں کچھ تجویزیں رکھی گئیں، تقریریں ہوئیں جن کی پوری روداد آپ کو اسی شمارے میں ملے گی۔ کانفرنس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ بچے اپنی کانفرنس اسی شان سے کر رہے تھے جیسی بڑوں کی کانفرنس ہوا کرتی ہے۔ اس میں تجویزیں بھی تھیں اور ان تجویزوں پر گرما گرم مباحثے بھی تھے۔ موافقت میں زور بھی تھا مخالفت میں تیزی بھی، غرض یہ کانفرنس بڑی کامیابی سے ہوئی۔

ہم نے پیامِ تعلیم میں اس کانفرنس کی پوری رپورٹ اس لئے شائع کی ہے کہ پیامی بہن بھائی اپنے اپنے شہروں میں خود بھی ایسی کانفرنسیں کریں جو دلچسپ بھی ہوں اور سبق آموز بھی۔

بچوں کی اس کانفرنس میں پہلی تجویز کشمیر اور آسام کے مصیبت زدہ بچوں کی امداد کے سلسلے میں تھی۔ چنانچہ اس پر عمل کرتے ہوئے بچوں کی برادری کے نمائندہ بچوں کا ایک وفد اپنے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو سے اُن کی سالگرہ کے موقع پر ملا۔ مبارک باد کے بعد بچوں نے اپنی تجویز کے مطابق آسام اور بنگال کے مصیبت زدہ بچوں کی امداد کے لئے پندرہ روپئے کی رقم پیش کی۔ پنڈت جواہر لال نہرو بچوں سے مل کر بے حد خوش ہوئے اور ملک کے معاملات میں بچوں کی اس دلچسپی سے بہت متاثر ہوئے۔

یہ شمارہ میلہ نمبر ہے جس میں میلے کی پوری کہانی سید آصف علی نے پیش کی ہے اور اس کے ساتھ ہی کانفرنس کی ساری روداد ہے۔ امید ہے کہ پیامی بہن بھائی اس کو غور سے پڑھیں گے اور اپنی رائے ہم کو لکھیں ہم اگلے شمارے میں یہ رائیں چھاپیں گے۔

سردی

یہ ۲۸ اکتوبر ۵۰ء کی بات تھی ثریا قمر نے میلے کے مشاعرے میں نظم پڑھی "سردی" اور سارا ہال تالیوں سے گونج اٹھا — لیکن یہ کس کو معلوم تھا کہ ۹ دن کے بعد ایک سردی کی رات کو ثریا قمر آخری بار سانس لے گی۔ اور سرد مٹی تلے ہمیشہ کے لئے دفن کر دی جائے گی۔ ثریا قمر کے ساتھ نہ جانے کتنی بڑی شاعرہ ختم ہو گئی، کتنی حسین نظمیں فنا ہو گئیں۔ موت کے ظالم ہات اور یہ مٹی ——

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم
تو نے وہ گنج ہائے گرانمایہ کیا کئے

"سردی" ثریا قمر کی آخری نظم جس پر مشاعرے میں پہلا انعام ملا ہم اس کو من وعن شائع کر رہے ہیں۔ — ایڈیٹر

سردیاں ہیں ہم غریبوں کے لئے کیسی بلا — دور ہو جائیں خدارا ان کی سب پرچھائیاں
گرم کپڑے ہیں نہ سوئٹر اور نہ کوئی مرزئی — پہنیں گے ہم کیا بھلا لاحق ہیں یہ دشواریاں
اتفاقاً کوئی مہماں گھر میں آ جائے اگر — امی کہتی ہیں کہ کہہ دو جاؤ تم یاں سے میاں
یہ ہوا کنٹرول ہے چینی یہاں ملتی نہیں — اب نگوڑی میں کروں کیسے بھلا مہمانیاں
الاماں سردی کی راتیں اور بچھونا ہے نہیں — ہم تو جائیں بھاڑ میں ان کو اڑھائیں بوریاں

دو نگوڑی مرغیاں تھیں وہ بھی انڈوں سے فرنٹ
لاکھ ان مرغیوں کی ہوتی رہیں رکھوالیاں

ثریا قمر



سفیع الدین نیّر

بچّوں کا میلہ

آؤ بچّو میلا دیکھو — انسانوں کا ریلا دیکھو
اچھّی اچھّی چیزیں کھاؤ — کیک اور بسکٹ خوب اُڑاؤ
دہی بڑے کی چاٹ نرالی — ہو گیا خوش وہ جس نے کھالی
لے لو اچھے اچھے کھلونے — لے لو لے لو مٹھائی کے دونے
لڈو پیڑے نان خطائی — حلوا پوری بالوشاہی
اے لو بندر والا آیا — اس نے اپنا کھیل جمایا
تھرک تھرک کر بندر ناچا — خوب رہا دلچسپ تماشا
وہ دیکھو وہ کون کھڑا ہے — یہ تو بھئی بھالو والا ہے
یہ بھالو کو ناچ سکھائے — بھالو اپنا ناچ دکھائے
چھم چھم چھم چھم چھمک چھیّا — دھم دھم دھم دھم دھمک دھیّا
ایسے ایسے کھیل تماشے — باجے گاجے ڈھولک تاشے
آؤ سب کا لطف اُٹھاؤ — اچھلو، کودو، کھیلو کھاؤ

آؤ بچّو میلہ دیکھو
آؤ بچّو میلہ دیکھو





ہمارا میلہ

سید آصف علی
متعلم ثانوی چہارم

آپ کو معلوم ہے کہ اکتوبر کی ۲۸ر اور ۲۹ر تاریخ کو جامعہ نگر میں بچّوں کا ایک میلہ ہوا۔ پچھلے سالوں میں بھی جامعہ میں بچّوں کے میلے ہوتے رہے ہیں مگر اتنے بڑے پیمانے پر آج ہی دیکھنے میں آیا۔

جامعہ والوں کی بہت پہلے سے ہی یہی خواہش چلی آئی ہے کہ بچّے اپنا کام اپنے ہاتھ سے کریں اپنے خیالات کے مطابق کریں اور جامعہ کا ہر کام یہ پہلو لئے ہوئے ہوتا ہے کہ بچّے اس میں پوری طرح شامل ہوں اور اس سے تجربہ حاصل کریں۔

میلہ کی آرائش سادہ سستی اور بہتر تھی معمولی ٹاٹ سے اور مختلف رنگوں سے بلّیوں اور بانسوں کو رنگ کر آرائش کی گئی تھی۔ مدرسہ ثانوی کی عمارت کو نمائش کے کام میں اور مدرسہ ابتدائی کی عمارت کے سامنے کے برامدوں کو دکانوں کے لئے استعمال گیا تھا اور دونوں عمارتوں کے بیچ کا جو حصّہ ہے یعنی جمنیزیم کے قریب میں بھی کچھ دکانیں تھیں۔ ان دکانوں کے پیچھے کے میدان میں جہاں جوبلی کا پنڈال تھا میلہ کے جلسوں کے لئے شامیانے لگا کر اسٹیج بنایا گیا تھا آدھا پنڈال کرسیوں سے بھرا ہوا تھا باقی حصّے میں دری بچھی ہوئی تھی۔

میلہ کا داخلہ ٹکٹ ۱ر آنہ تھا۔ دفترِ معلومات اور استقبالیہ کمیٹی کا خیمہ بھی باہر ہی تھا۔

میلہ پرچم کشائی سے شروع ہوا۔ اس کے بعد لوگوں نے بازار کی سیر کی۔ سب سے پہلے کونے پر بیری والا باغ یعنی بچّوں کی برادری کی کولڈ ڈرنک کی دوکان تھی اس کے بعد بچّوں کے گھر کی کھلونوں کی دکان تھی اس کے بعد مدرسہ ابتدائی کی چاکلیٹ اور لیمن کی دکان تھی ذرا اور آگے جائیے تو قناعتیں کھنچی ہوئی تھیں جس میں ہوٹل نما ڈائننگ ہال تھا وہاں سے لوگ ہر قسم کا کھانا کھا سکتے تھے۔ عمارت کے دوسرے بازو میں بچّوں کی دکان مدرسہ ابتدائی تھی اور تعلیمی مرکز بارہ ہندو راؤ کی کونے پر چائے کا ہوٹل تھا۔ یہاں پر مدرسہ ابتدائی کی عمارتوں کی دکانیں ختم ہوئیں ذرا آگے چلے تو ہمیں ایک میدان کے چاروں طرف قناعتیں کھنچی نظر آئیں یہ حیدری پارک یعنی

جنیز یم ہے اس کا داخلہ ٹکٹ دو پیسہ تھا اس کے اندر مقررہ وقت پر جسمانی مظاہرے بھی ہونے والے تھے۔ اسی میدان کے کونے پر والنٹیرس کا ہیڈ کوارٹر تھا جو واقعی مستعدی اور ہوشیاری کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ جامعہ والنٹیرس کا پرچم لہرا رہا تھا جس میں سے اخوت، تنظیم اور خدمت کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں۔

پنڈال کے آگے کی دکانوں میں مدرسہ ابتدائی کی پھلوں کی دکان بہت اچھی تھی اسی کے قریب بچوں کے گھر کی پان کی دکان اور تعلیم و ترقی ٹیا محل دہلی کی کتابوں کی دکان تھی اور اس کے دوسرے بازو میں نونہال ڈسپنسری اور احاطہ کالے صاحب والوں کی نمائش اور مدرسہ ابتدائی کی چاٹ کی دکان تھی دونوں بازوؤں کے بیچ میں صدر دروازے کے سامنے پنڈال میں داخل ہونے کے لئے رنگین گیٹ تھا۔

آئیے اب مدرسہ ثانوی کی نمائش دیکھیں۔ عمارت کی بائیں جانب سے چلئے یعنی شفا خانے کے پاس سے۔ تو یہ پہلا کمرہ مدرسہ ابتدائی کی نمائش ہے اس میں میلہ کے سلسلے سے بچوں نے جو غذا پروجیکٹ کے بارے میں کام کیا تھا تمام وہاں تھا پمفلٹ کی صورت میں اور چارٹ دیواروں پر لگے ہوئے تھے۔ قریب ہی مدرسہ کی ڈرائنگ کلاس ہے مگر لوگوں کی خواہش پر اور جامعہ کے یوم تاسیس کی وجہ سے تعطیلاً اس میں جامعہ سے متعلق سامان تھا جو جامعہ میوزیم کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اس میں جامعہ سے متعلق تصویریں البم وغیرہ تھے۔ اس سے ملا ہوا دہلی میوزیم کا کمرہ تھا اس میں کچھ ایسا سامان تھا جو اس مقصد سے اکٹھا کیا گیا ہے کہ ایسے اصحاب کو وہ ایک خاکہ پیش کر سکے کہ دہلی کیا ہے۔ اور دہلی میں کون سی صنعتیں ہیں یا وہاں کی پرانی عمارتیں یا یہاں کا ریڈیو اسٹیشن یا یہاں اسکول کالج اور ہمدرد دواخانہ، دہلی کلاتھ ملز وغیرہ کا سامان رکھ کر بتایا گیا ہے کہ دہلی یہ ہے۔ شوکیسیں میں ہاتھی دانت وغیرہ کا سجا ہوا سامان بڑا بھلا معلوم ہوتا تھا کمرے کے باہر کی گیلری میں اور کمرہ جغرافیہ میں مدرسہ ثانوی کے لڑکوں نے یو این او۔ یعنی اقوام متحدہ پروجیکٹ کے بارے میں جو کام کیا لگایا گیا تھا جغرافیائی کام نقشوں کی شکل میں اور اردو کا کام پمفلٹ یعنی مضامین کی شکل میں اور ڈرائنگ کا کام مختلف چارٹ وغیرہ کی شکل میں ہے۔ مدرسہ ثانوی کی عمارت کے ایک کونے پر استادوں کے مدرسہ کی دکان تھی اور دوسرے کونے پر مدرسہ ثانوی کے ٹی پویلین کا اسٹاک روم تھا۔ ٹی پویلین اپنی نوعیت کا ایک تھا جس میں چائے کے ساتھ ہر قسم کی مٹھائیاں موجود تھیں وہاں بھی (Help your Self) اپنی مدد آپ والا معاملہ تھا کہنے اس طریقے کے واقعی بہتر اور کامیاب طریقہ تھا۔

ٹھیک ۱۱ بجے بچوں کا مشاعرہ شروع ہوا صدر محترم گوپال متل صاحب تھے بچوں نے واقعی بڑی اچھی اچھی نظمیں لکھیں تھیں یہ ایک بہت بڑی بات تھی جس کا ...

نے اپنی صدارتی تقریر میں اعتراف کیا کہ ان نظموں سے معصوم بچوں کی کوششوں کا اندازہ ہوتا ہے اور اساتذہ چاہتے تو اپنی طرف سے لکھ کر دیتے ورنہ بہت غلط طور پر اصلاح کر سکتے تھے جس سے ان کی بھی تعریف ہوتی اور بچوں کی بھی۔

قوالی کا پروگرام ۲½ بجے شروع ہوا تھا اور ۲½ بجے تک جاری رہا۔ اس میں مدرسہ ابتدائی اور ثانوی کے چھوٹے بچے اور بچیوں کے گھر کے بچوں نے بھی حصہ لیا شام کو چار بجے دہلی کے چیف کمشنر صاحب نے میلہ کا پنڈال میں افتتاح کیا۔ مجاہد کمال طالب علم استقبالیہ کمیٹی کے صدر تھے انھوں نے استقبالیہ خطبہ پڑھا چیف کمشنر صاحب نے سارے میلے کی سیر کی وہ بڑے مطئین تھے ہماری میلہ تنظیم سے اور ہمارا تعلیمی کام اتنا آگے دیکھ کر انھیں بڑی خوشی ہوئی۔

۵ بجے شام کو حیدری پارک میں جسمانی پروگرام ہوا اس میں بھی مدرسہ ابتدائی اور ثانوی کے بچوں نے شرکت کی اور مختلف طریقوں سے یعنی جیسے لیزیم وغیرہ سے جسمانی مظاہرے دکھائے۔ ایک گھنٹے میں یہ پروگرام ختم ہو گیا رات کو ½۷ بجے پنڈال میں تعلیمی فلمیں دکھلائی گئیں۔

۲۹ اکتوبر میلہ کا دوسرا دن۔ بڑا مقدس دن اس لحاظ سے کہ آج کا دن جامعہ کی تاریخ کا زرّیں دن ہے یعنی یوم تاسیس جامعہ۔

میلے کا آغاز پرچم کشائی سے ہوا ٹھیک ½۹ بجے پرچم لہرایا گیا۔ ۱۰ بجے مختلف انتخاب کی ہوئی نظموں کا مقابلہ ہوا ایک گھنٹہ جاری رہا۔ ۱۱ بجے جلسہ سیکورٹی کونسل شروع ہوا جس میں دہلی کے اکثر و بیشتر کالج کے لڑکوں نے حصہ لیا وہ ایک مزاحیہ میٹنگ تھی اس کا صدر دہلی کالج کا ایک طالب علم تھا مجھے روس کے ڈیلیگیٹ کے پارٹ کا طریقہ ادائیگی بہت پسند آیا۔ جلسہ یو این او کے ممبر ممالک کے جھنڈوں سے جو استادوں کے مدرسہ کے طلبہ کی مدد سے بنائے گئے تھے آراستہ تھا اور خاص قسم کی میزوں اور میز پر رکھے ہوئے ہیڈ فونوں نے ایک سماں پیدا کر دیا تھا ناظرین کے لئے۔

۲½ بجے بیت بازی شروع ہوئی اس کی صدارت گوپی ناتھ صاحب امن نے کی تھی۔ پہلے ۲۰ منٹ مدرسہ ابتدائی کی دو پارٹیوں میں مقابلہ ہوا ان کے معیار کے مطابق بیت بازی اچھی تھی۔ اس کے بعد آدھ گھنٹہ مدرسہ ثانوی کی دو پارٹیوں میں مقابلہ ہوا شعر معیاری تھے تیاری کا بھی اندازہ ہوتا تھا۔

پونے چار بجے جلسہ یوم یو این او ہوا صدارت انگلستان کے ہائی کمشنر مسٹر آرچی بالڈ نائی کی بیگم نے کی۔ جلسہ کا آغاز کے پی ایس مینن سیکریٹری وزارت خارجہ ہند جو کہ مجیب صاحب کے آکسفورڈ یونیورسٹی کے کلاس فیلو تھے اپنی تقریر سے کیا۔ پھر لیڈی نائی نے تقریر کی اور اس میں ہمارے کام کو جو انھوں نے دیکھا سراہا خاص کر یو این او پروجیکٹ سے

وہ بہت مطمئن تھیں اور مسرت کا اظہار کر رہی تھیں۔ ان کا کہنا تھا کہ آپ کے کام سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ یو، این، او کے بارے میں مجھ سے کہیں زیادہ جانتے ہیں۔

ٹھیک ۵ بجے پنڈال میں بچوں کی کانفرنس ہوئی جو میرے خیال میں ہندستان میں اپنی نوعیت کی پہلی کانفرنس تھی۔ صدارت بچوں کے گھر کے ایک طالب علم نے کی تھی۔ اس کی ساری تنظیم بچوں کی برادری بیری والا باغ کی طرف سے تھی۔ داخلہ ٹکٹ ار آنے سے ۱ روپئے تک تھا۔ دہلی کے اسکولوں کی سبھاؤں اور انجمنوں نے جو بچوں کی برادری سے ملحق ہیں نمائندے بھیجے تھے جنھوں نے مختلف تجاویز پیش کیں اور تقریریں کیں۔ کانفرنس بہت کامیاب رہی۔

رات کو ۷½ بجے استادوں کے مدرسہ کی نئی عمارت کے صدر دروازے پر جامعہ ڈرامیٹک سوسائٹی کی طرف سے دو ڈرامے پیش کئے گئے "مگر مچھ کا بوٹ" اور "غالب جدید شعراء کی محفل میں"۔ داخلہ ٹکٹ باہر سے آنے والے لوگوں کے لئے ۸ آنہ اور مقامی لوگوں کے لئے ۴ آنہ تھا۔ گو ہم صحیح وقت پر اسٹیج وغیرہ کا انتظام نہیں کر سکے بعض دشواریوں کی بنا پر اس لئے لوگوں نے باہر کافی گڑبڑ مچائی اور عجیب انتشار کی سی کیفیت ہو گئی مگر ہم نے پروگرام پر جلد قابو پا لیا اور آدھ گھنٹہ لیٹ ڈرامے شروع کئے۔ ڈراموں کا آغاز بالتیجی باڑی کی بچیوں کے ڈانس سے ہوا۔ ۲ مختلف ڈانس ہوئے جو بہترین تھے جنھوں نے ڈرامے کی شان کو دوبالا کر دیا۔

اس طرح بخیر و خوبی ہمارا دو دن کا میلہ ختم ہو گیا۔ یہ میلہ تھا صحیح معنوں میں بچوں کا میلہ۔ ہم جامعہ برادری کے لوگ قابل مبارکباد ہیں کہ ایسے کام میں ہم سب ایک دوسرے کا تعاون کرتے ہیں اور بچے سے بوڑھا تک اس میں لگ جاتا ہے اور یہ بڑی کامیابی ہے کسی برادری یا جماعت کے لئے کہ کسی بڑی تنظیم میں وہ پورے پورے اشتراک عمل سے کام لے۔ اس لئے یہ میلہ بہت کامیاب رہا بہت کافی تعداد میں باہر سے لوگ شریک ہوئے۔ یہ ایک بہت بڑا ثبوت ہے اس کی کامیابی کا۔

غرض کہ میری اپنی رائے میں یہ ایک چھوٹی موٹی چہلی تھی۔

بقیہ ایک بچی کی ذہانت :-

یہ تھی ایک کہانی کہ کس طرح ایک لڑکی نے اپنے باپ کو بے کاری سے بچایا۔ اور چند دن میں اس لڑکی اور اس کے باپ نے ایک نئی باجے کی جماعت قائم کی اور پہلے کی طرح پھر ہنسی خوشی سے زندگی بسر کرنے لگے۔

(بہ اجازت آل انڈیا ریڈیو)





بچّوں کی کانفرنس

خطبۂ استقبالیہ

جناب صدر اور میرے ساتھیو، آج ہم بہت خوش ہیں کہ آپ ہمارے بلاوے پر ہمارے یہاں تشریف لائے۔ آپ نے ہمارے دعوت نامے کو دیکھ کر دل میں کہا ہوگا کہ آخر یہ لوگ ہم کو شہر سے اتنی دُور کیوں گھسیٹ رہے ہیں۔ لیکن میرے ساتھیو ہم نے آپ کو اپنی جامعہ میں اس لئے بلایا ہے کہ ہم آپ سب طالب علم ہیں، اور جامعہ کی یہ خصوصیت ہے کہ یہ طالب علموں کی بنائی ہوئی چیز ہے۔

جس طرح آج ہم چھوٹے چھوٹے بچّے اپنے لئے کچھ سوچنے اور کچھ کرنے کے لئے جمع ہوئے ہیں اسی طرح آج سے تیس سال پہلے علی گڑھ میں کچھ طالب علموں نے ایک جگہ جمع ہو کر سوچ بچار کے بعد یہ فیصلہ کیا تھا کہ ان مدرسوں میں جن کو بدیسی حکومت چلاتی ہے یا مدد دیتی ہے۔ نہیں پڑھیں گے۔ بلکہ خود اپنی آزاد قومی یونیورسٹی قائم کریں گے۔ یہ یونی ورسٹی جو جامعہ ملیّہ کے نام



سے دیس بدیس مشہور ہو رہی ہے پہلے چند کمرائے کے مکانوں اور خیموں میں کھولی گئی تھی۔ اور اب اچھی خاصی بڑی عمارتوں میں آپ کے سامنے موجود ہے۔

آج جامعہ ملیہ کو قائم ہوئے پورے ۳۰ سال ہو گئے ہیں۔ اور ہمارے لئے یہ بڑا اچھا شگون ہے، کہ ہم بچوں کی آزاد تربیت کا کام اس جامعہ کی تیسویں سال گرہ کے دن شروع کر رہے ہیں جس نے ہندوستان میں آزاد تعلیم کا جھنڈا لہرایا تھا۔

ہم بچوں کی برادری کی سنٹرل کمیٹی کے تمام ممبروں کے جو دہلی کے مختلف کلبوں کے نمائندے ہیں، دل سے شکر گذار ہیں کہ انھوں نے ہماری درخواست پر کانفرنس ہمارے یہاں کرنا منظور کر لیا۔ حالانکہ خود ان کے کلب کانفرنس کو اپنے اپنے یہاں بلا رہے تھے۔

ہم آپ کے سواگت اور کانفرنس کا جیسا انتظام کرنا چاہتے تھے، اپنی مشکلوں کی وجہ سے نہ کر سکے۔ اور ہمارے کاموں میں بہت سی کمیاں رہ گئی ہیں۔ آپ کو یہاں جو تکلیف پہنچی ہو اس کی ہم آپ سے معافی چاہتے ہیں، اور امید کرتے ہیں کہ آپ ان چیزوں کو بھلا کر اس کانفرنس کو کامیاب بنانے میں دل سے لگ جائیں گے۔

اگرچہ دہلی میں بہت سی انجمنیں، سبھائیں، سمیتیاں اور بالکن جی باڑی کی شاخیں بچوں میں کام کر رہی ہیں۔ اور اب بچوں کی برادری نے بھی دہلی کے مختلف علاقوں اور بستیوں میں اپنے اکتیس کلب بنا لئے ہیں۔ لیکن ایک تو بچوں کی یہ سب سبھائیں مل کر بھی دہلی جیسے شہر کے لئے ناکافی ہیں۔ دوسرے ہم نے دیکھا ہے کہ انھیں اپنے کام میں طرح طرح کی کٹھنائیاں پیش آتی ہیں۔

اگر کسی ایک کلب یا سبھا کو اچھے نگراں مل جاتے ہیں تو ان کے پاس جگہ نہیں ہوتی، جہاں وہ کچھ دیر مل جل کر بیٹھیں یا اپنا سامان رکھ سکیں کہیں بیٹھنے اور دفتر بنانے کی جگہ مل جاتی ہے تو اچھا نگراں یا کھیل کود کا سامان نہیں ملتا۔ اور کہیں یہ سب کچھ مل جاتا ہے تو پارک نہیں ملتا جہاں جا کر کھیلیں کودیں۔

اور سب سے بڑی کمی جو بچوں کو اس سلسلے میں محسوس ہوتی ہے وہ ماں باپ کی مدد ہے جو ہمارے کلبوں، انجمنوں اور سبھاؤں کو بہت

کم ملتی ہے۔ ہمارے بزرگ تو بس یہی چاہتے ہیں کہ ہم بیٹھے کتاب کا سبق رٹتے رہیں۔

ابھی کچھ عرصہ ہوا دہلی میونسپلٹی نے بچوں کی تندرستی کے لئے کھیل کود کا انتظام کراکے بچوں کے لئے ایک بہت ہی اچھا قدم اٹھایا ہے۔ جس کے لئے ہم سب کو میونسپلٹی کا شکر گذار ہونا چاہیئے۔

لیکن اتنے اچھے پروگرام سے بھی بچے پورا پورا فائدہ نہیں اٹھاتے اس کی ایک وجہ تو کھیلوں کی کمی ہے دوسرے پارک دور دور ہیں، تیسرے بڑے ان چیزوں میں کوئی دلچسپی نہیں لیتے۔ ورنہ بھلا بچوں کو کھیل کود جیسی چیز سے دلچسپی نہ ہوتی۔ یہ تو ان کی من بھاتی چیز تھی۔

غرض کہ ہر جگہ کچھ نہ کچھ ایسی دقتیں ہیں جو ہمیں اپنے کام نہیں کرنے دیتیں۔ اس لئے اب اپنے آزاد ہندوستان کے دل دلی میں تمام انجمنوں اور سبھاؤں کے بچے مل بیٹھے ہیں کہ ان دقتوں کو سوچیں اور دور کرنے کی کوشش کریں جو ہمیں اپنے کام نہیں کرنے دیتیں۔



آج ہم مل کر یہ سوچیں کہ ہم اپنی تعلیم کے علاوہ اپنے فرصت کے وقت کو کس طرح گذاریں جو پوری طرح مفید ہوں۔

ہم ہندوستانی بچوں کی صحت کے لئے ایسے کون سے طریقے استعمال کریں کہ ہماری صحتیں ٹھیک رہیں۔

ہمارے کھیل کود اور دل بہلانے کے لئے کیا انتظام ہو۔

ہم اپنے بزرگوں کو اپنی مدد پر کس طرح آمادہ کریں۔

میں سمجھتا ہوں کہ آج آپ سب مل کر ان مشکلوں کو دور کرنے کی ضرور کوئی راہ نکالیں گے اور اپنے کام کا ایسا پروگرام بنائیں گے جو نہ صرف دلی کے بلکہ سارے ہندوستان کے بچوں میں نئی جان ڈال دے۔

میں ایک مرتبہ پھر آپ کی تشریف آوری کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور آپ سب سے امید

رکھتا ہوں کہ آپ اس کانفرنس میں ہم بچّوں کی بھلائی کی اچھّی سے اچھّی تجویزیں پیش کرکے پاس کرائیں گے۔ (سیف الاسلام خاں)

خطبہ صدارت

میرے ساتھیو اور بزرگو آپ نے میرے کندھوں پر بہت بڑا بوجھ رکھ دیا ہے اب آپ ہی سہارا دیں تو میں کسی نہ کسی طرح اس کو اٹھاؤں۔

جب مجھ سے کہا گیا کہ بچّوں کی ایک کانفرنس ہو رہی ہے اور ہم تم کو اس کا صدر بناتے ہیں تو میں بہت گھبرایا کہ اتنا بڑا کام مجھ سے کیسے ہوگا۔ مگر پھر سوچا کہ کام سبھی مل کے کرتے ہیں۔ صدر بس اس لئے ہوتا ہے کہ جلسہ کی کارروائی قاعدے سے کرائے اور ہڑبونگ نہ ہونے دے سو اس فرض کو میں آپ سب کی مدد سے پورا کرنے کی کوشش کروں گا۔

ساتھیو ابھی تین سال ہوئے ہمارے دیس کو آزادی ملی ہے۔ ہماری چھوٹی چھوٹی عقلیں آزادی کے معنی اچھی طرح نہیں سمجھتی تھیں اور پھر اپنے بڑوں سے حالات کی شکایتیں سن سن کر ہم سخت پریشان تھے کہ یہ کیسی آزادی ملی جس سے ابتری پھیل گئی۔ لیکن آج اس کانفرنس کو دیکھ کر

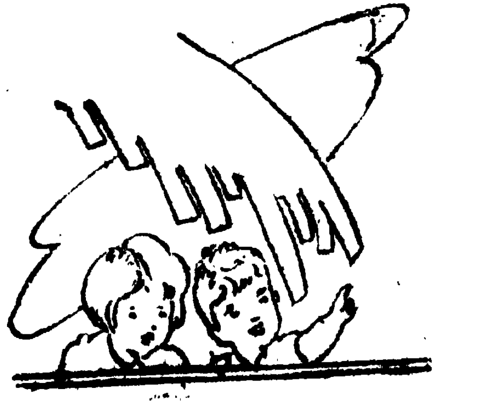


کچھ اندازہ ہوتا ہے کہ آزادی کے کیا معنی ہیں اور آزاد ملک کے رہنے والوں کی زندگی کیسی ہوتی ہے۔

وہی ہندوستان ہے جس میں بچّے کو اتنا بھی حق نہیں تھا کہ کلاس میں اُستاد کے سامنے یا گھر میں ماں باپ کے سامنے اپنے دل کی بات کہہ سکے۔ اسی ہندوستان میں آج بچّے ایک جگہ مل کر اپنے لئے کچھ سوچ سکتے ہیں بڑے ان کو روکتے نہیں بلکہ ان کا دل بڑھاتے ہیں۔

خوش قسمت ہیں دہلی کے بچّے جن کے شہر میں یہ پہلا قدم اٹھایا گیا ہے اور مبارک باد کے قابل ہے بچّوں کی برادری جس نے دہلی کے بچّوں کے لئے یہ موقع نکالا ہے۔

مگر ساتھیو آزادی کی ترنگ میں ہم کو یہ بات نہیں بھولنی چاہیئے کہ اس وقت ہمارے اوپر بڑی ذمہ داری ہے۔ ہم جو کچھ کہیں وہ



ہمیں سوچ سمجھ کر کہنا چاہئیے۔ یہ نہیں کہ ہم بے تکی شکائتیں لے بیٹھیں کہ صاحب ہمارے ماں باپ تو یہ چاہتے ہیں کہ ہم ہمیشہ پڑھتے ہی رہیں اور جو ان کی خوشی ہو کرتے رہیں۔ آخر کیوں؟ کیا ہم دل نہیں رکھتے کبھی کچھ ہمیں بھی اپنی من مانی کرنے کی اجازت ہونی چاہئیے۔

یا یہ ہمارے ماسٹر صاحب جن کی صورت دیکھ کر ہمیں جاڑا چڑھتا ہے اور کھیل کا سارا مزہ کرکرہ ہو جاتا ہے اور بس گیارہ گیارہ ایک سو اکیس کی رٹ لگانی یا اچھے بھلے تکون کے دو ٹکڑے کرنے پڑتے ہیں۔ کیا ان کے خلاف کوئی تجویز پاس کر دیں؟

یا یہ دکھڑا رونے لگیں کہ اگر ہم ماسٹر صاحب کے پنجے سے چھوٹ کر اور ماں باپ کی آنکھ بچا کر کہیں نکل بھی جاتے ہیں تو سوائے گلی کوچوں یا سڑکوں پر کھیلنے کے نہ ہمارے لئے کوئی پارک ہے اور نہ کھیل کود کا سامان۔

دوسرے کی شکائتیں بھی اپنے وقت پر ہوتی رہیں گی۔ مگر سب سے پہلے ہمیں یہ سوچنا چاہئیے کہ ہم خود اپنے لئے کیا کر سکتے ہیں کیسے اپنے فرصت کے وقت کو دلچسپ اور کارآمد طریقے سے گذار سکتے ہیں، کس طرح اپنے ماں باپ پر یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ ہم اپنا بُرا بھلا سمجھتے ہیں۔ ہم کو اسی راہ پر چلنے دیجئے ہاں اگر غلط قدم پڑے تو ضرور ٹوکئے۔

کس طرح حکومت کو یقین دلا سکتے ہیں کہ ہمارے لئے نئے نئے پارک لائبریریاں اور کلب بنانے میں جو پیسہ لگے گا وہ اکارت نہیں جائے گا۔

اور کس طرح خود اپنے اندر اپنی اپنی بستی کے بچّوں کی سبھائیں اور کلب بنانے کا شوق پیدا کر سکتے ہیں تاکہ دہلی کے کونے کونے میں بچوں کی تحریک شروع ہو جائے۔

میں سمجھتا ہوں کہ آپ ان شکایتوں سے پہلے کہ فلاں نے یہ نہیں کیا اور ڈھماکے نے یہ نہیں کیا اس پر غور کریں کہ خود ہم کو کیا کرنا چاہئیے کہ ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہوں۔

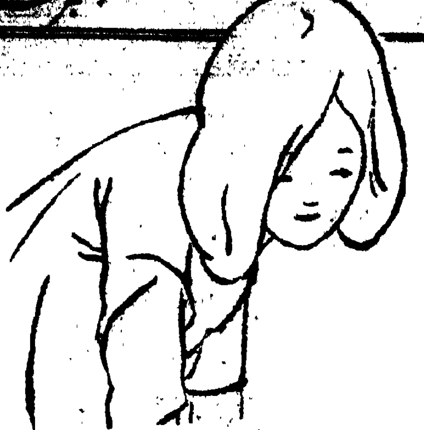
میرے دوستو ہمیشہ بہت سی آوازوں

کا تھوڑی آوازوں سے زیادہ اثر ہوا کرتا ہے۔ آج اگر ہم چند بچے بیٹھ کر کوئی بات سوچیں اور لوگوں سے اسے پورا کرانے کی کوشش کریں تو ہماری بات میں کوئی وزن نہیں ہوگا۔ لیکن اگر ہماری انجمنیں یا سبھائیں دہلی کی گلی گلی میں ہوں اور گلی کا ایک ایک بچہ اس میں شامل ہو اور وہ سب اپنی اپنی دقتوں اور دشواریوں کی آوازیں بلند کریں تو آپ دیکھیں گے کہ نہ صرف ان کے ماں باپ یا بزرگ ساتھی ہی ان کی بات کو سننے پر مجبور ہوں گے بلکہ حکومت بھی ان کی آوازوں پر توجہ ضرور کرے گی۔

آیئے آج ہم یہاں سے یہ طے کر کے اٹھیں گے کہ ہم میں سے ایک ایک بچہ یہاں سے جا کر اپنی اپنی بستیوں میں بچوں کو مل جل کر اپنی ایک سوسائٹی بنانے پر تیار کرے گا۔

دیکھئے اگر آپ اپنی اپنی بستی میں اپنی ایک چھوٹی سی سبھا کو آزادی کے ساتھ اپنے کسی بزرگ کی نگرانی میں چلائیں گے تو وہ اس سے اچھا ہے کہ آپ کسی بڑی سوسائٹی کی طرف دیکھیں کہ وہ آپ کے لئے کچھ کرے۔

بھائی ذرا سوچئے تو کیا ہندوستان میں سو دو سو یا ہزار دو ہزار بچے ہیں کہ ایک سوسائٹی آپ کے مقصد کو پورا کر دے گی ہندوستان تو ہندوستان



ایک دلی شہر میں ہی اتنے بچے ہیں کہ اگر وہ چاہیں کہ ہم سب ایک جگہ جمع ہو کر کام کیا کریں تو کبھی ان کی یہ خواہش پوری نہیں ہوگی۔ ہاں اگر وہ اپنی الگ الگ بستیوں میں سوسائٹیاں بنائیں اور کبھی کبھی ایک جگہ جمع ہو کر اپنی اپنی دشواریوں کو سوچیں تو کام چل سکتا ہے۔

میرے ساتھیو مجھے امید ہے کہ آپ آج کے اس مبارک موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دیں گے اور اس ذرا سے وقت میں ضرور ہم سب مل کر کچھ ایسی باتیں طے کر لیں گے جو دہلی کے زیادہ سے زیادہ بچوں کو فائدہ پہنچا سکیں۔

ہمت سے کام لیجئے۔ خدا آپ کی مدد کرے گا۔

محمد اکبر سکندری
صدر بچوں کی برادری



۱۔ صدارتی تجویز

"دہلی کے بچوں کی یہ کانفرنس آسام، پنجاب، جموں اور کشمیر کے اُن بچوں کے لئے افسوس کا اظہار کرتی ہے جو ان علاقوں میں سیلاب کی نذر ہو گئے ہیں۔ کانفرنس کے تمام بچے ان کے ماتا پتا اور بہن بھائیوں کے غم میں اپنے کو برابر کا شریک سمجھتے ہیں اور انھیں اپنی دلی ہمدردی کا یقین دلاتے ہیں اور اپنی اس کانفرنس کی طرف سے مصیبت زدہ بچوں کے لئے ایک معمولی سی رقم پیش کرتے ہیں۔"

تجویز نمبر ۲۔ صدیق احمد نمائندہ بچوں کا گھر دریا گنج نے پیش کی:

"بچوں کی کانفرنس کا یہ عام جلسہ اسے ہر بچے کا پیدائشی حق سمجھتا ہے کہ اسے ہر قسم کے کھیل کود تعلیمی اور تفریحی دلچسپیوں میں حصہ لینے اور چیزوں کے بنانے بگاڑنے کا پورا موقع ملتا رہے۔ اس لئے کانفرنس کی رائے میں بچوں کے لئے ہر محلہ اور بستی میں بچوں کی برادری کی نگرانی میں بچوں کے کلب اور سبھائیں کھلنی چاہئیں۔ دہلی کے بچوں کی یہ کانفرنس دہلی کے ہر اُس بچے سے جس کی عمر ۱۴ برس سے کم ہے اپیل کرتی ہے کہ وہ جگہ جگہ اپنے اس حق کو حاصل کرنے کے لئے آواز اٹھائیں اور اس وقت تک خاموش ہو کر نہ بیٹھیں جب تک دہلی کی ہر گلی میں بچوں کا ایک کلب یا بال سبھا نہ بن جائے۔ اگر ایسا ہو جائے گا تو ہم وعدہ کرتے ہیں کہ ہم سے نہ ہمارے بڑوں کو شکایت ہوگی اور نہ اُستادوں کو۔"

راجکماری۔ نمائندہ بچوں کا کلب بیری والا باغ نے تائید کی۔

ترمیم ۱:۔ نرجس بانو۔ نمائندہ بچوں کا کلب بیری والا باغ۔

"میری رائے میں تجویز کے اس حصہ کو" کے کھیل کود۔ تعلیمی اور تفریحی دلچسپیوں میں حصہ لینے اور چیزوں کے بنانے بگاڑنے کا پورا موقع ملتا رہے" اس طرح کر دیا جائے کہ کھیل کود، تعلیمی اور تفریحی دلچسپیوں میں حصہ لینے اور

آزادی سے خود کچھ کرنے کا پورا موقع ملتا ہے)

ترمیم ۱ کی تائید کرنے والے :۔ سریندر کمار۔ نمائندہ بچوں کی حکومت مدرسہ تعلیمی مرکز ۱

ترمیم ۲ :۔ ریاض احمد۔ نمائندہ بچوں کا کلب بیری والا باغ۔

"میری رائے میں تجویز کے اس حصہ کو کہ (بچوں کے لئے ہر محلہ اور بستی میں بچوں کی برادری کی نگرانی میں بچوں کے کلب اور سبھائیں کھلنی چاہئیں)۔ اس طرح کر دیا جائے کہ بچوں کے لئے ہر محلہ اور بستی میں بچوں کے کلب اور سبھائیں کھلنی چاہئیں جو آزادی کے ساتھ اپنا اپنا کام کریں"

ترمیم ۲ کی تائید سریندر ورما۔ نمائندہ بال سبھا نے کی۔

صدیق احمد نے جوابی تقریر کی۔

۱۔ تجویز۔ پیش کرنے والے :۔ سلمان بیگ۔ نمائندہ بچوں کی انجمن مدرسہ ابتدائی جامعہ نگر۔

تائید کرنے والے :۔ قمر شاہ۔ نمائندہ بچوں کی حکومت مدرسہ تعلیمی مرکز ۱

"دہلی کے نمائندہ بچوں کی کانفرنس دہلی کی حکومت سے درخواست کرتی ہے کہ بچوں کو مدرسہ اور گھر میں جو ڈانٹ ڈپٹ اور مار پیٹ کی جاتی ہے۔ اُسے قانون کے ذریعہ فوراً بند کر دے کانفرنس اپنے بزرگوں کو یقین دلاتی ہے کہ



ہم ہر اچھی بات محبت اور پیار سے مان جائیں گے"

(۱) مخالفت کرنے والے :۔ محمد اشفاق۔ نمائندہ بچوں کی حکومت مدرسہ تعلیمی مرکز ۱

(۲) مخالفت کرنے والے :۔ روندر کمار۔ نمائندہ بچوں کا کلب قصاب پورہ۔

تائید مخالفت کرنے والے۔ روی کمار ممبر بچوں کی برادری۔

جوابی تقریر :۔ سلمان بیگ نمائندہ بچوں کی انجمن۔

یہ تمام تجاویز کانفرنس میں پاس ہو گئیں۔

کانفرنس کی آخری تجویز کو سلمان بیگ نمائندہ بچوں کی انجمن مدرسہ ابتدائی جامعہ ملیہ نے پیش کرتے ہوئے ایک تقریر کی جو ہم اسی شکل میں شائع کر رہے ہیں۔ ایڈیٹر

جناب صدر!

مجھے بڑی خوشی ہے کہ آج ہم سب بچے ایک



جگہ جمع ہیں اور اپنے خیالات کا اظہار کرتے اور اپنی اپنی تجویز پیش کرتے ہیں پھر ان کے پاس کرانے کی کوشش کرتے ہیں۔ میں بھی اسی غرض سے اسٹیج پر آیا ہوں۔ آپ کو یہ تو معلوم ہوگا کہ ہم بچوں پر اسکول اور گھروں میں کتنی مار پڑتی ہے۔ میں اس مار سے بچنے کے لئے ایک تجویز پیش کرتا ہوں۔ امید ہے کہ آپ منظور فرمائیں گے۔ تجویز کے الفاظ یہ ہیں۔

"دہلی کے نمائندہ بچوں کی کانفرنس دہلی کی حکومت سے درخواست کرتی ہے کہ بچوں کو مدرسہ اور گھر میں جو ڈانٹ ڈپٹ اور مارپیٹ کی جاتی ہے۔ اسے قانون کے ذریعہ فوراً بند کر دے۔ کانفرنس اپنے بزرگوں کو یقین دلاتی ہے کہ وہ ہر اچھی بات پیار و محبت سے جان جاتے ہیں۔" تجویز آپ نے سن لی۔ اب میں اس کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں۔

مار پیٹ سے ہم کو فائدہ نہیں بلکہ نقصان ہے

مگر ہمارے ماں باپ اور استاد صاحبان سمجھتے ہیں کہ ہم کو مار سے فائدہ ہے میرے خیال میں وہ سخت غلط فہمی میں ہیں۔ اسی سلسلے میں میں آپ کو چند قصّے سناتا ہوں۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ماسٹر صاحب نے ہم کو گھر پر کرنے کے لئے بہت کام دے دیا جب ہم گھر پر پہنچے جلدی جلدی کھانا کھایا اور کام کرنے بیٹھ گئے۔ ابھی ہم بیٹھے ہی تھے کہ والدہ صاحبہ نے کہا کہ بازار سے ہمارے لئے سودا لے آؤ۔ ہم نے کہا کہ ہم کو اسکول کا کام کرنا ہے اس پر انھوں نے ہمارے چپت رسید کر دی۔ چپت کی چوٹ کھا کر ہم چپ ہو گئے۔ جب ہم بازار پہنچے تو جو سودا منگایا گیا تھا وہ بہت کوشش کے بعد بھی نہ مل سکا۔ اور ہم وہاں سے ناکام لوٹ آئے۔ جب گھر پر پہنچے تو والدہ نے پوچھا لائے سودا۔ ہم نے کہہ دیا نہیں ملا اس پر ہم کو جھوٹا بتایا گیا اور کہا وہاں پر کھیلنے لگے تھے اور پھر جھوٹ بولتے ہو کہ نہیں ملا۔ اور دو چار طمانچے دھر دیئے۔ چوں کہ دیر ہو چکی تھی اور ہمارے کھیل کا وقت ہو گیا تھا ہم کھیل میں چلے گئے۔ صبح جب اسکول پہنچے تو ماسٹر صاحب نے پوچھا کام کیا۔ ہم نے سارا واقعہ کہہ سنایا۔ اس پر انھوں نے دو چار گھونسوں کے ساتھ کہا

کھیل میں چلے گئے اور اسکول کا کام نہیں کیا۔ چونکہ وہ ہم سے بڑے تھے اس وجہ سے ہم کچھ نہ کہہ سکے۔ اور سوچنے لگے انھوں نے ہمیں کیوں بلا وجہ مارا۔ اور ہمارے مدرسہ کے کام کا ہرج ہوا۔ اس سے آپ نے اندازہ لگا لیا ہو گا کہ ہمارا کتنا نقصان ہوتا ہے۔ ایسے ہی ایک اور دفعہ کا ذکر ہے ہم کسی وجہ سے اسکول کا کام نہ کر سکے۔ اس پر ماسٹر صاحب نے ہماری تواضع کے لئے نیم کی چھڑی منگوائی اتفاق سے سردی کا زمانہ تھا۔ چھڑی ہمارے ہاتھوں ہی پر پڑی ہمارے اوپر بڑا اثر ہوا اس کے بعد ماسٹر صاحب نے املاء لکھوانا شروع کیا۔ ہم تو اپنی چوٹوں کو سہلا رہے تھے اور قلم ہاتھ میں نہیں آ رہا تھا ہم نے املا خراب لکھا اس پر انھوں نے دو تین تھپڑ پھر لگا دیئے ہم اپنی چوٹوں کو سہلاتے رہے اور کام کا ہرج ہوا۔ اس سے آپ نے اندازہ لگا لیا ہو گا کہ ہم کو مار سے کتنا نقصان ہے۔ اسی مار کی بناء پر بہت سے لڑکے مدرسے نہیں آتے اور وہ جاہل رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے ملک میں جاہلوں کی تعداد زیادہ ہے اور تعلیم یافتہ کم ہیں۔

مار سے ہمارے اندر ضد پیدا ہوتی ہے وہ یوں کہ ماں باپ ہم سے کوئی اور کام کروانا چاہتے ہیں اور ہماری پسند کا کرنے نہیں دیتے۔ اس سے ہم غصہ میں آ کر ان کے کام کو خراب کر ڈالتے ہیں اور اپنا کام چوری کر کے کرتے ہیں اور یہی چوری کی عادت بڑے ہو کر ہم کو جیل کی کال کوٹھریوں کی سیر کراتی ہے اور پھانسی کے پھندے تک لے جاتی ہے۔ در اصل مار تو جانوروں کو جاتی ہے وہ اس وجہ سے کہ وہ انسان کی زبان سمجھ نہیں سکتے اور انسان اُن کو اپنا کام کرانے کے لئے ڈنڈا مارتا ہے ہم بچے تو ان کی زبان سمجھ سکتے ہیں تو ہم کو مارنے کی کیا ضرورت ہے۔ اور حکومت نے جانوروں کے لئے قانون بنا دیا کہ اس کو اگر کوئی مارے گا تو جرمانہ ہوگا اس کا جانور گاڑی تانگہ چھین لیا جاتا ہے۔ مگر ہم انسانوں کے بچوں کے لئے کوئی قانون نہیں بنا معلوم ایسا ہوتا ہے کہ حکومت سمجھتی ہے کہ ہم بچوں کے چوٹ نہیں لگتی اور جانوروں کے لگتی ہے ہم حکومت سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ قانون بنا دے ورنہ ہم بچے جلوس نکالیں گے جلسے کریں گے اور حکومت سے اپنی بات منوا کر رہیں گے دہلی کے بچے کبھی نہیں مان سکتے کہ انھیں آزادی ملی ان کے اوپر مار غلامی کے زمانے میں بھی پڑتی تھی اور اب بھی پڑتی ہے۔ اگر تجویز پاس نہ ہوئی تو قانون

بقیہ صفحہ ۳۴ پر



ایک بچّی کی ذہانت

ذکیہ انصاری۔ جامعہ نگر

بہت عرصہ گزرا یورپ میں ایک
...کی تھی بڑی ہی تیز اور ذہین۔ اُس کا
...پ ایک آرکسٹرا کی جماعت کا افسر تھا۔
...ں ماں باپ بیٹی کی بسر اوقات بڑی
...ی خوشی کے ساتھ ہوتی تھی۔ مگر ایک
...ہ خدا کا کرنا ایسا ہوا یہ ساز باجے کی
...عت بے کار ہوگئی۔ سب الگ الگ
...ستے پر لگ گئے، مگر بدقسمتی سے اس
...لی کا باپ بے کار رہنے لگا۔ اس کو
...ں کوئی کام نہ ملا۔ اب تو بڑی پریشانی
...ئی، یہاں تک کہ گھر والوں کو پیٹ
...ھانا بھی پورا نہ ملتا۔ لڑکی بیچاری بھی
...تنگیوں کو محسوس کرنے لگی۔ آخر اس
...ت آٹھ سالہ بچّی نے ارادہ کیا کہ میں
...ے باپ کو نوکری دلا کر رہوں گی۔ پس
...رادہ کر کے یہ لڑکی یورپ کی سب
...ے مشہور آرکسٹرا جماعت کے ہال میں

جہاں مشق کرائی جاتی تھی، چپکے سے گھس گئی۔ اور بڑے دھیان سے باجا سننے لگی اور سمجھنے کی کوشش کرنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد جب ہال کا چوکی دار دروازے بند کرنے آیا تو اُس نے کرسیوں کے بیچ میں لال لال کوئی چیز دیکھی۔ یہ لال لال چیز دراصل اس لڑکی کی ٹوپی کا پھندنا تھا۔ وہ یہ سوچ کر کہ نہ معلوم کیا چیز ہے، اسے پکڑنے چلا۔ لڑکی بھی بلا کی تیز تھی، سمجھ گئی کہ اس شخص نے مجھے دیکھ لیا ہے۔ بس وہ بھی کرسیوں کے درمیان اس لائن سے اس لائن اور اسی طرح یکے بعد دیگرے لائنوں میں بھاگنے لگی۔ مگر اسے کیا خبر تھی کہ اس کی ٹوپی کا پھندنا اُس آدمی کو نظر آرہا ہے اور وہ اسی کا پیچھا کر رہا ہے۔ آخر اسی بھاگ دوڑ میں وہ لڑکی کرسیوں میں الجھ گئی۔ اور اُس آدمی نے اسے پکڑ لیا۔ وہ اس اجنبی

لڑکی کو دیکھ کر بہت خفا ہوا اور پکڑ کر افسر کے پاس لے گیا اور کہا "حضور دیکھئے یہ نہ معلوم کون لڑکی ہے جو آج کرسیوں کے درمیان چھپ کر آپ کا باجہ سن رہی تھی"۔ افسر نے لڑکی سے پوچھا "کیوں بھئی، ایسا تم نے کیوں کیا؟"۔ لڑکی نے اپنے ماں باپ کی مفلسی کی داستان کہہ سنائی۔ اور کہا کہ اسی وجہ سے میں ایسا کرنے پر مجبور ہوئی۔ تاکہ خود سیکھ کر پھر اپنے باپ کو مجبور کروں کہ وہ ایک نئی جماعت تیار کرے۔ افسر بھی رحم دل آدمی تھا۔ کہنے لگا تم پوچھ کر باقاعدہ ہماری جماعت میں شریک ہوتیں، چھپکے سے سننے کی کیا ضرورت تھی۔ لڑکی نے ادب سے کہا "بھلا آپ ہم جیسے غریبوں کو کب اپنی جماعت میں شامل کرتے"۔ افسر نے دیکھا کہ لڑکی بڑی ہی ہوشیار ہے تو پوچھا "اچھا آج تم نے کیا سیکھا؟ بتا سکتی ہو؟" لڑکی نے کہا "ضرور!" اور پھر جو کچھ سیکھا تھا، گر کے بتادیا۔ افسر اس کی یہ ذہانت دیکھ کر بہت خوش ہوا اور کہا "جاؤ اپنے باپ کو لے آؤ، ہم اس کی مدد کریں گے۔ اس کو اور تم کو سکھائیں گے بھی"۔ لڑکی بہت خوش ہوئی، دوڑی ہوئی گھر گئی۔ اور کہا "چلئے ابا جان آپ کو مشہور باجے کی جماعت کے افسر نے بلایا ہے"۔ باپ نے کہا "بیٹی تیرا دماغ تو نہیں پھر گیا ہے! بھلا وہ اتنا بڑا آدمی مجھ غریب کو کیسے بلا سکتا ہے جسے ایک وقت پیٹ بھر روٹی نہیں ملتی"۔ جب لڑکی نے دیکھا کہ باپ کسی طرح راضی نہیں ہوتا تو سارا واقعہ کہہ سنایا۔ مگر باپ نے پھر کہا "چپ رہ! بھلا اس حال میں اچھے اچھے نہیں جا سکتے تو تو کیسے پہنچ سکتی ہے؟ اور اگر چپکے سے چلی جاتی اور پکڑی جاتی تو اب تک جیل کی ہوا کھاتی۔"

آخر جب ماں نے بھی بہت سمجھایا تو وہ تیار ہو کر بیٹی کے ساتھ روانہ ہوا۔ لڑکی اس افسر کی کوٹھی میں بلا روک ٹوک چلی جا رہی تھی۔ اس کا باپ اس کی یہ بے باکی دیکھ کر بہت گھبرایا اور لڑکی کو روکنے لگا۔ مگر وہ تسلی دیتی ہوئی اندر گھسی چلی گئی اور پھر اجازت لے کر اپنے باپ کو لینے آئی۔ باپ نے حیرت سے پوچھا "مجھے بلایا ہے؟" آخر ہاں نا کے ساتھ اس لڑکی کا باپ افسر کے سامنے گیا۔ لڑکی نے کہا "جناب، میرے ابا جان بڑی مشکل سے آئے ہیں ان کو یقین ہی نہیں ہو رہا تھا کہ آپ نے یاد فرمایا ہے"۔ افسر نے کہا "بے شک میں نے تمہیں بلایا ہے کہ تم کو کام دوں۔ اور پھر لڑکی کی ذہانت کی تعریف کی۔

باقی صفحہ ۸ پر دیکھو

"تبت"

محمد امین ایم، اے۔

تبت بلند ترین ہمالیہ کے اس پار واقع ہے۔ یہ دنیا کی سب سے اونچی پہاڑی ریاست ہے۔ سطح سمندر سے اس کی اونچائی ۱۴ ہزار اور ۱۸ ہزار فٹ کے درمیان ہے۔ اس کے چاروں طرف اونچے اونچے پہاڑ ہیں جن کی بلندی لگ بھگ ۵ میل ہے۔ ان پہاڑوں پر سال بھر برف کی موٹی تہہ جمی رہتی ہے اور تبت کی سرزمین کو باہر کی دنیا سے بالکل علیحدہ رکھتی ہے۔ شاید اسی لئے یہاں باہر کی دنیا کے انسانوں کا گذر بڑی مشکل سے ہوتا ہے بلکہ صدیاں گذر جاتی ہیں اور کوئی سیاح وہاں نہیں جا پاتا۔ پچھلی دو جنگ عظیم کا اثر بھی تبت میں بالکل نظر نہیں آتا۔ آج بھی یہ ایک ایسی جاگیردارانہ سلطنت ہے جہاں عجیب و غریب قسم کی چیزیں رسومات اور طور طریقے ملتے ہیں جن کو ہم آپ دیکھ کر یقین بھی نہیں کر سکتے۔ وہاں رہنے سہنے اور لباس کا طریقہ اب بھی ساتویں صدی پرانا ہے۔

تبت کے باشندوں کا خاص مذہب بدھ ہے جس کے بڑے بڑے سادھو اور رہنت دلائی لاما کی مدد سے حکمرانی کرتے ہیں۔ بدھ مذہب کے ماننے والوں کی تعداد ۲ لاکھ ہے۔ دلائی لاما جو وہاں کا بادشاہ ہے اس کو تبت سے بہت گہرا لگاؤ ہے لیکن اپنے ملک میں بیرونی رسوخ اور اثر کو بڑھانا وہ ہرگز پسند نہیں کرتا۔



لمبائی چوڑائی کے لحاظ سے تبت ہمارے ملک کے برابر ہے۔ اس کا رقبہ لگ بھگ ۱۲ لاکھ مربع میل ہے۔ تبت کی تہذیب و تمدن کا اندازہ ہمیں اس بات سے ہوتا ہے کہ وہاں نہ تو ریڈیو ہے، نہ اسپتال، نہ موٹر نہ ٹرین نہ اخبار نہ رسالہ میگزین اور نہ گرمی حاصل کرنے کے لئے جدید

[illegible] ہتے اور نہ یہاں [illegible] قسم کی گاڑی [illegible] دکھائی نہیں دیتی شاید [illegible] ۔ وہاں کی زمین پہاڑی [illegible] اونچی نیچی ہے لیکن یہ سب [illegible] لئے میسر نہیں [illegible] کی دنیا کا اثر وہاں نہ [illegible] ہے ۔ اس کی کل [illegible] بھر لاکھ ہے ۔ وہاں کے باشندوں کا خیال ہے [illegible] ایک [illegible] ملک ہے جو [illegible] اور [illegible] دور کی ساری برائیوں سے پاک ہے [illegible] ذات پات کی پابندی [illegible] ہے ۔ اور [illegible] طرح یہاں بھی امیر اور غریب کا دو طبقہ ہے [illegible] امیر اور دولت مند لوگ اونچی اونچی [illegible] میں رہتے ہیں ۔ یہ لوگ تاہم پیشہ مزدوروں [illegible] سے میل جول نہیں رکھتے اور بالکل علیحدہ [illegible] عام لوگ بہت ہی غریبی اور مفلسی کی [illegible] کرتے ہیں۔

تبت کی خاص پیداوار اون ، چاول ، سمور اور [illegible] اون ، سمور اور یاک کی دمیں ہندوستان [illegible] دوسرے ملکوں میں بھیجی جاتی ہیں ۔ امریکہ سے [illegible] کا تجارت سالانہ ۲۰۳ ملین ڈالر کے قریب ہے ۔

[illegible] تبت کا سب سے مشہور اور بڑا شہر ہے ۔ [illegible] ہے ۔ یہ سطح سمندر سے ۱۲ ہزار فٹ [illegible] اور چاروں طرف ۲۰ ہزار فٹ اونچے اونچے [illegible] سے گھرا ہوا ہے ۔ پہاڑ اور ان کی چوٹیوں پر [illegible] بے شمار خانقاہیں ہیں ۔ اس کی آبادی ۲۵ ہزار کے قریب ہے لیکن اگر ہم خانقاہوں کے سادھوؤں کو بھی شامل کر لیں تو ۵۰ ہزار ہے ۔ لاسہ میں جو سب سے زیادہ شاندار عمارت ہے وہ دلائی لاما کا محل ہے ۔ اس کی چھت سونے کی بنی ہے اور اس کی اونچائی ایک ہزار فٹ ہے تعمیرات کے ماہرین کے لئے وہ ایک عجوبہ ہے اس لئے کہ وہ ۲۰۰ برس ہوئے جب کہ بنائی گئی تھی اور اس میں کہیں بھی لوہا استعمال نہیں ہوا ہے ۔ باوجود اتنی اونچائی پر ہونے کے لاسہ کا شہر صاف ستھرا نہیں ہے ۔ اس کے گلی کوچوں میں کوڑا کرکٹ سال بھر اکٹھا ہوتا رہتا ہے اور بہت گندگی پھیلی رہتی ہے ۔ وہاں کی آب و ہوا اگر سرد نہ ہوتی تو صحت کے نقطۂ نظر سے یہ بہت خطرناک ثابت ہوتا ۔

تبت کے لوگ بہت مہمان نواز ہوتے ہیں اور ان کے یہاں پارٹیاں ، دعوتیں اور جلسے بہت ہوتے ہیں جن سے کہ وہ اپنے دل کو بہلاتے ہیں ۔ چوں کہ یہاں کوئی تھیٹر ، ریڈیو ، کتاب ، میگزین اور باقاعدہ منظم کئے ہوئے کیس وغیرہ کا انتظام نہیں ہے اس لئے پارٹیاں ، ناچ گانے کی محفلیں کئی کئی دنوں تک گرم رہتی ہیں اور انھیں سے وہاں کے شرفاء اپنا دل بہلاتے ہیں اور خوشی حاصل کرتے ہیں ۔

براعظم ایشیا کے حالات بہت تیزی سے بدل رہے ہیں ۔ چین میں کمیونسٹوں کی فتوحات نے دنیا کو حیرت میں ڈال دیا ہے ۔ جب سے چیانگ کائی شک چین سے پٹ

پناکر باہر نکال دیئے گئے ہیں اور ماؤزے تنگ کی حکومت کا قدم جم گیا ہے اس وقت سے تبت کے حکمران اور بدھ مت کے ماننے والے بہت پریشان تھے۔ چین کی عوامی ریپبلک کا اعلان تھا کہ تبت ان کی سرزمین کا ایک صوبہ ہے اس لئے اس کو آزاد کرایا جائے گا اور پیکنگ کی مرکزی حکومت کے تحت منظم کیا جائے گا۔ جنرل چوتے اور دوسرے چوٹی کے چینی کمیونسٹ لیڈروں نے کئی بار اپنے بیان میں یہ بات واضح کردی تھی کہ تبت چین کا ایک حصہ ہے اور اسے آزاد کرانا ان کا فرض ہے۔

چین کی نئی حکومت نے تبت پر اب حملہ شروع کردیا ہے اور خبروں سے پتہ چلتا ہے کہ اس کی فوج لاسہ میں پرامن طریقہ سے داخل ہوگئی ہے۔ تبت کی فوج میں صرف ۱۰ ہزار سپاہی ہیں اور یہ بھی بہت ہی پرانے اور گھٹیا قسم کے ہتھیار سے مسلح ہیں۔ ان کے یونیفارم پچھلی پہلی جنگ عظیم کے برطانوی سپاہیوں کے اتارے ہوئے لباس ہیں۔ بھلا ایسی فوج جدید قسم کے ہتھیاروں سے مسلح چینی کمیونسٹوں کا کیا مقابلہ کرسکتی ہے۔ چنانچہ چین کی فوج آگے بڑھتی چلی جارہی ہے اور دیر یا سویر سارے تبت پر اس کا قبضہ ہونا لازمی ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ چین کی عوامی جمہوریت تبت کو اپنی سلطنت میں شامل کرنے کے لئے کیوں فوجی کارروائی کررہی ہے۔ اس کے کئی وجوہات ہیں۔ پہلی بات تو یہ [illegible] تبت قابو میں آجانے کے بعد بدھ مذہب کی سب سے بڑی مرکزی ریاست براہ راست ان کے اثر میں [illegible] گی اور اس سے ان کو برما، ملایا، آسام، نیپال، بھوٹان اور دوسری پہاڑی ریاستوں میں پروپیگنڈہ کرنے کا بہت موقع ملے گا اور خاص [illegible] آجائیں گی۔ دوسری بات یہ کہ ہندستان کے ساتھ ان کو ۲۰۰۰ میل لمبی سرحد مل جائے گی۔ اس کی وجہ سے ہندستان میں کمیونزم کی تحریک زور پکڑ جائے گی اور پھر تعجب نہیں کہ ہندستان تیزی سے کمیونزم کی طرف مائل ہو جائے۔ پھر کیا ہے سارے ایشیا میں کمیونزم کا غلبہ ہو جائے گا اور اس براعظم میں کوئی ملک اس کی زد سے نہ بچ سکے گا۔ علاوہ اس کے تبت میں قدرتی دولت بے شمار ہے۔ معدنیات اور یورینیم زمین کے اندر لاکھوں ٹن دفن ہیں ان کو استعمال کرنے کے لئے چین کی حکومت اسکیم بنائے بیٹھی ہے۔ پھر خیال یہ ہے کہ تبت کی ہوا تھوڑی بہت گرم ہو رہی ہے اور اس لئے وہاں ہوائی اڈے جدید پیمانہ پر بنائے جاسکتے ہیں۔ چین کی حکومت سردست چین سے تبت کی سرحد تک پختہ سڑک بنا چکی ہے۔ اس سڑک سے فائدہ اٹھا کر چینی حکومت تبت میں اپنی فوجوں کو رسد کا سامان بھیج رہی ہے۔

لطیفے

پولیس۔ (ایک شخص سے) تم یہ دکان کے تالے کے ساتھ کیا کر رہے ہو۔

شخص۔ صاحب مجھے یہ کنجی پڑی ہوئی ملی ہے اب میں اسے تمام دکان کے تالوں پر لگا کر دیکھتا ہوں تاکہ جس کی کنجی ہو اسے دے دی جائے۔

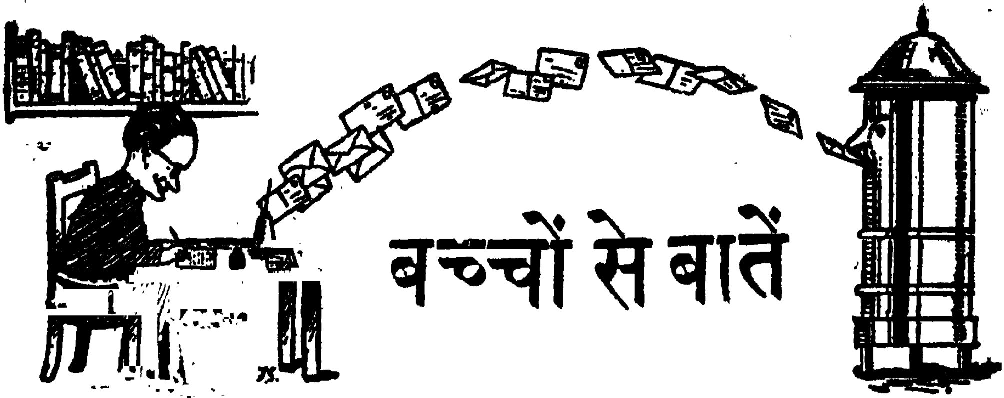
مسافر۔ اے لڑکے تیری عمر کیا ہے۔

لڑکا۔ جناب میری عمر گھر میں پانچ سال اسکول میں چار سال اور ریل میں تین سال۔

بقیہ بچوں کی کانفرنس کی تقریر۔

بے کار ہے۔ کیوں کہ اس میں سب سے بڑا مسئلہ ہماری مار پیٹ کا ہے ایک بار پھر میں جناب صدر سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ اس تجویز کو ضرور پاس کریں۔

محمد سلمان بیگ



बच्चों से बातें

भारतीय इतिहास की कुछ महत्वपूर्ण तिथियें

ईसा पूर्व

३००० मोहेन्जोदड़ो और हरप्पा सभ्यता

२०००–१५०० वैदिक सभ्यता का युग

५६३ महात्मा बुद्ध का जन्म

४८३ महात्मा बुद्ध का निर्वाण

५४० भगवान महावीर का जन्म

४६८ भगवान महावीर का निर्वाण

३७७ वैशाली का बौद्ध अधिवेशन

३२६ सिकन्दर का भारत पर आक्रमण

३२४ मौर्य वंश का उदय

३०५ चन्द्र गुप्त मौर्य द्वारा सेल्यूकस निकाटोर की पराजय

२७३ अशोक महान का गद्दी पर बैठना

२५६ अशोक का धर्म प्रचारकों को विदेशों में भेजना

२३२ अशोक का देहान्त

५८ विक्रम संवत् का आरम्भ

४४ लंका में तामिल राजा

(शेष अगले परचे में)

बताओ तो जानें

अगर शतरंज के पहले खाने में एक चावल रक्खें, दूसरे में दो, तीसरे में चार, चौथे में आठ, इसी प्रकार हर खाने में पिछले खाने से दुगने चावल रखते जावें तो सब खानों में रखने के लिये कितने चावलों की आवश्यकता होगी ?

(सही उत्तर भेजने वालों के नाम अगले परचे में छापे जावेंगे)

रही है कि जिसे सुनकर तुम्हारा कलेजा फटा जाता है; वह कपड़े साफ करनेवाली एक गरीब स्त्री है। नीचे की मंज़िल में रहने वाले सब बच्चे बुखार से पीड़ित हैं। सबसे नीचे की मंजिल में रहने वाली धोबिन इस जाड़े के अन्त तक जिन्दा नहीं बचेगी। और बगल के मकान में रहनेवाले लोगों की दशा इससे भी बुरी है।

इन सब बीमार लोगों से तुम क्या कहोगे? क्या उनके लिए पौष्टिक भोजन, आबोहवा की तबदीली, हलका परिश्रम करना आदि तजवीज करोगे? तुम चाहोगे अवश्य कि तुम ऐसा कह सको; पर तुम कहने का साहस नहीं कर सकते और तुम दुःखी हृदय से दैव को कोसते हुए वापस चले आते हो।

दूसरे दिन, जब अभी तुम उस नरक-कुण्ड में रहने वालों के भाग्य पर विचार ही कर रहे हो, तुम्हारा साथी तुमको बतलाता है कि कल एक दरबान उसको बुलाने आया था और साथ में गाड़ी भी लाया था। वह उसे सुन्दर महल में रहनेवाली एक श्रीमती के देखने को ले गया। उन रमणी को रात में नींद न आने की बीमारी है। उसने अपना सारा जीवन बनाव-शृङ्गार, दावतो, तमाशों और अपने बेवकूफ पति के साथ दाँता-किलकिल करने में बिताया। तुम्हारे मित्र ने उसके लिए तजवीज़ किया—यथा सम्भव कृत्रिम आदतों का त्याग करना, सादा भोजन, स्वच्छ हवा में टहलना, शान्त स्वभाव रखना और कोई शारीरिक काम न करने की कमी को किसी अंश में पूरा करने के लिए अपने कमरे के भीतर हलकी कसरत कर लेना।

एक इसलिए मर रही है कि उसे तमाम उम्र न कभी काफी खाना मिला न काफी आराम; दूसरी इसलिए तकलीफ पा रही है कि उसे अपने जीवन में आजतक यही मालूम नहीं हुआ कि मेहनत करना किसे कहते हैं? "आदमी" हो, अगर तुम अपने मनोभावों को कार्य में परिणत करने की इच्छा-शक्ति रखते हो, यह देख कर तुम अपने मन में यह कहते हुए घर लौटोगे —नहीं, यह अन्याय है, यह अधिक समय तक कायम नहीं रहना चाहिए। केवल रोगों का इलाज करने से काम नहीं चलेगा" उनके पैदा होने के कारणों को ही रोकना चाहिए: अगर मनुष्यों को भोजन-वस्त्र की कुछ सुविधा होजाय और वह कुछ शिक्षित हो जायँ तो हमारे रोगियों की संख्या आधी ही रह जाय और बीमारियाँ भी लुप्त होजायँ। चिकित्सा-शास्त्र चूल्हे में जाय! स्वच्छ हवा, पौष्टिक भोजन और साधारण परिश्रम—ये ही सब से पहली बातें हैं। इनके बिना डाक्टरी की सब बातें चालबाजी और धोखेबाजी के सिवा कुछ नहीं हैं।

बस जिस दिन ये बातें तुम्हारी अक्ल में आ जायंगी उसी दिन तुम समाज के सच्चे चिकित्सक बन जाओगे। फिर तुम इसको पूरी तरह से बन जाओगे, और तुम परोपकार के सिद्धांत के महत्व को समझने लगोगे।

"मैं क्या बनना चाहता हूँ" क्रम का पहला लेख

तुम डाक्टर बनोगे?

मान लो कि तुम डाक्टर बनना चाहते हो।

कल फटे-पुराने कपड़े पहिने एक आदमी किसी रोगी स्त्री को देखने के लिए तुम्हें बुला ले जाता है। वह तुम्हें ऐसे तंग गली कूचों में से ले जाता है जिनमें दो आदमियों का साथ-साथ चल सकना भी कठिन है। तुमको एक दुर्गन्ध- युक्त स्थान में टिमटिमाते दीपक की रोशनी में ऊपर चढ़ना पड़ता है। तुम दो, तीन, चार या पाँच गन्दे ज़ीनों को चढ़कर एक अँधेरी ठंडी कोठरी में पहुँचते हो और वहाँ रोगी स्त्री को टूटी-सी चारपाई पर मैले चीथड़ों से ढकी हुई पाते हो। पीले रंग के, मैले-कुचैले बच्चे पतले कपड़ों के भीतर ठंड से काँपते हुए आँखें फाड़ फाड़ कर देख रहे हैं। स्त्री का पति उम्र भर किसी कारखाने में बारह-तेरह घण्टे रोज काम करता रहा। अब वह तीन महीने से बेकार बैठा है। नौकरी छूट जाना उसके लिए कोई नयी बात नहीं है। प्रायः हर साल या समय-समय पर ऐसी घटना हुआ ही करती है; पर पहले जब वह बेकार रहता था तो उसकी स्त्री कुछ मेहनत-मजूरी कर लेती थी—शायद वह तुम्हारे ही घर पर चौका बर्तन करती रही हो—और पाँच सात रुपये महीना कमा लेती थी। पर अब वह भी दो महीने से बीमार है और सारा परिवार दुर्दशा के भीषण पंजे में फँसा हुआ है।

डाक्टर साहब, आपने यह तो आने के साथ ही समझ लिया कि इस स्त्री की सारी बीमारी सिर्फ शारीरिक दुर्बलता, पौष्टिक भोजन का अभाव और स्वच्छ हवा की कमी से है। आप इसके लिए क्या नुसखा तजवीज करेंगे? क्या प्रतिदिन एक सेर दूध? शहर के बाहर स्वास्थ्यकर स्थान में घूमना-फिरना? अच्छे हवादार कमरे में सोना? कैसी विडम्बना है! अगर उसके पास इतनी सामर्थ्य ही होती तो ये उपाय बिना आपकी सलाह के बहुत पहले कर लिये गए होते।

अगर तुममें कुछ सहृदयता का भाव है, अगर तुम खुलकर बातचीत करते हो और यदि तुम्हारे चेहरे से ईमानदारी टपकती है तो उन लोगों से तुम को बहुत-सी बातें मालूम हो सकती है। वह तुम को बतलावेंगे कि बगल कि कोठरी में जो औरत इस बुरी तरह से खाँस

श्री अशोक बी० ए०

अगर कहीं मैं होता फूल

१

उपवन की डाली में खिलता।
भौंरों का मन मोहित करता॥
मंदिर में देवों पर चढ़ता॥।
होता मैं सबके अनुकूल।
अगर कहीं मैं होता फूल॥

२

गर्मी मेरी देह जलाती।
वर्षा मेरी प्यास बुझाती॥
देह ठंड पा कर कंप जाती॥।
मैं न किसी को होता शूल।
अगर कहीं मैं होता फूल॥

३

हारों में मैं गूँथा जाता।
वहां महक अपनी फैलाता॥
सबके बड़े काम में आता॥।
करता कभी न कुछ भी भूल।
अगर कहीं मैं होता फूल॥

४

माली मुझे तोड़ ले जाता।
किसी देव पर मुझे चढ़ाता॥
तभी मोक्ष मुझको मिल जाता॥।
मिलता मुझे तभी सुख मूल।
अगर कहीं मैं होता फूल॥

था। वह ऐसा अच्छा और सच्चा सहायक था कि लोग पहली ही भेंट में उसके भक्त बन जाते थे। प्रायः भाषण के बाद लोग उससे मिलने आते। जार्ज उनकी आवाज से ही उन्हें पहचान लेता और उनका नाम ले कर उनसे बातचीत करता था। एक दिन एक आदमी उसके पास आया। उसे वह अपनी बीमारी के दिनों में देख चुका था। वह कहने लगा, डाक्टर साहब, शायद आप मुझे भूल चुके होंगे। जार्ज ने तुरन्त ही उत्तर दिया, मैं आपको जानता हूं, आप मेकनताश हैं। वह आदमी मेकनताश ही था।

जार्ज ने कई अच्छी अच्छी पुस्तकें भी लिखी हैं. १८८२ में उसने एक पुस्तक "मेरी अभिलाषा" लिखी। इसकी ख्याति और मांग इतनी हुई कि सारी पुस्तकें थोड़े ही दिनों में समाप्त होगई। यह पुस्तक कई बार छपी और बिक गई। इस पुस्तक के अतिरिक्त उसने और कई बढ़िया बढ़िया पुस्तकें भी लिखीं। उसके भाषणों की तरह यह पुस्तकें भी लोगों के लिये अमृत का काम देती थीं और संसार के सारे भागों में से उसके पास बधाई के पत्र आते थे. जार्ज लोगों का सच्चा सेवक था। वह हर काम लोगों की भलाई की दृष्टि से करता था. यही कारण था कि उसके भाषण और पुस्तकें उदारता, सहानुभूति और उत्साह का उदाहरण थीं. बहुत से निराश और कष्ट में पड़े हुए लोगों का जीवन इन पुस्तकों को पढ़ने से संभल गया।

जार्ज ६४ बरस जीवित रहा. उसके जीवन का प्रत्येक क्षण लोगों की सेवा में बीता। वह नित्य सवेरे कलेवे के बाद चिट्ठी लिखता. इसके बाद जर्मन और फ्रैंच पुस्तकें पढ़वा कर सुनता. फिर अपने सेक्रेटरी से कुछ लेख लिखवा कर पत्रों में भिजवाता। उसने अपने जीवन में कोई काम अधूरा नहीं छोड़ा इसीलिए जीवन के हर काम में सफल और प्रसन्न रहा।

२८ अगस्त १९४६ में जार्ज इस संसार से विदा हुआ. उसकी कब्र ग्लासगो में है। उसके सम्बन्धियों के पास संसार के कोने कोने से समवेदना और सहानुभूति के पत्र आये। सब उसकी प्रशंसा से भरे हुए थे। वह इस प्रशंसा के योग्य भी था उसने दुनिया को दिखा दिया कि चाहे कैसी ही कठिनाइयां हों, मनुष्य का विचार पक्का और नीयत साफ हो तो सब रुकावटें और सारी कठिनाइयां सरल हो जाती हैं।



और कालिज के पाठ उसके सामने दोहराए जाते। उसकी स्मरण-शक्ति इतनी अच्छी थी कि थोड़ी देर में अपने सारे पाठ अक्षरशः दोहरा देता । ग्यारह वर्ष की आयु में वह ग्लासगो कालिज में भरती हुआ। यहाँ के चार साल के समय में उसने अंग्रेजी, भूगोल और इतिहास में बहुत से पुरस्कार पाए और १५ वर्ष की आयु में मैट्रिक पास कर लिया।

इस बीच उसकी आखों की रोशनी हमेशा कम होती रही। आखिर १८ वर्ष की आयु में वह बिल्कुल अंधा हो गया। यह समय उसके लिए बड़े दुख और कष्ट का था, परन्तु उसने साहस न छोड़ा और पढ़ने लिखने का क्रम सदा जारी रक्खा। वह हर कक्षा में प्रथम रहता था। कालिज के ड्रामों और भाषणों में उसने असाधारण ख्याति प्राप्त कर ली। बी०ए० में उसका विशेष विषय फ़िलासफी था। परीक्षा में उसका स्थान पहला रहा। फिर एम०ए० भी कर लिया सन् १८६८ में उसे धार्मिक शिक्षा पढ़ने का शौक हुआ और ९ साल के बाद उसने डाक्टर आफ डिविनिटी की डिगरी हासिल की और अब इसे अपने धर्म का प्रचार करने की आज्ञा मिल गई।

ग्लासगो में बर्नार्ड नाम का एक प्रसिद्ध पादरी था। जार्ज इसका सहायक पादरी बना दिया गया। वह सदा बड़े बड़े उत्सवों में भाषण देता था। उसके उपदेश करने का तरीका कुछ ऐसा था कि लोग उसके अंधेपन को कठिनत से ही ताड़ सकते थे।

एक साल के बाद वह अनीलिन के गिर का पादरी बना दिया गया। अनीलिन बहु सुन्दर जगह है। गर्मी के मौसम में यहाँ दू दूर के लोग आते थे। जार्ज के कारण यहां की रौनक और चहल पहल में भी चार चाँद लग गये। लोग बड़ी संख्या में इसका उपदेश सुनने आते और अपने दिल पर इसका बहुत अच्छा असर लेकर जाते थे। उसका भाषण मुर्दों में भी जा डाल देता था, विशेषकर युवकों में एक विशेष उत्साह और उमंग भर देता था। वह निराशा और निन्दा आदि को अपने पास नहीं आने देता था।

१८६८ ईस्वी में वह अडम्बरा के गिरजा-घर का लाट पादरी बनाया गया। वह वहां १३ साल रहा। इस काल में उसने कई उपदेश दिए। उसके हरेक उपदेश में पन्द्रह पन्द्रह हजार लोगों की भीड़ होती थी। धार्मिक उपदेश भी एक सेवा है, परन्तु जार्ज का उच्च साहस और आगे बढ़ने के लिए बेचैन था। उसने सोचा उपदेश के द्वारा धर्म फैलाना ही काफ़ी नहीं लोगों के घर घर में पहुंच कर उनका दुःख दर्द मालूम करके उनकी सहायता करनी चाहिये। अडम्बरा में रहते हुए उसने ६०० परिवारों की देखभाल और सहायता की। वह सदा बीमारों बूढ़ों, अपाहिजों, गरीबों और दुखियारों की सेवा अपने जीवन का मुख्य कर्त्तव्य समझता

श्री अब्दुल वासे असर।

अन्धा लड़का



अभी थोड़े दिन की बात है, लगभग १०० बरस पहले की। विलायत के एक शहर ग्लासगो में १८४२ में एक लड़के ने जन्म लिया जिसका नाम जार्ज मैथन था। अभी वह १८ महीने का था कि उसकी आखें खराब होने लगीं। इसकी मां को बहुत चिन्ता हुई। डाक्टरों ने बहुत इलाज किया, परन्तु कोई विशेष लाभ नहीं हुआ। माँ बाप को जार्ज मैथन की आंखों के कारण बड़ी परेशानी रही।

धीरे धीरे उसे कम दिखाई देने लगा। वह ऐनक की सहायता से पढ़ लेता था, लेकिन अधिक देर तक कोई चीज़ जल्दी से नहीं देख सकता था। स्कूल में उसे अध्यापक ने खिड़की के पास बैठने की आज्ञा दे दी, जिससे कि रोशनी में अच्छी तरह पढ़ लिख सके। आंखों की कोई ऐसी वैसी तकलीफ़ तो होती नहीं, पर जार्ज बहुत शौकीन लड़का था। यह कष्ट होने पर भी खूब चिन्ता के साथ पढ़ता और अपनी कक्षा में सदा प्रथम स्थान पाता। अंग्रेज़ी तो उसकी मातृभाषा थी। इसके अतिरिक्त उसने जर्मन, फ्रैंच, लैटिन और यूनानी भाषायें भी सीख लीं।

जार्ज के परिवार के लोग गर्मियों की छुट्टियां समुद्र के किनारे बिताया करते थे। यहां जहाजों के आने जाने का तमाशा देखकर जार्ज बड़ा खुश होता इस पर लिखे हुए अक्षर बड़े ध्यान से पढ़ता। इस तरह वह अपनी आंखों की बीनाई का अनुमान लगाता रहता। कभी कभी उसे यह देख कर बड़ी प्रसन्नता होती कि उसकी आंखों की रोशनी बढ़ रही है।

उसके लिखने पढ़ने का समय अधिकतर दूसरों की दया और कृपा पर बीता। स्कूल

प्याम तालीम

सचित्र मासिक [उर्दू-हिन्दी]
बाल पत्रिका

दिसम्बर १६५०, जामिया नगर, दिल्ली

संपादक की ओर से

पिछले परचे में हमने "मैं क्या बनना चाहता हूँ" यह शीर्षक देकर अपने प्यामी बन्धुओं का ध्यान उनके भविष्य की ओर आकर्षित किया था। इस परचे में हम कुछ ऐसी रचनायें दे रहे हैं।

× × ×

कवि तो कोमल हृदय वाला होता है, वह तो सदा त्याग और सेवा का जीवन ही पसन्द करता है। हमारे अशोक जी पुष्प बन कर जीवन बिताने की कामना करते हैं। उनकी इच्छा उन्हीं के शब्दों में, प्याम तालीम के इस परचे में पढ़िये।

× × ×

"तुम डाक्टर बनोगे ?" में एक विदेशी विचारक ने नवयुवकों के सामने एक डाक्टर के कर्त्तव्यों का और उसके सामने आने वाली परिस्थितियों का चित्र रखा है।

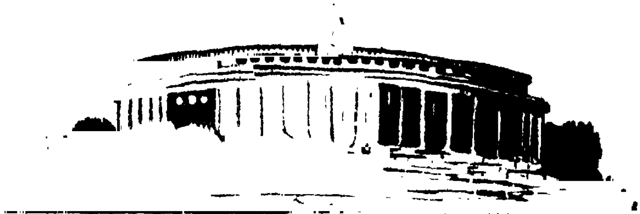
× × ×

"अंधा लड़का" इस बात का प्रमाण है कि साहसी मनुष्य जीवन में आने वाली सब रुकावटों का सामना करके तरक्की कर सकते हैं। आशा है हमारे प्यामी बन्धु हमारे इस संचय को पसन्द करेंगे।

× × ×







रजिस्टर्ड नं० डी० ५५१

पयाम तालीम

दिसम्बर
१९५०



एक प्रति
।≈)
वार्षिक
४)

मक्तबा जामिआ
लिमिटेड देहली